خطباتِ مسعودی

جلد اول

پیر طریقت یادگار اسلاف

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن شاہ صاحب مسعودی

دامت فیوضہم العالیہ کے نادر خطبات کا مجموعہ

خلیفہ مجاز بیعت

پیر طریقت شیخ المشائخ

حضرت مولانا خلیفہ غلام رسول صاحب نور اللہ مرقدہ

لعل ماڑہ، ڈیرہ اسماعیل خان

ناشر: مکتبہ سیدنا ابوہریرہؓ

خطباتِ مسعودی

﴿ جلد اول ﴾

پیرِ طریقت یادگارِ اسلاف

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن شاہ صاحب مسعودی

دامت فیوضہم العالیہ کے نادر خطبات کا مجموعہ

خلیفہ مجازِ بیعت

پیرِ طریقت شیخ المشائخ

حضرت مولانا خلیفہ غلام رسول صاحب نوراللہ مرقدہ

لعل ماڑہ، ڈیرہ اسماعیل خان

ناشر: مکتبہ سیدنا ابوھریرہؓ گلبرک، غرناطہ مظفرآباد

نام کتاب ---------------خطبات مسعودی

مرتب ---------------صہیب علی

کمپوزنگ --------------- مرتب

ناشر ------مکتبہ سیدنا ابوھریرہؓ، گلبرگ غرناطہ مظفرآباد

طابع ------انصاری پرنٹرز پشاور 0345-9116354

اشاعت اول ---------------جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ/مارچ 2017ء

قیمت ---------------

ملنے کے پتے

جامعہ سیدنا ابوھریرہؓ، محلّہ صادق آباد گلبرگ غرناطہ مظفرآباد

رابطہ نمبر 0314-9666205

دار العلوم ہزارہ جامعہ مسجد الیاسی، نواں شہر ایبٹ آباد

رابطہ نمبر 0311-9820472

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

0321-9834142

0314-9666205, 0322-5067706

فہرستِ بیانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، یادگارِ اسلاف حضرت مولانا مفتی محمود الحسن شاہ صاحب مسعودی دامت فیوضہم العالیہ عصرِ حاضر کی اُن شخصیات میں سے ہیں جن کو دیکھ کر اپنے اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، بلاشبہ اس پُرفتن دور میں حضرتِ والا شریعت و طریقت کی ایک جامع ہستی ہیں۔ ایک طرف جہاں اُنکے درد بھرے ارشادات و مواعظ لوگوں کے دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کرتے ہیں تو دوسری طرف اُنکی پُرکشش اور اتباعِ سنت میں ڈوبی ہوئی شخصیت اپنے اندر بلا کی جاذبیت رکھتی ہے اور دیکھنے والوں کے قلوب خود بخود اُنکی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

پیرِ طریقت حضرتِ اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے شیخ و مربی قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری قدس اللہ سرہ کی شان میں ایک نظم سپردِ قلم کی ہے جسکے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں جو اپنے اسلاف کے اِس سچے جانشین پر بھی حرف بہ حرف صادق آتے ہیں اور مجھ جیسے بے بصیرت انسان کو بھی ان اشعار کے آئینے میں حضرتِ والا کی جامع صفات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ

اللہ اللہ، اُن کا عالم	عشق سراپا، حسن مجسم
فانی فی اللہ، باقی باللہ	ختم اُنہی پر اُن کا عالم
جامعِ سنت، قامعِ بدعت	نائبِ حضرتِ فخرِ دوعالم

نورِ شریعت، فیضِ طریقت — جاری ساری باہم باہم
ایسا عارف، ایسا مرشد — ڈھونڈ نہ پائے عالم عالم
لاکھوں دِلبر، لیکن پھر بھی — تیرا عالم، تیرا عالم
حُسنِ تکلّم، رنگِ تبسم — غم کا مُداوا، زخم کا مرہم
گاہ اِشارہ، گاہ کِنایہ — مُجمل مُجمل، مُبہم مُبہم
سوزِ مروت لحظہ لحظہ — دردِ مَحبت پیہم پیہم
اپنے پرائے، یکساں یکساں — سب کا مونس، سب کا ہمدم
واہ![1] ترا اندازِ محبت — عشق میں شعلہ، حُسن میں شبنم

پیشِ نظر کتاب بنام ''خطباتِ مسعودی'' حضرتِ والا کے اصلاحی خطبات کا پہلا مجموعہ ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ ہی کا فضل وکرم ہے کہ اُس نے ناکارہ کو بےعلم وعمل اور ست و کوتاہ ہونے کے باوجود اس کام کی توفیق عطا فرمائی جس پر اُس پاک ذات کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

ع شکر ہے تیرا خدایا میں تو اس قابل نہ تھا

پاکستان میں حضرتِ والا کی روحانی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، ملک کے اکثر و بیشتر علاقوں میں آپ کے پے در پے تبلیغی اسفار ہوتے رہتے ہیں جن کا سلسلہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ آپ کے ان اسفار سے اب تک بلا مبالغہ سینکڑوں زندگیوں میں خوشگوار دینی انقلاب رونما ہوا اور ہو رہا ہے۔ کئی علاقوں میں شرک و بدعات کا

---

[1] حضرت کے اصل شعر میں لفظ ' واہ ' کی بجائے ' آہ ' ہے۔

قلع قمع ہوا اور اہلِ حق کے لیے دین کا کام کرنے کے لیے راہیں ہموار ہوئیں اور آج بھی کثیر تعداد میں علماء و طلباء اور عوام الناس اس چشمۂ فیض سے سیرابی حاصل کر رہے ہیں، اللھم زد فزد۔

گزشتہ کئی برسوں سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ حضرتِ والا کے مواعظ جن کی تعداد اس وقت تقریباً 3000 سے بھی متجاوز ہے، اُنہیں کسی طرح کتابی شکل میں منتقل کیا جائے۔ ان مواعظ کے جمع ہونے کا پسِ منظر کچھ یوں ہے کہ غالباً 2002ء میں حضرتِ والا کے سفر و حضر کے خادم مفتی زید صاحب مدظلہ (حال مدرس جامعہ ابوھریرۃؓ مظفر آباد) کو حضرتِ والا کے شیخ و مربی حضرت مولانا خلیفہ غلام رسول صاحب نور اللہ مرقدہ نے خانقاہ حاضری پر ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت کے بیانات کو محفوظ کیا کریں۔ حضرت خلیفہ صاحبؒ کے حکم کے بعد مفتی زید صاحب بڑی محنت اور اہتمام سے حضرت کے بیانات کو کیسٹ اور دیگر ذرائع (MP3 ڈیجیٹل ریکارڈر وغیرہ) کے ذریعے محفوظ کرتے رہے اور الحمد للہ! تا حال یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اپنی تدریسی مصروفیات کی وجہ سے اگر مفتی صاحب حضرتِ والا کے ساتھ سفر پر نہیں ہوتے تو دوسرے حضرات یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔

یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مفتی صاحب کی فکر، دعا اور ترغیب ہی کی برکت سے ناکارہ کو ان بیانات کے قلمبند کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جو کتابی شکل میں اس وقت آپ کے مبارک ہاتھوں میں ہیں۔ بیانات کے لکھنے کا طریقہ کار یہ رہا کہ بعض مقامات پر معمولی حذف و اضافہ کیا گیا اور جہاں تکرار نظر آیا، اسے بھی حتی الوسع ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ پھر جب مسودہ تیار ہو گیا تو طباعت کا مرحلہ تھا لیکن اُس سے قبل اِس پر

نظرِ ثانی بھی ضروری تھی۔

حضرتِ والا کے لیے اپنے پیہم اسفار اور دیگر دینی مصروفیات کی وجہ سے اس کام کے لیے وقت نکالنا مشکل تھا، اسکے لیے بھی حضرتِ والا نے مفتی زید صاحب مدظلہ ہی کو نظرِ ثانی کا حکم فرمایا جنہوں نے نظرِ ثانی کرنے کے ساتھ ساتھ طباعت تک کے تمام مراحل کی نگرانی بھی فرمائی، اُنکے علاوہ مفتی آصف محمود صاحب مدظلہ، مہتمم جامعہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ حویلیاں ایبٹ آباد نے بھی بالاستیعاب سارے مجموعہ کو ملاحظہ فرمایا۔ دونوں حضرات نے اغلاط کی اصلاح بھی فرمائی اور وقتاً فوقتاً رہنمائی بھی فرماتے رہے جسکے لیے ناکارہ اُن کا انتہائی ممنون ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ اب بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مجموعہ اغلاط سے بالکل پاک ہے، کمپوزنگ یا دیگر اغلاط کا امکان باقی ہے، لہٰذا! قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ دورانِ مطالعہ اگر کوئی غلطی ملاحظہ فرمائیں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس حقیری کاوش کو اپنی پاک بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اِسے ہمارے لیے ذخیرہ آخرت بنادے (آمین)۔

صہیب علی عفی عنہ

نواں شہر، ایبٹ آباد

بیان دستار بندی، دیول مری

الحمد لله، الحمد لله الذی احسن ما خلق وبسط ما رزق وفتح واغلق واسکت وانطق خلق السموت فرتق ثم فتق مارتق والارضین فاطبق والجبال فاشهق والبحار فاعمق والیل فاغسق والصبح فافلق و الرعد فابرق والجنان فاحدق والاشجار فاورق سبحان الابدیّ الابد سبحان الواحد الاحد سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السمآء بغیر عمد سبحان من بسط الارض علی مآء جمد سبحان من خلق الخلق فاحصاھم عدد سبحان من قسم الرزق ولم ینس احد سبحان الذی لم یتخذ صاحبۃوّلا ولد سبحان الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد اللھم صل علی محمد و اله بقدر حسنه وکماله اما بعد:

فاعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیمo

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

وقل اعملوا فسیر ی اللہ عملکم ورسوله والمؤمنون ؕ وستردون الیٰ عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون o وقال اللہ تبارک وتعالیٰ " والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ؕ وان اللہ لمع المحسنین oوقال اللہ تبارک وتعالیٰ " یآ یھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملقیه o وقال النبی ﷺ " انکم علی بینۃ من ربکم ما لم تظھر فیکم سکرتان، سکرۃ الجھل و سکرۃ حب العیش وانتم تأ مرون

بالمعروف وتنهون عن المنكر وتجاهدون فی سبیل الله فاذا ظهر فیکم حب الدنیا فلا تأ مرون بالمعروف ولا تنهون عن المنکر ولا تجاهدون فی سبیل الله القائلون یومئذ بالکتاب والسنة کا لسابقین الاولین من المهاجرین والانصار "او کما قال علیه الصلوۃ والسلام بارک الله لنا ولکم فی القران العظیم ونفعنا وایاکم بالأیٰت والذکرالحکیم استغفر الله لی ولکم و لسائر المسلمین فاستغفروہ انه هو الغفور الرحیم

دوراستے ہیں یہاں سے آگے سفر میں، چونکہ ہم یہاں پردیس میں ہیں، اپنے وطن کو جانے کی تیاری کے لیے رُکے ہیں۔تو دوراستے ہیں، ایک شریعت کا راستہ اور دوسرا اپنی طبیعت کا راستہ ہے،ایک رب چاہی کا راستہ ہے اور ایک سب چاہی کا راستہ ہے۔ایک وہ راستہ ہے جدھر رب بلاتے ہیں اور ایک وہ راستہ ہے جس کی طرف سب بلاتے ہیں۔اب یہ دنیا امتحان گاہ ہے، دارالامتحان ہے، آخرت تو دارالقرار ہے اور یہ دنیا دارالفرار ہے اور موت کے بعد سے لے کر قیامت میں اُٹھنے تک دارالانتظار ہے۔ابھی ہم دارالفرار سے دارانتظار کی طرف جارہے ہیں، پھر دارالقرار میں جانا ہوگا۔

یہ جو قبر ہے قبر انتظار گاہ (Waiting Room) ہے،اب ویٹنگ روم تو ٹکٹ کے مطابق ہی ہوتا ہے،ٹکٹ جس درجے کا ہوگا اُس درجے کا ویٹنگ روم ہوگا، تو یہ سنبھلنے اور بہت زیادہ سوچ اپنے اندر پیدا کرنے کا موقع ہے،غفلت کا نہیں ہے۔غفلت میں جانے والے فرعون وشداد نمرود وقارون تھے، ابوجہل وابولہب تھے۔اگر ہم بھی غفلت میں چلے گئے تو کہیں حشر اُنکے ساتھ نہ ہو جائے، وہ بھی سوئے سوئے چلے گئے۔ بہت جگایا،

حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بہت جگایا، حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو بہت جگایا اور اسی طرح حضور ﷺ نے ابوجہل وابولہب کو بہت جگایا ہے، بہت بیدار کیا ہے، رورو کے مانگا ہے اللہ تعالیٰ سے۔

حضور ﷺ کی مبارک سیرت فضائلِ اعمال میں دیکھیں، ابتداء میں جو حکایاتِ صحابہؓ ہیں، پھر ہمارے حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ کی حیاۃ الصحابہؓ ہے، تھوڑی جھلکیاں اُس میں ہمیں نظر آنی چاہییں۔ اگر روزانہ کی تعلیم ہو گھر میں، تذکرے ہی مبارک ہوں تو پھر زندگیاں بھی مبارک بن جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہو جائیں گی۔ کچھ ہمیں پتہ ہونا چاہیے کہ حضور ﷺ کی مبارک نسبت کیا ہے؟ تو انہیں جگایا ہے لیکن نہیں جاگے، سوئے ہی رہ گئے۔ اسی لیے تو ارشاد فرمایا کہ جو نماز میں سستی کرتا ہے یا نماز کو قضا کر دیتا ہے، نماز کا اہتمام نہیں کرتا تو اُسکا حشر قیامت میں فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

اگر وہ صدر بن گیا، وزیرِ اعظم بن گیا، کسی محکمے کا سربراہ بن گیا، چیئرمین بن گیا یا کوئی ناظم بن گیا اور اس وجہ سے نماز میں سستی شروع کر دی کہ مصروف ہو گیا ہوں، ذمہ داری بڑھ گئی ہے تو قیامت میں اسکا حشر فرعون کے ساتھ ہوگا اور اگر نائب ہے کسی کا، وزیر ہے، کوئی مشیر ہے یا نائب ناظم ہے اور پھر نماز میں سستی کرنے لگا تو اُسکا حشر ہامان کے ساتھ ہوگا اور اگر تاجر ہے اور تجارت کی وجہ سے نماز میں سستی کر رہا ہے کہ پہلے تو چھوٹی دکان تھی، گاہک تھوڑے آتے تھے تو نماز میں آجایا کرتا تھا لیکن اب دکان بڑی ہو گئی، دو دکانیں تین دکانیں ہو گئیں، مارکیٹ خرید لی، اس وجہ سے مصروف ہو گیا ہے تو اُسکا حشر اُبی بن خلف کیساتھ ہوگا اور آپ کو پتہ ہے کہ اُبی بن خلف کتنے بڑے درجے کا کافر تھا۔ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالی کے بارے میں کیا کیا بیہودہ باتیں کرتا تھا، اُس نے ایک گھوڑا

پالا ہوا تھا اور یہ کہتا تھا کہ میں اِس پر چڑھ کر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضور ﷺ کو شہید کر دوں گا۔ اُحد کی لڑائی میں وہ آپ ﷺ کو تلاش کرتا پھرتا تھا۔ جب وہ تلاش کرتے کرتے حضور ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے نیزہ لے کر ہلکا سا اُسکو چھویا، جسکی وجہ سے چیختا چلاتا پھرتا تھا۔ ابو سفیان نے اُسے بہت عار دلائی کہ معمولی خراش ہے، ہلکی سی نوک لگی ہے اور تو اتنا چیختا ہے اور لکھا ہے کہ اُسکی آواز ایسی تھی کہ جیسی بیل کی ہوتی ہے۔ اُس نے کہا کہ تمہیں پتہ ہے کہ یہ کس کی مار ہے؟ یہ محمد ﷺ کی مار ہے۔ اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اُسی سے مر جاتا اور اُس نے کہا کہ مجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے کہ اگر سارے حجاز والوں میں تقسیم کر دی جائے تو سب مر جائیں۔ تو امتحان میں ہیں ہم سب اور یہ دھوکا ہے، یہی دھوکا فرعون کو لگا اور ہمیں بھی لگا ہوا ہے، اسی طرح قارون کو پیسے کا تجارت کا دھوکا لگا اور ہم بھی اُسی دھوکے میں ہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔

دو راستے ہیں، ایک شریعت کا راستہ ہے اور دوسرا طبیعت کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دے کے بھی آزماتے ہیں، لے کے بھی آزماتے ہیں، جن کو دیا ہے اُن سے شکر کا امتحان لیا جا رہا ہے اور جن سے لیا ہے اُن سے صبر کا امتحان لیا جا رہا ہے، دونوں کیساتھ معاملہ امتحان کا ہے۔ کسی پر سوالات زیادہ، جسکی دکانیں زیادہ اُسکا پرچہ بڑا مشکل ہے۔ جیسکے سی این جی، پٹرول پمپ زیادہ، ملیں کارخانے زیادہ، اُسکا امتحان بھی بڑا سخت ہے۔ بہت مرحلے اُس پر آنے ہیں، چونکہ پہلے تو اُس نے ایک دکان کا امتحان دینا تھا، ابھی تو دو کا، دس کا دینا ہے۔

آدمی کو ذمہ داری جب مل جاتی ہے تو پہلے تو صرف اپنا امتحان تھا، اب جو ذمہ داری مل گئی ہے اُسکے بقدر اُس سے باز پُرس ہوگی۔ کسی محکمے کا وزیر بن گیا تو سارے محکمے کا سوال اُس سے ہوگا۔ جو گورنر بن گیا، وزیرِ اعلیٰ بن گیا تو جتنا اُس علاقے میں اُس صوبے میں

غلطیاں ہورہی ہیں، سب کرنے والوں کو اپنی اپنی اور سب کی ملا کر اُس وزیر کے کھاتے میں ڈالی جائیں گی، تو یہ کوئی مبارکبادی کا موقع نہیں ہوتا۔ آپ کا کیا خیال ہے کوئی امتحان میں پھنسا ہو تو اُسکے لیے دُعا کرتے ہیں یا مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تو امتحان میں پھنسا ہے، نہیں نہیں اُسکے لیے دُعا مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے کامیاب کر دے، تو سخت امتحان میں پھنس گیا ہے۔ اگر کوئی آدمی درخت پر چڑھ کر اُوپر بلندی پر پہنچ گیا اور اب بیچارہ اُتر نہیں سکتا تو نیچے کھڑے لوگ اُس پر ترس کھاتے ہیں یا نہیں؟ کہ چڑھ تو گیا ہے، اب اللہ کرے عافیت کے ساتھ اُتر جائے۔ اگر پھسل گیا تو اِسکا بچنا مشکل ہے، اس لیے جتنی بلندی پر آدمی جاتا ہے، اُتنا ہی مسئلہ نازک ہو جاتا ہے۔

ہمارے حضرت مولانا طارق جمیل صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بارے میں مجھے یاد آیا کہ رائیونڈ میں جب میرے بارے میں یہ طے ہوا کہ مقیم بننا ہے جبکہ ابھی سال پورا نہیں ہوا تھا، آٹھ یا نو مہینے ہوئے تھے۔ ہمارے حضرت حاجی عبدالوھاب صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے حکم فرمایا کہ آپ نے یہاں ٹھہرنا ہے۔ مولانا طارق جمیل صاحب کو پتہ چلا تو مجھے اُوپر سائبان پر لے گئے اور فرمانے لگے کہ محبت اور تعلقات تو بہت ہیں مگر میرا خیال یہ ہے کہ آپ معذرت کر دیں، پھر اُنہوں نے ایک شعر پڑھا جو مجھے بھولتا نہیں، فرمایا کہ

کسی سرنگوں سی ٹہنی پہ رکھیں گے چار تنکے
نہ بلند شاخ ہوگی نہ گرے گا آشیانہ

تو سب کے لیے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ تو یہ تہنیت کا موقع نہیں ہوتا، تہنیت کا موقع تو کل قیامت میں ہوگا کہ جس دن سرخرو ہونے والوں کے لیے اعلان ہوگا کہ فلاں فلاں کا بیٹا کامیاب ہو گیا ہے۔ وہ ہے مبارکباد کا دن، اُس سے پہلے تو سب کے لیے

دعائیں مانگنی ہیں کہ ہم سب دعاؤں کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھنا ہے

تو دو راستے ہیں، ایک شریعت کا راستہ، دوسرا طبیعت کا راستہ ہے۔ ایک راستے پر چل کر آدمی عبدالرحمٰن بنتا ہے، دوسرے راستے پر چل کر آدمی عبدالشیطان بنتا ہے

یہ جو کشمکش ہے، کھینچا تانی لگی ہوئی ہے، سچ اور جھوٹ کی، حق اور باطل کی، اندھیرے اور اُجالے کی، اس میں ایک طرف تو رحمانی طاقتیں ہیں، دوسری طرف شیطانی طاقتیں ہیں اور چونکہ ہم امتحان گاہ میں ہیں، اس لیے پرچہ بڑا سخت ہے۔ اب جو آدمی دکان پر بیٹھا ہے یا گھر میں موجود ہے اور آذان شروع ہوگئی اور نماز کا وقت آیا تو اب امتحان ہے۔ اگر وہ نماز کے لیے اُٹھ گیا تو رحمٰن کی طرف چلا گیا اور اگر نہیں اُٹھا تو شیطان کی طرف چلا گیا۔ اس لیے ہمارے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جنت چونکہ ساتوں آسمانوں کے اُوپر ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے، تو اُوپر جانے کے لیے محنت ہوتی ہے، اب جو نماز کے لیے اُٹھ رہا ہے تو وہ اُوپر کو جا رہا ہے اور جو نہیں اُٹھ رہا تو وہ نیچے پڑا رہ گیا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو عورت یا مرد خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھتے ہیں، جب انکی روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیج دیں گے کہ جاؤ ان کو کلمہ پڑھا دو"۔ اس لیے جب بھی نیکی کا خیال آئے تو یہ سمجھنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان آیا ہے، جو اُس خیال کا اکرام کرلے یعنی اُس پر عمل کرلے تو اللہ تعالیٰ اور بھی رحمتیں اُسے عطا فرمائیں گے۔ اس لیے نیکی کا جذبہ پیدا ہو تو فوراً اُس پر عمل کر لینا چاہیے اور آپ نے سنا ہو گا کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے اور ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے۔ ایک نیکی دوسری نیکی کا سبب بنتی ہے اور ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بنتا ہے، ایک نیکی دوسری نیکی کے ساتھ جڑتی چلی جاتی ہے اور پھر آدمی نیک بن جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بیٹا! نیک بنو، ہمیں چاہیے کہ ہم بڑے بھی نیک بنیں۔ ہم کہتے ہیں کہ بیٹا! جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تو بڑوں کو چاہیے کہ وہ بھی جھوٹ نہ بولیں۔ بڑے جو بات چھوٹوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ پہلے اُن کو خود اپنے اندر پیدا کرنی ہوگی اس لیے کہ اولاد ماں باپ کی فوٹو کاپی ہوتی ہے، جو اصل میں ہوگا وہ فوٹو کاپی میں بھی آئے گا۔ تو اگر ہم چاہتے ہیں کہ چھوٹے ٹھیک ہو جائیں تو بڑوں کو چاہیے کہ پہلے وہ خود ٹھیک ہو جائیں، بڑے ٹھیک ہو گئے تو چھوٹے بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ جیسے ہم چھوٹوں کے بارے میں نہیں چاہتے کہ وہ غلط بات کریں تو بڑوں کو بھی چاہیے کہ وہ بھی غلط بات نہ کریں، چھوٹے نمازی بنیں تو بڑوں کو بھی نمازی بننا ہوگا۔

عورتوں مردوں کو حضور ﷺ نے خوشخبری سنائی ہے کہ "جو خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھتا ہے، جب اُسکی روح کے نکلنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیج دیتے ہیں کہ جاؤ اس کو کلمہ پڑھا دو"۔ بس سارا مسئلہ ہی اسی کا ہے، یہاں سے جو جانے کا مرحلہ ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کا معاملہ کر دے ورنہ کوئی پتہ نہیں ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی اُنکی جماعت میں اُنکے ساتھ ہے، سفر پر سفر کرتا ہے، مسلمان ہے لیکن پشاور کے قریب جب پنجاب کے سکھوں سے مقابلہ ہوا تو اچانک وہ مسلمانوں کی صفوں سے نکل کر کافروں سے جا ملا اور کفر کر کے کلمے کا انکار کیا اور کافروں کی طرف سے لڑتے ہوئے وہیں مردار ہو گیا۔ زندگی جو گزری تھی وہ کتنی مبارک لیکن جب موت آئی تو اُسکے آنے سے کچھ دیر پہلے خاتمہ کفر پر ہو گیا۔

حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ آگے لکھتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد سکھوں کی جماعت میں سے ایک آدمی نکلا اور آ کے حضرت سید صاحب کی جماعت میں شامل ہو گیا، کلمہ پڑھا

اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر آگے بڑھا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگیا، تو آخری وقت تک ہمیں ڈرتے رہنا ہے۔ ہمیں جو دو آنکھیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں تو ساتھ اُنکے استعمال کا طریقہ بھی بتایا ہے کہ ایک آنکھ اپنے عیوب دیکھنے کے لیے ہے اور دوسری آنکھ دوسروں کی خوبیاں دیکھنے کے لیے ہے۔ دوسروں کو خامی کی نظر سے اور برائی کی نظر سے ہم نے نہیں دیکھنا۔

ہمارے حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ اگر آدمی چاہے تو وہ سارے انسانوں کو فرشتہ سمجھنے لگے اور چاہے تو سب کو شیطان سمجھنے لگ جائے۔ پوچھا گیا وہ کیسے؟ تو فرمایا کہ خوبی ہر ایک میں ہے، خامی ہر ایک میں ہے۔ اگر آدمی خوبیاں دیکھے تو سب اُسے فرشتے نظر آئیں گے اور اگر خامیاں دیکھے تو سب اُسکو شیطان نظر آئیں گے۔ کیا خیال ہے اگر کسی کو یرقان (Hepatitis) ہو جائے تو اُسکو ساری چیزیں پیلی نظر آتی ہیں، اب وہ چیزیں تو پیلی نہیں ہوتیں بلکہ اُسکی اپنی آنکھیں پیلی ہیں۔ یہ عیب اپنے اندر ہے جو دوسروں میں نظر آرہا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہمیں سب کی خوبیاں دیکھنے والا بنائے۔ سب میں خوبیاں موجود ہیں اور کم از کم ایک خوبی تو ہر مسلمان میں ہے اور وہ کیا خوبی ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اُسکے سینے میں ہے۔

حکیم الامت حضرتِ تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں ہر مسلمان کو فی الحال اور ہر کافر کو فی الاحتمال اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ مسلمان کو فی الحال اس لیے کہ وہ مسلمان ہے، اُسکو اپنے سے افضل سمجھتا ہے اور کافر کو فی الاحتمال اس لیے کہ ابھی تو کفر میں ہے لیکن کوئی پتہ نہیں موت سے پہلے پہلے کلمہ پڑھ لے اور چونکہ اسلام پچھلے سارے کفر کو بالکل مٹا دیتا ہے اور اب تو وہ نو مسلم ایسا ہو گیا کہ جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے نکلا ہے اور بالکل پاک صاف

ہو گیا، تو اس لیے احتمالاً ہر کافر کو اپنے سے اچھا سمجھتا ہوں ۔ ہمیں تو اسکی اجازت ہی نہیں ہے، بس اپنے خاتمہ بالخیر کی فکر ہونی چاہیے، دوسروں کے بارے میں ہمیں خوش گمانی سے رہنا ہے۔ اگر صبح سے شام تک کوئی آدمی پھولوں کی تلاش میں ہے تو شام تک اُسکے دامن میں پھول ہی پھول ہوں گے اور اگر کوئی کانٹوں کی تلاش میں ہے تو اُسکے دامن میں کانٹے ہی ہوں گے۔ ایسے ہی جو دوسروں کی خوبیاں دیکھتا ہے، اُن میں ایک ایک خوبی ہوگی اور شام تک سو آدمیوں سے ملاقات میں اِس نے سو خوبیاں دیکھی ہیں تو شام تک یہ خود سو خوبیوں کا گلدستہ بن جائیگا۔

اُن میں تو ایک ایک خوبی ہے، اس میں سب خوبیاں جمع ہو جائیں گی اور اگر اسکے مزاج میں خامیاں دیکھنا ہے کہ اُس میں یہ خامی، اُس میں یہ خامی تو اِس نے تو ایک ایک خامی دیکھی، تو سب کی خامیاں دیکھنے کی وجہ سے شام تک اس میں وہ سب خامیاں جمع ہو جائیں گی۔ تو نیکی کا خیال آئے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان ہے، جو اِسکا اکرام کر لے تو اللہ تعالیٰ اس مہمان کو بھیجتے رہتے ہیں۔ پھر اسکی زندگی میں نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہو جائیں گی اور اگر نیکی کا خیال آئے اور آدمی اُسکا اکرام نہ کرے، اُس پر عمل نہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ نیکی کے ارادے کی توفیق بھی ختم فرما دیتے ہیں، پھر طبیعت اُس کی طرف آتی ہی نہیں ہے۔

کتنے واقعات ایسے ہیں کہ سب کچھ زبان سے ادا ہوتا ہے لیکن توبہ کا کلمہ زبان پر نہیں آتا۔ ڈاکٹر کو بلاؤ، دوائی لے آؤ، فلاں کام کر لو، یہ سب کچھ زبان پر آ رہا ہے لیکن توبہ کی توفیق نہیں ہو رہی اور بالآخر اسی حالت میں دنیا سے چلے گئے۔ ہمارے حضرت عارف باللہ مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کراچی والے، اُنہوں نے ایک واقعہ لکھا

ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب تھے۔ غفلت کی زندگی، گناہوں کی زندگی، ہم سمجھاتے تھے تو کہتے کہ ابھی بڑا وقت ہے، ابھی بڑی زندگی پڑی ہے، میں توبہ کرلوں گا۔ توبہ کا ارادہ بنتا لیکن عمل نہ کرتے، تو چلتے چلتے وہ توبہ کی توفیق ہی اللہ تعالیٰ نے لے لی، اب موت کے وقت سب کچھ زبان پر آ رہا تھا لیکن توبہ کا کلمہ زبان پر نہیں آیا۔

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بغداد میں اپنی خانقاہ میں تشریف فرما ہیں اور یہ 445ء کا واقعہ ہے، اتوار کا دن ہے۔ حضرت کی مجلس میں مسلمان بھی ہیں، کافر بھی ہیں۔ حضرت نے حضورِ اقدس ﷺ کی حدیثِ پاک سنائی کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ''جسکے لیے اللہ تعالیٰ خیر کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اُسے چاہیے کہ اُس میں داخل ہو جائے اس سے پہلے کہ یہ بند ہو جائے''۔ دنیا اصل میں آخرت کا سایہ ہے، اصل تو آخرت ہے، دنیا نمونہ (Sample) ہے۔ اب سارا سرمایہ کوئی نمونے پر لگاتا ہے؟ نمونے کی تو کوئی قیمت ہی نہیں ہوتی، اُسکے اوپر تو لکھا ہوتا ہے کہ یہ فروخت کرنے کے لیے نہیں ہے (Not for Sale) اب ہم خود فیصلہ کرلیں کہ اگر ہمارا سرمایہ نمونے پر لگ گیا اور پیچھے کچھ نہ بچا تو کتنی پریشانی ہوگی۔

ہمارے حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اُستاد تھے اور بڑے درجے کے بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ اُنہیں کچھ ضرورت پیش آ گئی، اچھا! جب ضرورت پیش آئے تو رب سے مانگنا ہے، سب سے نہیں مانگنا۔ یہ ہاتھ رب کے سامنے اُٹھے گا، سب کے سامنے نہیں اُٹھے گا، یہ زبان رب کے سامنے کھلے گی، سب کے سامنے نہیں کھلے گی۔ چنانچہ دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگنے لگ گئے کہ یا اللہ! دس ہزار روپے چاہییں، اپنے خزانوں سے عطا فرما دے۔ دُعا کرتے کرتے اُونگھ آ گئی، خواب میں

دیکھا کہ جنت ہے اور جنت میں ایک بڑا خوبصورت اور شاندار محل ہے۔ دائیں بائیں جو فرشتے موجود تھے اُن سے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ہیں، اُن کا محل ہے تو فرمایا کہ میں ہی تو ہوں۔ کہا کہ ابھی آپ اس میں نہیں جا سکتے، ابھی آپ زندہ ہیں، مرنے کے بعد سیدھا اسی میں آئیں گے۔ ابھی تو زیرِ تعمیر ہے، جب تک سانس باقی ہے، اُس وقت تک گنجائش ہے تعمیر کرنے کی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "دو جنتی جنت میں داخل ہوں گے، (مثلاً دنیا میں اکٹھے رہے، دین کے ہر تقاضے پر اکٹھے چلتے تھے، ہر خیر کے عمل میں ساتھ ساتھ رہتے تھے) اب جب جنت میں داخل ہوں گے تو ایک کو اللہ تعالیٰ اُوپر کی جنت عطا فرمائیں گے، دوسرے کو نیچے کی جنت۔ تو نیچے والے جنتی کے دل میں خیال آئے گا کہ یا اللہ! آج تو انصاف کا دن ہے، عدل کا دن ہے۔ ہم دنیا میں تو ساتھ ساتھ رہتے تھے، جنت میں بھی تو برابر کی جنت ملنی چاہیے تھی تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے بندے! آج انصاف کا دن ہے، آج ظلم اور زیادتی کسی پر نہیں ہو سکتی۔

یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے کہ دنیا میں آپ ساتھ ساتھ رہے، اُسکا تقاضا یہ تھا کہ جنت میں بھی ساتھ ساتھ ہوتے لیکن ہم نے اُوپر والے تیرے بھائی کا جب نامہ اعمال دیکھا تو ایک مرتبہ سبحان اللہ تجھ سے زیادہ تھا، تو جب ایک مرتبہ سبحان اللہ زیادہ ہو گیا تو اُسکا درجہ بھی تو زیادہ ہوگا۔ آپ نے فضائل کی تعلیم میں یہ حدیث پاک بھی سنی ہوگی کہ جنت میں جانے کے بعد کوئی افسوس نہیں ہوگا سوائے اُس گھڑی کے جو اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو۔ کیوں، وہ افسوس کی جگہ تو نہیں ہے لیکن وہاں کی نعمتوں کو دیکھ کر کہ کسی کے باغ تھوڑے، پلاٹ تو بہت بڑا ہے لیکن درخت تھوڑے ہیں۔ اکثر جگہیں خالی ہیں تو وہاں پریشان ہوگا

کہ فلاں کی جنت تو بڑی سرسبز وشاداب ہے اور فلاں کے باغات تو گھنے ہیں اور عمارتیں زیادہ ہیں اور میری عمارتیں تھوڑی ہیں اور تھوڑے باغات ہیں۔ وہاں جا کے پتہ چلے گا کہ یہ درخت تو دنیا میں اگائے تھے۔

آج عمل کا وقت ہے، کل جزا کا وقت ہوگا۔ اس لیے جتنے بھی نیک لوگ ہیں، وہ سارے بڑے عقلمند ہیں، وہ اوور ٹائم بھی لگاتے ہیں۔ پانچ نمازیں یہ تو ہماری ڈیوٹی ہے لیکن یہ جو نوافل پڑھتے ہیں، تہجد میں اُٹھتے ہیں، یہ یہاں رہ کر خوب کمائی کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرتِ لاہوریؒ ایک رات میں ساڑھے دس لاکھ مرتبہ اللہ کا ذکر کرتے تھے اور ایک قرآنِ پاک دن میں اسکے علاوہ۔ ہمارے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ جو ہمیں نظر آتے ہیں، پیچھے کس گود میں پرورش پا کے یہاں پہنچے ہیں، وہ گود بھی تو نظر آنی چاہیے۔ وہ ماں بھی تو دیکھنی ہے کہ کس ماں کی گود سے وہ مولانا محمد الیاسؒ بن کے نکلے ہیں۔ اُنکی نانی جان فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے الیاس سے صحابہ کرامؓ کی خوشبو آتی ہے۔ ان کو چلتا ہوا دیکھتی ہوں تو صحابہ کرامؓ کی جھلک نظر آتی ہے، ہم بھی تو اپنے بچوں کو ایسا بنا سکتے ہیں۔

سانچے اچھے ہوں تو مال بھی اچھا تیار ہوتا ہے، سانچے اچھے نہ ہوں تو مال بھی اچھا تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے حضرتِ لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ

تعلیم یافتہ بھی ہوں نیک بخت بھی ہوں
تم سے رہیں ملائم شیطاں پہ سخت بھی ہوں
قرآن ہی کرے گا ان بیبیوں کو پیدا
پاکیزہ تخم جب ہوں تو عمدہ درخت بھی ہوں

عورتوں کو اپنے مردوں سے تو نرم ہونا ہے اور شیطان پر سخت ہونا ہے۔ اپنے خاوند سے نرم، اپنے والد صاحب سے نرم، اپنے بچوں کو بھی پیار سے لینا ہے، یہاں تو نرمی دِکھانی ہے اور شیطان کے سامنے سختی دِکھانی ہے۔ ٹیلی فون تو اُٹھانا ہی نہیں اور اگر کبھی ایسا ہوا کہ گھر میں کوئی مرد موجود نہیں اور مجبوری میں اُٹھانا پڑ گیا تو نرم گفتگو نہیں کرنی۔ مجھے اپنے مانسہرہ کے ایک ساتھی یاد آ گئے، مانسہرہ مرکز میں جڑتے ہیں، شوریٰ کے ساتھی اور بڑی قربانی والے ساتھی ہیں۔ یہ 1998ء کی بات ہے، ہم نے اکٹھے کسی تقاضے پر جانا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ اُن سے کہوں گا کہ فلاں جگہ آ جائیں، وہاں سے اکٹھے آگے چلے جائیں گے تاکہ تاخیر نہ ہو جائے۔ میں نے اُن کے گھر فون (ہاتف) کر دیا، اب گھنٹیاں جا رہی ہیں اور کوئی اُٹھا نہیں رہا۔

کافی دیر کے بعد کسی نے اُٹھایا اور کوئی سلام نہیں کوئی کلام نہیں کچھ نہیں، پشتو بولتے تھے وہ، مجھے تو پشتو آتی نہیں تھی بس اندازہ سا ہو گیا۔ اُنہوں نے ریسیور (Receiver) اُٹھایا اور غصے سے کہا کہ 'کور کے سوک نشتا' گھر میں کوئی نہیں ہے اور یہ کہہ کر ریسیور مار دیا۔ میں تو ڈر گیا، میں نے کہا کہ مجھے تو بات سمجھ میں آ گئی کہ یہ وہ بیویاں ہیں جو اپنے خاوند سے تو ملائم ہیں اور شیطان پر سخت ہیں۔ بالکل کسی کی طبیعت میں کوئی بیماری ہو بھی تو ٹھیک ہو جائے چہ جائیکہ عورتیں یوں بات کریں کہ ہیلو (Hello) آپ کون بات کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی لعنت اُس عورت پر پڑتی ہے جو یوں چہک چہک کر باتیں کرتی ہے۔

شریعت نے عورتوں کو نرمی سکھائی ہے، عورتوں کو نرم رہنا ہے لیکن کہاں؟ اپنے خاوند کے سامنے، اپنے والد کے سامنے۔ جہاں اجازت ہے وہاں ضرور نرم ہو جایئے۔ اچھا! کہیں ہم پر یہ الزام نہ لگ جائے کہ یہ لوگ عورتوں کو مردوں کے شانہ بہ شانہ چلنے سے

روکتے ہیں۔ شریعت بھی چاہتی ہے کہ عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ چلیں، شیطان کا راستہ بھی ہے کہ عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ چلیں اور رحمٰن کا راستہ بھی ہے کہ عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ چلیں۔ سب بھی چاہتے ہیں کہ عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ چلیں اور رب بھی چاہتے ہیں کہ عورتیں مردوں کے شانہ بہ شانہ چلیں۔ بس ہم نے صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ صلاحیتیں دکھانی ہیں لیکن رب کی رضا میں، سب کی رضا میں نہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ایک آدمی تہجد کی نماز کے لیے اُٹھتا ہے، وضو کرتا ہے خیال آتا ہے کہ بیوی ہے، اس نے بھی تو جنت میں میرے ساتھ ہی جانا ہے۔ دیکھئے! ایک سبحان اللہ کم ہو گیا تو جنت میں درجہ بھی کم ہو گیا، تو اگر اسی طرح اعمال میں کمی آتی گئی تو پھر تو بہت دوری ہو جائیگی۔ خاوند کہیں ہوگا، بیوی کہیں ہوگی لیکن ایک خوشخبری بھی ہے، وہ یہ کہ جو قربانی میں ساتھ ساتھ ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں ساتھ ساتھ ہوں تو اُن کو بھی اللہ تعالیٰ جنت میں ملا دیں گے اور اُونچے درجوں پر اُن کو بھی پہنچا دیں گے، تو چنانچہ خاوند کو خیال آتا ہے کہ بیوی کو بھی تو ساتھ ہی رکھنا ہے۔ اب وہ بیوی کو اُٹھاتا ہے، وہ نہیں اُٹھتی، نیند کا وقت ہے، پھر تھوڑا سا پانی لے کر ہلکا سا چھینٹا اُسکے چہرے پر مارتا ہے، وہ بیدار ہو جاتی ہے۔ پھر اُسے کہتا ہے کہ اُٹھو! وضو کر لو تا کہ تہجد کی نماز اکٹھی پڑھیں، اب خاوند بھی تہجد کی نماز پڑھ رہا ہے اور بیوی بھی پڑھ رہی ہے تو یہ اُسکے شانہ بہ شانہ ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں، تو جہاں رب دیکھ کے خوش ہوتے ہیں وہاں تو ہم چلیں شانہ بہ شانہ اور جہاں سب خوش ہوتے ہیں وہاں نہ چلیں۔ اُس دن کراچی سے کچھ احباب آئے تو اُنہوں نے کہا کہ جی! کراچی کے سفر میں ہم نے بہت تھکایا آپ کو، تو میں نے کہا کہ کوئی ایسی بات نہیں۔ دیکھئے! رب کو راضی کرنے

کے لیے بھی تو تھکنا پڑتا ہے جیسے عورتوں کو نقاب کرنے کے لیے تھکنا تو پڑتا ہے۔ گناہ میں بھی بندہ تھکتا ہے اور نیکی میں بھی تھکتا ہے، راتوں کو گناہ گار بھی جاگتے ہیں اور نیکوکار بھی جاگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی رضا میں تھکنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یہ تو اُس کا کرم ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی خدمت میں قبول فرمایا ہے، اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ مجھے یاد آیا، ہمارے حضرت مولانا وکیل احمد شیروالی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں 'الصیانہ' رسالہ کے مدیر ہیں۔ اُنکی والدہ محترمہ حضرتِ تھانویؒ سے بیعت تھیں، اُنہوں نے خواب دیکھا کہ خواب میں اُن کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا۔ عرض کیا کہ یا اللہ! بس یہ تمنا ہے کہ جنت میں چلی جاؤں، تو کیا میں جنت میں چلی جاؤں گی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، تو جنت میں نہیں جائیگی۔ بس یہ جواب سننا تھا کہ ایک دم جاگ گئیں اور رونے لگ گئیں، وضو کر کے تہجد کی نماز پڑھی اور پھر بہت روئیں کہ میری تو زندگی ہی اِسی تمنا میں گزر گئی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو کر اپنی رضا کی جگہ جنت عطا فرمادیں لیکن خود فرمادیا کہ تو جنت میں نہیں جائے گی، فوراً حضرت کو خط لکھا۔

کیوں جی! مرض بتانے سے دور ہوتا ہے یا چھپانے سے؟ بتانے سے دور ہوتا ہے، چھپانے سے نہیں۔ جو اپنے مرض کو چھپائے گا، وہ زیادہ مریض ہو جائیگا اور جو بتائے گا تو اُسکا مرض اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے گا، تو اُنہوں نے فوراً حضرتِ تھانویؒ کو خط لکھا اور ساری صورتِ حال عرض کی۔ حضرتِ تھانویؒ بھی تو حکیم الامت تھے اور بڑے معالج تھے، حضرت نے خط پڑھتے ہی اُس پر لکیر لگائی اور لکھا کہ شاباش تمہیں مبارک ہو، بہت اچھا

خواب ہے، اللہ تعالیٰ بہت مبارک فرمائے۔ پھر آگے لکھا کہ تم نے پوچھا تھا کہ میں جنت میں چلی جاؤں گی؟ تمہاری نظر اپنی عبادت پر تھی، اپنی اطاعت پر تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو جنت میں نہیں جائیگی۔

معنٰی یہ ہے کہ تو جنت میں نہیں جائیگی بلکہ ہم تجھے اپنی رحمت سے جنت میں لے جائیں گے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اور اسکی علامات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کی توفیق عطا فرماتے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے راضی ہیں، خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہاں چلنے کی توفیق عطا فرمائے جہاں چلنے میں اُنکی رضا ہے۔ یہی تو امتحان ہے ہمارا اور آپ نے اگر زیب وزینت کے کپڑے پہننے ہیں تو ضرور پہنیں، آپ کو کوئی نہیں روکتا ہے لیکن جہاں پہننے ہیں وہاں پہنیے، جہاں نہیں پہننے وہاں مت پہنیے۔ بس اتنا سا فرق ہے کہ جہاں میلا کچیلا رہنا ہے وہاں میلے کچیلے رہیے اور جہاں بناؤ سنگھار کرنا ہے، وہاں شوق سے کیجیے لیکن شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے یعنی خاوند کے سامنے کوئی حرج نہیں، گھر کے اندر کوئی حرج نہیں ہے البتہ لباس کشادہ اور ڈھیلا ڈھالا ہونا چاہیے

اگر دوپٹہ اوڑھا ہوا ہے لیکن وہ اتنا باریک ہے کہ اُس میں سے سارے بال نظر آرہے ہیں تب بھی اللہ پاک ناراض ہو جائیں گے، ہمارا تو منشاء ہی رب کو راضی کرنا ہے۔ بس یہ دو ہی جذبے ہیں، کچھ کا جذبہ ہے کہ رب راضی ہو جائیں اور کچھ کا جذبہ ہے کہ سب راضی ہو جائیں۔ کوئی تو سب کو راضی کرنے کے پیچھے پڑ گئے اور کوئی رب کو راضی کرنے کے لیے در بدر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن میں سے بنائے جو رب کو راضی کرنے والے ہوں۔ اپنی صلاحیت اس پر لگانی ہے، پوچھ پوچھ کر چلنا ہے، سوچ سوچ کر چلنا ہے کہ میرے کسی عمل سے رب ناراض نہ ہو جائیں۔

ایک صاحب حضرتِ تھانویؒ سے بیعت ہو گئے تو حضرت کو خط لکھا کہ جب سے بیعت ہوا ہوں اور زندگی میں کچھ تبدیلی آئی ہے، تب سے میرے دفتر کے دوست مجھ پر ہنستے ہیں اور میرا مذاق اُڑاتے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ اُن کو ہنسنے دو، تمہیں قیامت میں رونا نہیں پڑے گا۔ اصل دن تو وہ ہے جہاں کے رونے سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے، اتنا روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر خون کے آنسو روئیں گے اور اس قدر پسینہ آئے گا کہ پسینے میں ڈوبنے لگ جائیں گے۔ کسی کے گھٹنوں تک، کسی کے ناف تک، کسی کے سینے تک اور کسی کو اتنا پسینہ آئے گا کہ منہ کے راستے سے اندر جا رہا ہوگا۔ اُس دن کی حسرت سے اُس دن کے افسوس سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔

دین پر چلتے ہوئے بعض اوقات لوگ مختلف باتیں کہتے ہیں، اب جیسے مستورات کا سہ روزہ لگ گیا، 15 دن لگ گئے اور ماشاءاللہ گھر میں تعلیم شروع ہوگئی اور گھر کی فضا بدلنے لگی تو اب باقی مستورات اُن سے کہتی ہیں کہ آپ نے دنیا ہی چھوڑ دی اور اسی طرح مردوں سے اُن کے دوست احباب کہتے ہیں کہ جب سے آپ تبلیغ میں لگے ہیں، اُسکے بعد سے اب آپ ہوٹل میں نہیں آتے تقریبات میں اور ہمارے فنکشن میں نہیں آتے، آپ نے تو دنیا ہی چھوڑ دی۔ تو ہم نے اُن کو جواب دینا ہے کہ بھئی! ہم نے دنیا نہیں چھوڑی، ہم نے گناہ چھوڑ دیے ہیں۔

ہم بھی کھاتے پیتے ہیں، اُٹھتے بیٹھتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں، ہم دکان پر بھی جاتے ہیں اور دفتر میں بھی جاتے ہیں، دنیا تو نہیں چھوڑی ہم نے، ہاں گناہ چھوڑ دیے ہیں۔ اچھا! دوسری بات یہ کہ جب وہ کہیں کہ اب آپ ہمارے فنکشن میں نہیں آتے جہاں عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا ہے اور Gathering ہوتی ہے تو آپ نے جواب دینا ہے کہ

آپ نے اپنی تقریبات کو اس قابل کب چھوڑا ہے کہ ہم اُس میں آئیں۔ گناہ، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ایسی وہاں جمع کر دی ہیں کہ کوئی شریف آدمی تو اُن میں جا ہی نہیں سکتا ہے۔ پہلے تو ہم ایسے تھے کہ رب کی ناراضگی میں لت پت تھے، اب ایسے ہو گئے کہ رب کی رضا میں نہانے لگ گئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اب ہم صاف ستھرے ہو گئے۔

دیکھئے! گناہوں کی زندگی اور غفلت والی زندگی ایسی ہے جیسے کہ مکینک کا کپڑا ہوتا ہے مکینک کے کپڑے تو دیکھے ہوں گے آپ نے؟ کیسے میلے کچیلے ہوتے ہیں اور دھبے ہی دھبے ہوتے ہیں اُس پر لیکن اُس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی، جتنے دھبے لگ جائیں، اُس کو کوئی پرواہ نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آدمی توبہ کر لیتا ہے اور دین کی روشنی آجاتی ہے تو اُسکی حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے اُجلا ہوا صاف ستھرا کپڑا ہو کہ اُس میں چھوٹا سا داغ بھی برداشت نہیں ہوتا، معمولی سی بات بھی محسوس ہوتی ہے۔ پہلے تو سب کچھ کر کے بھی بدبو نہیں آتی تھی لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے طبیعت حساس ہو گئی ہے، تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو روحانی بھنگی ہونے سے بچائے۔

بھنگی کا واقعہ تو سنا ہو گا آپ نے، اب جیسے ایک آدمی سود بھی کھا رہا ہے، رشوت بھی لیتا ہے، جھوٹ بھی بولتا ہے اور اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اِن گناہوں میں بدبو نہیں ہے۔ بدبو تو ہوتی ہے گناہ میں، بالکل اُسی طرح جس طرح گندگی میں بدبو ہوتی ہے لیکن جو آدمی بھنگی بن جائے تو ظاہر ہے اُس کو پھر بدبو نہیں آتی۔ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک عورت کا نکاح ہو گیا۔ عورت شہر کی رہنے والی تھی اور جہاں بیاہ کے لائی گئی وہ دیہات تھا اور جس گھر میں وہ دلہن بن کے آئی، اُس گھر میں گائے، بھینس، بکریاں اور باقی جانور بھی تھے۔ اب بیچاری شہر کی عورت تھی، دیہات میں آگئی اور وہاں

بدبو اتنی سخت اور جانور بھی قریب قریب بندھے ہوئے تھے تو وہ پریشان ہوگئی لیکن ساتھ ہی ماں کی تربیت بھی تھی کہ جس گھر میں تم گئی ہو، اب جنازہ ہی وہاں سے نکلے گا۔ ہم نے بھی بگاڑنا نہیں ہے اپنی بچیوں کو، یہ جو مائیں کہتی ہیں کہ بیٹی! اپنے خاوند کو ذرا دبا کے رکھنا، بالکل اُسکے نیچے نہیں ہو جانا اور اپنی ساس کو بھی ذرا تھام کے رکھنا، ہر بات اُنکی نہیں ماننی۔ ایسی مائیں بگاڑنے والی ہیں، بنانے والی نہیں ہیں۔ یہ مائیں اگر اپنی بچی کو زہر کھلا دیں تب بھی بڑا گناہ ہوگا لیکن اُس سے بڑا گناہ ہے اس طرح کے جملے کہہ کر اُن کو بگاڑنا ہے۔

باپ کہتا ہے کہ بیٹی! جب تک میں زندہ ہوں یہ گھر تیرا ہے اور ماں کہتی ہے کہ بیٹی! جب تک ہمارا سایہ سلامت ہے یہ گھر تیرا ہے، یہ بگاڑ ہے۔ کیا کہنا چاہیے کہ بیٹی! رشتہ تو اولاد کا قائم ہے لیکن یہ گھر اب آپ کا نہیں ہے، اب خاوند کا گھر آپ کا گھر ہے اور جو آپ کا سُسر ہے، وہ اب آپ کے والد ہیں اور ساس اب آپ کی ماں ہے۔ دیکھئے! یہ بات دونوں طرف سے چلتی ہے، یہ ادھر سے محبت کے جذبے لے کے چلی ہے اور وہ اُدھر سے شفقت والے بنیں گے تو دنیا میں ہی جنت کے مزے آنے لگ جائیں گے۔ خیر! وہ عورت بڑی سلجھی ہوئی تھی، بنا ہوا سانچہ تھا، اُسے پتہ تھا کہ اب اس گھر سے میرا جنازہ ہی نکلے گا۔ اب یہی میرے ماں باپ ہیں اور یہی میرے خاوند ہیں، ان ہی کے ساتھ مجھے رہنا ہے، اب جب میں اِس گھر میں آ ہی گئی ہوں تو اس بدبو کو آہستہ آہستہ ختم کروں گی۔

مہینہ، دو مہینے چار مہینے گزرے تو ظاہر اِس عرصے میں اُن جانوروں کے مزید بچے بھی ہوئے ہوں گے تو جانور اور زیادہ ہو گئے لیکن یہ کہنے لگی کہ دیکھا! جب سے میں اس گھر میں آئی ہوں، آہستہ آہستہ اس گھر سے بدبو میں نے ختم کر دی۔ کیوں جی! بدبو ختم ہوئی ہے یا اُس عورت کی اپنی سونگھنے کی حس آہستہ آہستہ رہ گئی ہے اور وہ سمجھی کہ بدبو ختم ہوگئی ہے۔ بدبو

نہیں ختم ہوئی بلکہ اسکا اپنا مزاج اس میں ڈھل گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی کیفیت سے محفوظ فرمائے۔ زکام والے کو جیسے خوشبو بھی نہیں آتی اور بدبو بھی نہیں آتی، اسی طرح ہمیں بھی جب روحانی زکام لگ جاتا ہے تو نیکی کی خوشبو نہیں آتی، گناہ کی بدبو نہیں آتی۔

بدبو ہوتی ہے گناہ میں، ہمیں اللہ تعالیٰ وہ حِس عطا فرمائے اُسکے لیے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہوگا۔ وہ بھنگی پَنا ہے جس میں گندگی کی بُو نہیں آتی اور جب بُو محسوس ہونے لگ جائے تو پھر وہ اللہ کی رحمت والی زندگی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرم کردیا، نیکی کی لذت آنے لگ گئی اور گناہ سے نفرت پیدا ہونے لگ گئی۔ گناہ سے نفرت اور نیکی کی رغبت یہ بنیادی بات ہے، کم از کم پہلا سبق تو ہمیں آنا چاہیے، ہم گناہ کی طرف چُست ہیں اور نیکی کیطرف سُست ہیں۔ قرآنِ پاک اُٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا ہے، قرآنِ پاک گھر میں رکھا ہوا ہے لیکن تلاوت کو جی نہیں چاہتا اور ناول رڈائجسٹ ہو، بیہودہ مضامین رسالے ہوں تو پڑھنے سے جی اُکتاتا نہیں ہے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کی رغبت کے بجائے ناول رڈائجسٹ کی رغبت کا ہونا، یہ بھنگی پَنا ہے یا نہیں؟

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں جسکا مزاج ایسا بن جائے کہ گناہ اُس کو راس آجائے اور نیکی اُس کو راس نہ آئے، اللہ تعالیٰ دنیا میں تو پردہ رکھتے ہیں لیکن مرتے ہی قبر میں اُس کو خنزیر بنا دیتے ہیں" کیونکہ غذا اُن کی ساری نامناسب تھی اور اچھی چیز اُنہیں راس ہی نہیں آتی تھی۔ دیکھئے! جس کو قے ہوجائے تو ڈاکٹر اُسے کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کو قے ہوگئی، معدہ آپکا اچھا تھا جس کی وجہ سے یہ نامناسب چیز آپ کو راس نہیں آئی۔ اسی طرح اگر کوئی نامناسب چیز آدمی کھالے اور اُسے قے نہ ہو رہی ہو تو ڈاکٹروں کو پوری صلاحیت اس پر لگتی ہے کہ کسی طرح یہ قے کردے، قے

ہو جائے تو کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے قے ہو گئی، اندر سے ساری نامناسب چیز باہر آ گئی اور قے نہ ہو تو پریشان ہوتے ہیں۔

اب جو آدمی سالہا سال سے سود کھا رہا ہے، رشوت لے رہا ہے، حرام کھا رہا ہے، پڑوسیوں کی زمینیں دبائی ہوئی ہیں، زکوٰۃ ادا نہیں کر رہا تو کیا اسکا یہ مطلب ہوا کہ وہ حرام ٹھیک ہے؟ نہیں نہیں، وہ حرام تو غلط ہے لیکن یہ برا ہے کہ اس کو حرام راس آ گیا ہے، اس کو حرام پچ گیا ہے۔ اسی کے دیکھا دیکھی ایک اور صاحب نے بھی کوشش کی حرام میں ہاتھ پاؤں مارنے کی اور حرام کمانے کی لیکن ابھی اُنہوں نے حرام میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ حالات خراب ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جلد ہی قے ہو گئی۔ اللہ کا کرم ہے کہ معدہ اچھا تھا، حرام اس کو راس نہیں آیا اور اُس بیچارے کو ایسا راس آیا کہ اللہ کی پناہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کی دنیوی اُخروی نسبتوں کی حفاظت فرمائے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہم سب نیت کر لیں کہ رب کی رضا میں اپنی بیویوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چلیں گے، ضرور اُن کو اپنے ساتھ لے کے چلنا ہے۔

ہمارے حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں بھی جانا ہو تو خاوند بیوی ساتھ چلیں یہ نہ ہو کہ بچی اپنے باپ کے ساتھ جا رہی ہو۔ اس لیے کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں، اگر اسکا سہ روزہ اپنے باپ کے ساتھ لگا، بھائی کے ساتھ لگا، محرم تو وہ بھی ہے لیکن اگر خاوند قربانی میں اُسکے ساتھ نہیں چل رہا تو یہ گھر کے اندر رہے گی اور اُس سطح کی تربیت نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے میں بھی نیت کرتا ہوں اور آپ سب بھی نیت کریں کہ اپنی بیویوں کو اپنے شانہ بہ شانہ لے کر اللہ کے راستے میں چلیں گے اور عورتیں بھی نیت کریں کہ وہ اپنے خاوندوں کے شانہ بہ شانہ چلیں گی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی لیے

حضرت لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ

تعلیم یافتہ بھی ہوں نیک بخت بھی ہوں
تم سے رہیں ملائم شیطاں پہ سخت بھی ہوں
قرآن ہی کرے گا ان بیبیوں کو پیدا
پاکیزہ تخم جب ہوں تو عمدہ درخت بھی ہوں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی والدہ محترمہ کے معمولات کو پڑھیے، ایک قرآنِ پاک دن میں اور ایک رات میں پڑھتی تھیں اور لا الہ الا اللہ کلمہ طیبہ دس ہزار مرتبہ اور اسمِ ذات اللہ اللہ ایک لاکھ مرتبہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ یہ بھی ایک لاکھ مرتبہ۔ آپ معمولات کو دیکھیے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی رحمتوں سے آخرت کتنی اُنکے حصے میں، جو اتنی محنت کر رہے ہوں تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آخرت کتنی زیادہ کما تے جا رہے ہیں۔ ہم دنیا میں آئے تو ہیں لیکن اِسکے طلب گار نہیں ہیں، بازار سے گزرے تو ہیں لیکن خریدار نہیں ہیں۔ ہم تو یہاں آئے ہی اپنی آخرت کو بنانے ہیں، آخرت کی منڈیوں کا کیا بھاؤ لگ رہا ہے ہمیں اُسکا پتہ ہونا چاہیے۔ بچے بچے کو پتہ ہو کہ آخرت کی منڈیوں کا کیا بھاؤ ہے؟ اس لیے کہ ہم دنیا کے نہیں ہیں، ہم تو آخرت کے ہیں۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " الدنیا جیفة وطالبوھا کلاب " دنیا مردار ہے اور اس کو نوچنے والے کتے ہیں۔ اس لیے ہم دنیا کے نہیں ہیں، آخرت کے ہیں اور جب آخرت کے ہیں تو آخرت کی منڈیوں کا بھاؤ بھی ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔ آج فرض نماز اگر تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ پڑھ لوں تو کیا بھاؤ لگے گا؟ تین کروڑ پینتیس لاکھ چوون ہزار چار سو بتیس نمازوں کا ثواب ہے۔ رمضان المبارک آیا تو بھاؤ بڑھ گیا، ہم اللہ کے راستے میں نکلے

تو بھاؤ بڑھ گیا۔ یہاں پڑھتے ہیں تو کتنا ثواب، جب اللہ کے راستے میں نکل کر پڑھا تو کتنا ثواب بڑھ گیا؟ اُنچاس کروڑ گنا ثواب بڑھ گیا۔ اب اسکے ریٹ ہمیں کہاں سے پتہ چلیں گے فضائلِ اعمال کی تعلیم سے پتہ چلیں گے، اس لیے فضائلِ اعمال، فضائلِ صدقات کی تعلیم ہر مسجد میں کرنی ہے، ہر گھر میں ہونی چاہیے، ہر شغل کی جگہ پر ہو رہی ہو۔ یہ بھاؤ معلوم ہوں گے تو پھر شوق اور رغبت پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ آخرت میں بڑے سے بڑے درجوں پر پہنچنے کے جذبے عطا فرمائیں گے جیسے تابعین فرماتے تھے کہ "هم رجال ونحن رجال" ہم بھی ایسی محنت کریں گے کہ صحابہ کرامؓ کو بھی پتہ چل جائے گا کہ وہ اپنے پیچھے مردوں کو چھوڑ کر آئے ہیں، ہم بھی کوشش کر کے وہاں تک پہنچیں گے۔

ہمارے حضرت مفتی زین العابدین صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ صحابی تو بن نہیں سکتے لیکن اُن سے پیچھے کہیں رُکنے کی اجازت بھی تو نہیں ہے، کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ بس! اب ہم پہنچ گئے۔ نہیں نہیں، ہم نے تو بس آگے ہی بڑھتے چلے جانا ہے۔ اسی طرح کمال اور زوال کی علامات بھی ہیں، کمال کی علامت یہ ہے کہ آدمی جس مقام پر بھی ہو یہ سمجھے کہ ابھی کچھ نہیں، ابھی اور آگے ہے اور زوال کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کامل سمجھنے لگ جائے کہ ہاں! میں تو کچھ بن گیا ہوں۔ جب یہ سمجھے کہ میں کچھ ہو گیا ہوں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ "من استویٰ یوماه فهو مغبوح" جس کے دو دن برابر ہیں تو وہ نقصان میں چلا گیا۔ یہ نماز کو بنانے کی محنت کر رہا ہے، نماز کو سنوارنے کی مشق کر رہا ہے۔

ہمارے حضرت محی السنۃ مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں سنت کے مطابق کھڑا ہونا چاہیے۔ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے اور اُسکے بعد

جلدی جلدی اللہ اکبر نہیں کہنا، نماز کو سنوار کے پڑھنا ہے۔ ایسے ہی حضرت بچوں کو سمجھاتے تھے کہ اگر نماز میں ہاتھ سیدھے رکھو گے تو اِن ہاتھوں سے زندگی میں بھی سیدھے ہی کام ہوں گے اور جسکے ہاتھ نماز میں ٹیڑھے ہیں تو اُسکے ہاتھوں سے بھی کوئی کام سیدھا نہیں ہوسکتا۔ چھ نمبر تو آپ سب ہی کو یاد ہوں گے، دوسرا نمبر نماز کا ہے اور نماز کا مقصد ہم کیا بیان کرتے ہیں کہ چوبیس گھنٹے کی زندگی صفتِ صلوٰۃ پر آجائے اور یہ بات پرانی مستورات کے علم میں ہوگی اور شاید آپ سب ہی کو پتہ ہو کہ کچھ عرصہ قبل تک بچے سے اگر پرچ گر جاتی، بچے سے پیالہ گر جاتا، کوئی برتن گر گیا تو ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوتی تھی، مار دھاڑ نہیں ہوتی تھی بلکہ فضائیں ایسی تھیں کہ فوراً ماں کہتی تھی کہ بیٹا! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا نماز میں دھیان نہیں ہے۔

اگر تمہارا نماز میں دھیان ہوتا تو باہر کی زندگی میں بھی ہر کام دھیان سے کرتے کیونکہ باہر کی زندگی تو نماز کی ترتیب پر ہوا کرتی ہے، تو پلٹ کے ہم نے اپنی زندگی کو دیکھنا ہے، اپنی زندگی کو بنانا ہے۔ کیا کہتے ہیں کہ نماز جتنی جاندار ہوگی، زندگی اُتنی ہی شاندار ہوگی۔ نماز جتنی بنی ہوئی ہوگی، اتنا اللہ تعالیٰ سے تعلق بنا ہوا ہوگا اور نماز میں دونوں قدموں کا فاصلہ چار اُنگل کے برابر اور دونوں پنجوں کا رُخ قبلہ کی طرف ہو، پاؤں ٹیڑھے نہ ہوں قیام کی حالت میں، اس لیے کہ جو قدم نماز میں سیدھے ہوں گے تو باہر کی زندگی میں بھی سیدھے چلیں گے اور اگر نماز میں ٹیڑھے ہوئے تو زندگی میں بھی سیدھے نہیں ہوسکتے۔

حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ "صفوں کو سیدھا کرو اس لیے کہ صف ٹیڑھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ دلوں کو ٹیڑھا فرما دیتے ہیں"۔ محلے میں جو لڑائی جھگڑے اور فسادات ہوتے ہیں، اُسکا ایک سبب مسجد کی صف کا ٹیڑھا ہونا بھی ہے، تو اگر ہم رب کے سامنے

سیدھے ہوں گے تو سب کے سامنے بھی سیدھے ہوں گے اور رب کے سامنے ٹیڑھے ہوئے تو سب کے سامنے بھی ٹیڑھے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے سامنے سیدھا ہونے والا بنادے اور سیدھا ہو جانا ہی اصل ہے کیونکہ سیدھے ہونے والے سیدھے جنت میں جائیں گے اور جو ٹیڑھے ہو گئے، اُن کو سیدھا کر کے جنت میں بھیجا جائے گا۔ اسی لیے ہم پر جو حالات آتے ہیں وہ بھی سیدھا کرنے کے لیے ہی آتے ہیں۔

واقعہ تو سُنا ہوگا آپ نے کہ ایک یہودی اور ایک مسلمان کا انتقال ہو رہا تھا۔ یہودی کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ میں نے مچھلی کھانی ہے اور مچھلی وہاں قریب میں کہیں بھی نہیں تھی اور مسلمان کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ میں نے روغنِ زیتون پینا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بلایا اور فرمایا کہ وہ یہودی کافر جو میرا دشمن ہے، اُسکے دل میں مچھلی کھانے کی تمنا ہے۔ وہ فاصلے سے فلاں دریا کی مچھلی اُٹھاؤ اور اُسکے گھر کے تالاب میں پہنچادو اور دوسرے فرشتے سے فرمایا کہ یہ میرا ایک مومن بندہ ہے، اسکے بھی دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اسکی تمنا ہے روغنِ زیتون پینے کی۔ اسکی الماری میں روغنِ زیتون کی شیشی ہے، جلدی سے جا کے اُسے ضائع کردو۔

دونوں فرشتے چلے گئے اور دونوں اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کر کے واپس آ گئے، واپس آئے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! آپ کی حکمتیں ہیں لیکن ہمیں سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے اپنے نافرمان کا تو اکرام فرمایا اور اپنے دوست کے ساتھ برعکس معاملہ فرمایا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اپنے ذمہ کچھ بھی باقی نہیں رکھتے، اُسکا بدلہ ضرور دیتے ہیں۔ وہ یہودی کافر تھا اور آخرت تو اُسکی تھی نہیں، اُسکے سب اچھے کاموں کا بدلہ میں دے چکا تھا بس یہی ایک باقی تھا، اور تو کوئی صورت نہیں تھی اس لیے اُسکی مچھلی کھانے کی خواہش ہم نے پوری کردی تاکہ

آخرت میں اسے کچھ نہ دینا پڑے اور وہ جو مومن بندہ تھا اُسکا صرف ایک گناہ باقی تھا۔ باقی میں نے حالات بھیج کر اور پریشانیاں لاکر اُس کو پاک صاف کر دیا تھا، اس لیے اُسکی آخری خواہش پوری نہیں کی تاکہ آخرت کی ہمیشہ کی نعمتیں اُسے عطا کروں۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ "دنیا مومن کا قید خانہ ہے، کافر کی جنت ہے"۔ اس لیے کافر یہاں اُچھلتے کودتے ہیں اور ہم بھی جب انگلینڈ، امریکا سے ہو کر آجاتے ہیں تو پھر ہم بھی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ او جی! ہم سے تو وہ اچھے ہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اخلاقاً اپنے سے اچھا تو کہہ سکتے ہیں لیکن ہم سے یعنی مسلمانوں سے اُنکا اچھا سمجھنا، یہ غلط سوچ ہے۔ یہ نہ ہو کہیں اُن کو اچھا سمجھنے والے کا حشر ہی اُن کے ساتھ ہو جائے، ہمیں بات کرنے سے پہلے ذرا سوچنا چاہیے، پہلے تولو پھر بولو۔

ایک صاحب سے گشت میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ جی! آپ یہاں تبلیغ کر رہے ہیں اور ایسے ہی پھر رہے ہیں اسکا کیا فائدہ؟ آپ لوگوں سے تو کافر اچھے ہیں۔ پھر اُنہوں نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں باہر ملک میں ایک مرتبہ فٹ پاتھ پر کھڑا تھا، میرے سامنے سے ایک انگریز گزرا گاڑی چلاتے ہوئے، ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی پھر بھی کچھ پانی کے چھینٹے میرے کپڑوں پر لگ گئے لیکن مجھے محسوس بھی نہ ہوا اور میں نے سوچا کہ یہاں سڑکیں تو اتنی صاف ستھری ہیں، پانی بھی صاف ہی ہوگا لیکن میں نے دیکھا کہ تھوڑا آگے جا کر ایک دم اُس نے ریورس گیر لگایا اور گاڑی سے نیچے اُتر کر مجھ سے معذرت کی کہ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، آپ کے کپڑوں پر پانی کا چھینٹا لگ گیا۔ اُن کی بات سن کر مجھے رونا آگیا، میں نے کہا عجیب بات ہے کہ اُدھر افغانستان، عراق میں تو وہ خون کی ندیاں بہا رہے ہیں اور اُنہیں ترس نہیں آیا اور اِدھر پانی کا چھینٹا اُنہیں نظر آگیا۔ وہی بات ہوگئی کہ مچھر

مر گیا تو مسئلہ پوچھنے لگ گئے اور وہاں حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا اور ترس نہیں آیا۔ ''حفظ من المطر قام تحت المیزاب'' بارش سے بھاگے ہیں اور پرنالے کے نیچے کھڑے ہو گئے، یہ عجیب تقویٰ ہے۔ وہ تو جی اتنے اچھے ہیں کہ بلی اگر راستے میں آ جائے اور کوئی اس کو کچل جائے تو پھر اسکی خیر نہیں، ایک دم اسکی گرفت ہو جائے گی اور پھر اس پر مقدمہ چلے گا۔ میں نے کہا کہ جانوروں کے بلوں میں تو جانوروں کی قدر ہے، بلی کی قدر ہونی چاہیے اور اسکا خیال رکھنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام پائے گا لیکن مقابلے میں اتنی انسانیت کو روند دینا کہاں کا انصاف ہے؟ اتنی انسانیت کو پیس کے رکھ دیا، وہ تو نظر نہ آئی اور نظر آئی تو بلی نظر آ گئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اس لیے اتنا ایک دم آپے سے باہر نہیں ہو جانا چاہیے بمہ پہیے تو نو پھر بولو۔

ہمارے حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ سٹوڈنٹ (Student) سے لے کر پریذیڈنٹ (President) تک تقریباً سب میں ڈینٹ (Dent) ہی ڈینٹ (Dent) ہیں۔ موت سے پہلے اگر ڈینٹنگ پینٹنگ (Denting-Painting) ہو گئی پھر تو جنت میں چلے جائیں گے لیکن اگر یہاں ڈینٹنگ پینٹنگ نہ ہوئی تو پھر سب سے بڑی ورکشاپ جہنم میں ڈال کر ڈینٹنگ (Denting) کی جائے گی اور اس سے پہلے قبر میں فرشتے لوہے کے گرز لے کے آئیں گے ڈینٹنگ کے لیے اور وہ گرز اتنا بڑا ہوگا کہ جسے سارے انسان اور جنات مل کر ہلا بھی نہ سکیں، اس گرز سے وہ ڈینٹنگ کریں گے اور ایسی چیخیں نکلیں گی کہ انسانوں اور جنات کے علاوہ سبھی مخلوقات سنیں گی۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ہماری اصلاح فرما دے اور ہمیں صاف ستھرا فرما دے۔

مسلمانوں کے اُوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حالات آتے رہتے ہیں، اگر تو وہ نیکوکار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں تو حالات کا آنا پھر خیر کی علامت ہوتی ہے اور یہ عذاب نہیں ہوتا۔ ایک شریعت کا راستہ ہے اور ایک طبیعت کا راستہ ہے، جو لوگ شریعت کے پابند ہیں وہ بھی تھکتے ہیں اور جو اپنی طبیعت کے پابند ہیں وہ بھی تھکتے ہیں۔ جو آدمی یہ کہے کہ جی! میں تو شریعت کی پابندیاں برداشت نہیں کرسکتا اور میں تو آزاد (Libral) رہنا چاہتا ہوں، کیا خیال ہے آپکا، وہ آزاد ہے یا وہ بھی غلام ہے؟ غلام وہ بھی ہے، نفس اور شیطان کا غلام ہے۔ اگر ہم نے غلام ہی بننا ہے تو کیوں نہ اپنے رب کے غلام بنیں، رب کی غلامی میں آئیں گے تو رب سب کو ہماری غلامی میں لے آئیں گے۔ اس لیے کہ رب راضی تو سب راضی، رب سے صلح ہے تو سب سے صلح ہے۔

ہمارے حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ نیکی میں مشقت تو ضرور ہے لیکن یہ مشقت ختم ہو جائے گی، نیکی باقی رہے گی۔ گناہ میں لذت ہے لیکن یہ لذت ختم ہو جائے گی اور گناہ باقی رہے گا۔ نیکی میں مشقت ذرے کے برابر ہے اور اُسکے پیچھے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں پہاڑوں کے برابر ہیں اور گناہ میں لذت قطرے کے برابر ہے لیکن اُسکے پیچھے عذاب سمندروں کے برابر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دارالامتحان میں صحیح طرح سے تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں یہاں زیادہ بوجھ نہیں رکھنا ہے، اگر اللہ تعالیٰ دے دیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اس (دنیا) کے حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ پلاننگ کرنا مناسب نہیں ہے۔ پلاننگ تو ہمیں آخرت کی بنانی ہے، ہماری ساری جائیدادیں جنت میں بننی چاہییں۔ یہ نہ ہو کہ یہ پلاٹ بھی لے لوں اور یہ دکان بھی لے لوں اب اُسکے لیے وظیفہ بھی پڑھ رہا ہے، نفل بھی پڑھ رہا ہے حالانکہ نفل اور وظیفہ تو اس لیے

پڑھنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں اور ہمیں کسی کا محتاج نہ بنائیں اور ہمارے لیے عافیت کی صورتیں مقدر فرمادیں۔

ہمارے اُستادِ محترم حضرت مفتی عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ جامعہ خیر المدارس ملتان والے، فرمانے لگے کہ ہم ایک مرتبہ فیصل آباد میں اپنے سسرال چلے گئے، عید کا موقع ہے اور سات بہنوں کے خاوند وہاں آئے ہوئے ہیں۔ اُن میں کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی انجینئر ہے، کوئی ملوں کا مالک ہے اور مفتی صاحب مدرسہ میں پڑھاتے ہیں۔ مفتی صاحب کی تنخواہ اُس وقت غالباً 750 روپے تھی اور باقیوں کی تنخواہ تو بہت زیادہ تھی۔ اب اُن سب نے آپس میں مشورہ کیا کہ مفتی صاحب کو ذلیل کرنا ہے، چنانچہ آمدنی کے تذکرے شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں ہسپتال میں ہوتا ہوں، آپریشن بھی کرتا ہوں، تقریباً پچاس ہزار روپے مہینے کے ہو جاتے ہیں، یہ آج سے تقریباً بیس سال پہلے کی بات ہوگی۔

مِل والے نے اپنا بتایا کہ اتنے ہزار اور اسی طرح انجینئر نے کہا کہ اتنے ہزار، اب وہ بتا بھی رہے ہیں اور ساتھ حضرت کے چہرے کو بھی دیکھ رہے ہیں کیونکہ اُنکا خیال تھا کہ جب ہم آمدنی کے تذکرے کریں گے تو حضرت کے چہرے پر ہوائیاں اُڑیں گی۔ اس لیے کہ بیچاروں کی کل تنخواہ 750 روپے ہے، کہتے ہوئے بھی ان کو شرم آئے گی تو خود بخود ہی شرمندہ ہو کر ذلیل ہو جائیں گے۔ خیر! حضرت اُنکی باتیں سُن بھی رہے ہیں اور مسکرا بھی رہے ہیں۔ جب چھ کے چھ اپنی آمدنی کا ذکر کر چکے اور حضرت کی باری آئی تو فرمایا کہ بھئی! آپ نے آمدنی کو دیکھنا ہے کہ آمدنی کس کی زیادہ ہے تو ذرا موت کا انتظار کرنا پڑے گا، مرتے ہی پتہ چل جائے گا کہ آمدنی کس کی زیادہ ہے۔ آج تو فضا ہی اسی کی بن گئی ہے، اُس وقت جب

خیر کا زمانہ تھا تو لوگ آپس میں بیٹھتے تو کیا پوچھتے تھے کہ اعمال کا کیا حال ہے اور اب کیا پوچھتے ہیں کہ مال کا کیا حال ہے؟ اُس وقت ایمان کا پوچھتے تھے اور آج کل سامان کا پوچھتے ہیں، کتنا دور بدل گیا ہے، ہم بہت ذلت و پستی میں چلے گئے ہیں بلندی کا زمانہ اللہ تعالیٰ پھر ہمیں نصیب فرمائے۔

ہم چونکہ سفر میں ہیں اور سفر میں آدمی اپنے پاس زیادہ نہیں رکھتا بلکہ ڈرافٹ بنا کر آگے بھیج دیتا ہے۔ جو تاجر مال خریدنے کراچی یا فیصل آباد جاتے ہیں تو وہ پیسے ساتھ لے کر نہیں پھرتے بلکہ گزارہ کے قابل اپنے پاس رکھتے ہیں اور باقی آگے بھیج دیتے ہیں جہاں جانا ہوتا ہے، نمائش نہیں کرتے پھرتے۔ نمائش کرنے والا تو احمق ہوتا ہے، اس لیے ہم جہاں جارہے ہیں سب کچھ ہم وہیں بھیج رہے ہوں اور یہاں تو بس گزارہ کے لیے تھوڑا بہت اپنے پاس رکھنا ہے۔ ہم جو کچھ بھی نیک اعمال کر رہے ہیں، اُن سب کا صلہ آخرت میں ملے گا اور یہ سب آخرت میں جمع ہو رہا ہے، اگر اللہ تعالیٰ دل کا نور عطا فرمائیں تو یہ سب کچھ نظر آئے گا۔

آخرت میں جب ہم سب جمع ہوں گے تو بعض لوگوں کو اعمال نامہ ملے گا اور اُس میں کئی حج اور عمرے، عبادات اور صدقات ہوں گے تو وہ لوگ کہیں گے یا اللہ! یہ اعمال نامہ تو ہمارا نہیں ہے، ہم تو کبھی بیت اللہ شریف کا دیدار ہی نہ کر سکے۔ تمنا دل ہی میں لے کے آگئے ہیں تو اُنہیں کہا جائے گا کہ یہ اعمال نامہ آپ ہی کا ہے، آپ کی ترغیب پر اور آپ کے کہنے پر فلاں آدمی دین کے کام میں لگا اور اُس نے فلاں کو لگایا اور اُنہوں نے جتنا کچھ کیا، وہ سارا آپ کے نامہ اعمال میں بھی آیا ہے۔ اب آپ خود بتایئے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے نامہ اعمال میں کیا کچھ ہوگا، چودہ سو سال کے بعد ایک اُمتی کا درد اتنا ہے کہ اُس

نے اُمت کو درد والا بنا کے در در پھرایا ہے تو خود نبی اکرم ﷺ کے قلبِ اطہر میں کیا درد ہو گا؟ آپ ﷺ کا کرب و بے چینی کیا ہو گی؟ تو یہ وہ مبارک سلسلے ہیں۔ حضرت کی بڑی فتوحات ہیں اور بہت زیادہ اکاؤنٹ کُھلے ہوئے ہیں لیکن ہمیں یہاں نظر نہیں آتے۔ ہر شاگرد ایک مستقل برانچ ہے، ہر شاگرد ایک مستقل اکاؤنٹ کُھلا ہوا ہے، جتنا اُن میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا سلسلہ ہے، وہ سب جمع ہو کے اِدھر آ رہا ہے لیکن ان سب کا پتہ وہاں چلے گا۔ وہاں سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ہم سب کو جاگنے کی توفیق عطا فرمائے اور بیداری نصیب فرمائے اور ہم سب کو حضور ﷺ کی مبارک نسبتیں عطا فرمائے۔ سارے مدارس صفہ کی شاخیں ہیں اور ساری مسجدیں بیت اللہ کی شاخیں ہیں۔

علمائے کرام حضور ﷺ کے نائب ہیں اور طلباء کرام اصحابِ صفہ کے ساتھی ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت میں سب کچھ ختم ہو جائے گا لیکن مسجد کو اللہ تعالیٰ بچا لیں گے"۔ چھوٹی مسجد ہو یا بڑی، پکی ہو یا کچی، شہر کی ہو یا دیہات کی، ان سب کو اللہ تعالیٰ ٹوٹنے سے بچائیں گے، پھر ان سب کو مسجدِ نبوی شریف کے ساتھ مدینہ منورہ میں ملا دیں گے، پھر ان کو بیت اللہ شریف کے ساتھ ملائیں گے اور پھر اُن سب کو جنت میں داخل فرما دیں گے۔

جہاں آج ہم بیٹھے ہوئے ہیں دیول کی مسجد میں، یہ بھی جنت کا حصہ ہے۔ اس وقت ہم سب کا مسجد میں جمع ہونا جنت میں جمع ہونے کا ذریعہ ہے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے کہ چوبیس گھنٹے ہر مسجد آباد ہو جائے اور سو فیصد لوگ نمازی بن جائیں اور ہر آدمی مسجد میں اپنی ضرورت کا دین سیکھ رہا ہو۔ تجارت والوں کا الگ حلقہ لگا ہو، زراعت والوں کا الگ حلقہ ہو، ملازمت والوں کا الگ ہو، مسائل بھی سیکھ رہے ہوں اور فضائل بھی

سیکھ رہے ہوں۔ خود سیکھ کر دوسروں کو سکھا رہے ہوں، ہر مسجد اس فضا پر اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے، یہ ساری وہ مبارک نسبتیں ہیں جنہیں رو رو کے اللہ سے مانگنا چاہیے۔

ایک چیز کا تو ضرور ارادہ فرمالیں کہ ہم سب کی چاہت اور تمنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کے ساتھ جنت میں جمع فرمادے، تو اگر آپ حضور ﷺ کے ساتھ جمع ہونا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ کے راستے پر چلنا ہوگا۔ حضور ﷺ اگر حج پر بھی ہیں، تب بھی ہمیں کہاں نظر آتے ہیں؟ "من یاوینی ومن ینصرنی" ایک خیمہ سے دوسرے خیمے میں اور ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں۔ "من یاوینی ومن ینصرنی" کون ہے جو مجھے ٹھکانہ دے، کون ہے جو میری مدد کرے؟ کبھی انفرادی ملاقات فرمارہے ہیں، کبھی اجتماعی دعوت دے رہے ہیں کبھی خصوصی گشت میں ہیں اور کبھی عمومی فضا میں ہیں۔ کبھی دارِ ارقم میں بیٹھ کر تعلیم کا حلقہ لگا رہے ہیں، ایمان لانے والوں کو تعلیم ہورہی ہے اور کبھی بیت اللہ کے سائے میں عمومی دعوت کی فضائیں بنارہے ہیں۔ تو ہم بھی نیت کرلیں، اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں جمع فرمادے لیکن اسکی ترتیب کیا ہوگی کہ وہ غم لگ جائے، وہ درد اندر پیدا ہوجائے۔ بہت سادہ سی بات ہے اور مدینہ منورہ میں تو عام ہے اور عام طور سے علمائے کرام کی زبانوں پر بھی ہے کہ

غمِ مصطفیٰ ﷺ جس کے سینے میں ہے
وہ جہاں کہیں بھی ہو وہ مدینے میں ہے
غمِ مصطفیٰ ﷺ جس کے سینے میں نہیں
مدینہ میں رہ کے بھی مدینہ میں نہیں

اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی مدینہ منورہ سے واپس آرہا ہے لیکن ایک نسبت بھی مدینہ والے کی اُس کو نصیب نہیں ہے، مسجدِ نبوی شریف میں آقا ﷺ کے روضے کے سامنے

حاضر ہے لیکن لباس اس کا یہودیوں جیسا، چہرہ اس کا عیسائیوں جیسا، زندگی اسکی اللہ کی لعنت والی ہے، اس لیے غم اور درد کی ضرورت ہے۔

وہاں مدینہ منورہ حاضری پر جب بھی وہاں والوں سے اختلاط ہوتا ہے، وہاں بھی یہ بات عرض کرتے ہیں۔ جس طرح مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں، اصل میں تحیۃ کہتے ہیں سلام کو، اگر لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ مسجد میں آئے تو مسئلہ کیا ہے کہ لوگوں کو پہلے سلام کریں یا پہلے مسجد کو؟ حکم یہ ہے کہ پہلے مسجد کو سلام کریں اور وہ کیسے کہ لوگوں کو سلام کرنے سے پہلے دو رکعت نفل تحیۃ المسجد پڑھی جائے۔ تو جیسے مسجد کا حق یہ ہے کہ یہاں آنے والا پہلے دو رکعت پڑھے، اللہ کی قسم! مدینہ منورہ کا حق یہ ہے کہ وہاں جانے والا دعوت کی محنت کو زندگی کا مقصد بنائے۔ جو وہاں جا رہا ہے تو اُسکے ذمہ ہے کہ آپ ﷺ والے کام کو زندگی کا مقصد بنائے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے آرہے ہیں اور ایک بھی نسبت مدینہ والے کی نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ وہاں رہنے والوں کو بھی یہ جذبہ نصیب فرمائے اور یہ غم عطا فرمائے۔

جب ہم اس غم کو اپنا غم بنائیں گے، اس درد کو اپنا درد بنائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی مبارک نسبتوں میں جمع فرمائیں گے۔ علمائے کرام تو سرپرست ہیں ساری اُمت کے اور ہمارے حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ علمائے کرام کے لیے تین سال ہیں لیکن اکٹھے نہیں ہیں، وقفے وقفے سے ہیں۔ ایک سال پاکستان میں، ایک سال عربستان میں اور پھر ایک سال کفرستان میں، یہ تو علمائے کرام کے لیے کوائف ہیں اور باقی عام ساتھیوں کے لیے تین چلے ہیں اور جن کے تین چلے لگ گئے ہیں، وہ تو ہر سال تین چلے کی ترتیب بنائیں، میرا بھی ارادہ ہے بیرون سال کا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تمنا تو یہ تھی کہ ہر جماعت کے ساتھ دو علمائے کرام ہوں جو جماعت کو شفقت کے ساتھ لے کر چلیں اور انکی تربیت بھی کریں اور ایک قاری صاحب ہوں جو جماعت کے ساتھیوں کا قرآنِ پاک درست کرائیں، یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ وہ طلباء کرام ہیں جو ہم سے کچھ مانگتے نہیں ہیں، کھانا بھی ان کا اپنا ہے، باقی سارا کچھ ان کا اپنا ہے، بس یہ ہمارے ساتھ نکلتے ہیں اور ہم نے صرف ان کو سکھانا ہے مدرسہ میں پڑھنے والے طلباء کرام نے بھی ایسی ترتیب بنانی ہے کہ باری باری سب کا وقت لگتا رہے۔

ہمارے حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ تعلیم اور تبلیغ کو ساتھ لے کر چلنا اقرب الی السنۃ ہے۔ حضور ﷺ تبلیغ فرماتے تھے اور جو ہدایت پر آتا تھا، اُس کو تعلیم فرماتے تھے۔ تو تعلیم بھی کرنا ہے، تبلیغ بھی کرنا ہے۔ عصر سے مغرب تک طلباء کرام گشتوں میں رہیں اور جمعرات کی ظہر سے جمعہ کی عصر تک ایک دن کی جماعت بنا کے قریب کی بستیوں میں جائیں۔ چھٹی زیادہ مل جائے تو سہ روزے کی جماعت بنا کر اور آگے جائیں۔ شعبان ر رمضان المبارک میں تو پوری چھٹیاں ہی اللہ کے راستے میں لگا دیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمالیں اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں (آمین)۔

بیان گڑھی حبیب اللہ بعد از نمازِ مغرب

الحمد للہ الحمد للہ صاحب الجلالۃ والصلوۃ والسلام علی نبیہ صاحب الرسالۃ اللھم صل علی محمد و الہ بقدر حسنہ وکمالہ، اما بعد فاعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ٥ بسم اللہ الرحمن الرحیم٥ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر ایرہ ٥ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ٥

وقال تعالیٰ : فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا

وقال تعالیٰ : ان الذین امنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنت الفردوس نزلا ٥ خلدین فیھا وقال تعالیٰ : الا من تاب وامن وعمل صالحا

وقال النبی ﷺ " بنی الاسلام علی خمس: شھادۃ ان لا الہ الا اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصوم شھر رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا " او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام

یہ دنیا چونکہ عمل کی جگہ ہے اور آدمی نے یہاں عمل تو کرنا ہے، اچھا عمل کرے خواہ برا عمل کرے۔ اُسے مصروف ہونا ہے، اچھی مصروفیت رکھے یا بری۔ اُس نے یہاں تھکنا ہے وہ رب کو راضی کرنے میں تھکے یا ناراض کرنے میں۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے، ہم سب امتحان میں ہیں۔ صرف یہ بچے ہی امتحان نہیں دیتے جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں بلکہ ہم سب امتحان دے رہے ہیں، ماں باپ کو بہت فکر ہوتی ہے کہ بچوں کے امتحان آ رہے ہیں، وہ تو تین مہینے کے بعد ہوں گے یا سال کے بعد ہوں گے لیکن بڑوں کا امتحان تو ہر وقت ہے۔

بیٹا! جس کا امتحان سال بعد ہوگا، اُس امتحان کے لیے باپ اُسکو فکر مند کر رہا ہے لیکن خود یہ ہر وقت امتحان دے رہا ہے۔ ہر دن ایک صفحہ ہے، ہر رات ایک صفحہ ہے اور یہ جس شعبے میں لگا ہوا ہے اُس شعبے کا امتحان اُس سے ہو رہا ہے۔

تاجر دکان پر بیٹھا ہوا تجارت کا امتحان دے رہا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں سودا بیچ رہا ہوں، پیسا کما رہا ہوں، حقیقت میں وہ امتحان دے رہا ہے۔ آج کے اس سودے سے جنت میں اپنا گھر بنایا یا دوزخ میں، اس نے جو سودا دیا ہے وہ سودا اصل نہیں ہے، اصل سودا تو آخرت کا ہے، یہ دنیا کے بازار میں بیٹھ کر اپنی آخرت بنا رہا ہے یا بگاڑ رہا ہے۔ دفتر میں بیٹھ کر قلم چلاتا ہے، اُس قلم کی حرکت سے ایک اور قلم بھی حرکت میں آیا ہے، دائیں کندھے کے فرشتے کا یا بائیں کندھے کے فرشتے کا۔ دائیں کندھے پر نیکیوں والا فرشتہ اور بائیں کندھے پر برائیوں والا فرشتہ موجود ہے۔ اب اس کا قلم حرکت میں آیا، دیکھنا یہ ہے کہ کون سی طرف والے فرشتے کا قلم اس کے قلم کے بعد حرکت میں آیا ہے۔ یہ وہ احساس ہے اور یہ وہ غم ہے جسے ہم نے اللہ سے مانگنا ہے، ویسے تو غم سے نجات چاہیے لیکن یہ ایسا غم ہے جو اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے کہ یا اللہ! یہ غم ہم سب کو نصیب فرما دے اور یہ فکر عطا فرما اور اس غم کو اور زیادہ بڑھا دے۔

ہمارے حضرتِ اقدس مولانا جمشید علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ بہت کثرت سے اِس حدیثِ پاک کو تلاوت فرماتے ہیں، "من جعل الهموم هما واحدا ای هم اخرته كفاه الله هم الدنيا والاخرة " او كما قال عليه الصلوة والسلام ۔ جو سارے غموں کا ایک ہی غم بنا لے یعنی آخرت کا غم اپنا غم بنا لے تو اللہ تعالیٰ اُسکو دنیا و آخرت کے سب غموں سے نجات عطا فرماتے ہیں ۔ حکیم الامت مجددِ ملت حضرتِ تھانویؒ فرماتے

تھے ''یہ جو آخرت کا غم ہے، اللہ جل شانہ کا غم ہے، حضور علیہ السلام والا غم ہے، یہ غم عصائے موسوی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے۔ جسکے پاس دین کا غم ہے، دین کے مٹنے کا غم ہے، اللہ جل شانہ کو راضی کرنے کا غم ہے، آخرت کا غم ہے تو اُسکے پاس موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے جسکے مقابلے میں جادوگروں کی لاٹھیاں بھی سانپ بن گئی تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اُن سب کو ایک ہی لقمہ بنالیا۔ فرمایا! اسی طرح جسکے پاس یہ غم ہوگا، گویا اُسکے پاس عصائے موسوی ہے اور اللہ کی قسم! یہ سارے غموں کا ایک ہی لقمہ بنالے گا، پھر کوئی غم باقی نہیں رہے گا۔

یہ کیا غم ہے کہ بیٹے کا رشتہ نہیں ہو رہا، نوکری کا مسئلہ بنا ہوا ہے، کوئی دکان نہیں مل رہی ہے، بس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے یہ وہ غم ہیں جن کو ہم کیڑے مکوڑے کہیں گے، سانپ اور بچھو کہیں گے۔ اس لیے کہ جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو گھر میں بلوں سے یہ چیزیں نکل آتی ہیں اور کاٹنے لگ جاتی ہیں لیکن جونہی روشنی آتی ہے تو یہ سب بھاگنے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا غم عطا فرمائے اور نبی علیہ السلام والا غم نصیب فرمائے سارے غم اُسکے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اچھا! یہ جو غم ہے یہ عاشقوں کا غم ہے۔

ویسے جو سب سے محبت کرتے ہیں، وہ عاشق نہیں ہیں فاسق ہیں۔ جو مخلوق پر مرتے ہیں وہ فاسق ہیں اور جو خالق پر مرتے ہیں وہ عاشق ہیں۔ جو سب سے کرتے ہیں وہ فسق کرتے ہیں اور جو رب سے کرتے ہیں وہ عشق کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا نذر الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ انسان ردی کام کر کر کے خود بھی ردی ہو جاتا ہے اور ردی چیز کو تو پھر آگ میں جلایا جاتا ہے۔ مرنے والوں پر مرنا اور جو خود فنا ہو رہے ہیں اُن پر فنا ہونا اور گارے مٹی پر اپنی صلاحیتوں کا لگانا کوئی کام نہیں ہے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی ہے جو ہیرے موتی دے کر ٹھیکریاں لے رہا ہو، ہیرے کے بدلے میں کون ٹھیکری لیتا ہے۔ فرمایا! اسی طرح تمہاری عمر ہیرا ہے اور دنیا کا سارا مال و دولت یہ سب ٹھیکریاں ہیں۔ کہاں اپنے قیمتی سرمایے کو تم ٹھیکریوں پر لگا رہے ہو، کتنے بے وقوف ہیں وہ لوگ جو اتنا قیمتی سرمایہ دے کر بے کار چیزیں لے رہے ہیں، اس لیے ہماری پرواز تو اُونچی ہونی چاہیے۔ ایک بات تو ہمیں اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جو مخلوق پر مرتے ہیں وہ عشاق نہیں ہیں بلکہ فساق ہیں، عاشق نہیں ہیں فاسق ہیں، وہ عشق نہیں کرتے فسق کرتے ہیں، اللہ ہم میں سے کسی کو بھی فاسق نہ بنائے بلکہ اپنا عاشق بنائے۔ اچھا! دونوں کو غم ہوتا ہے، عاشق کو بھی غم ہوتا ہے اور فاسق کو بھی غم ہوتا ہے لیکن ایک اپنے غم میں رب سے قریب ہوتا ہے اور دوسرا اپنے غم میں رب سے دور ہوتا ہے۔ عاشق کا غم یہ ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے، نبی علیہ السلام راضی ہو جائیں، میری آخرت بن جائے اور اس کا غم حضور ﷺ والا غم ہے۔

مجھے یاد آیا، غالباً 91-1990ء کی بات ہوگی، کراچی کی مکی مسجد میں علمائے کرام کی روزانہ کی جماعتیں ہوتی تھیں۔ جمعہ کے دن اکابر کی زیارت کے لیے جاتے تھے اور باقی ہفتے کے عام دنوں میں مدارس میں جاتے تھے تاکہ طلباء کرام میں اختلاط کریں اور عصر سے مغرب گشتوں کی ترتیب بن جائے۔ ۲۴ گھنٹے کی جماعتیں بن جائیں اور مدرسہ میں مشورہ شروع ہو جائے، چھٹیوں میں سہ روزے اور دس دن کی جماعتیں نکل جائیں اور شعبان رمضان کا موقع آئے تو چلے کی جماعتیں نکل جائیں۔ اس کے لیے روزانہ طلباء کرام اور علمائے کرام کے پاس جانا اور جمعہ کے دن اکابر کی زیارت کے لیے جانا، تو ہمارے حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانیؒ ہوتے تھے کراچی میں سفاری پارک میں، بڑے بزرگوں

میں تھے اور چونکہ وہاں اللہ تعالیٰ جڑنے کی توفیق دیتے تھے تو جماعت کے ساتھ جانا ہوتا تھا۔ ہمارے حضرت مفتی عبداللہ صاحب شہیدؒ کی جماعت سوڈان میں کام کر رہی تھی وہ وہاں شہید ہوگئے تھے۔ ہمارے حضرت مفتی زین العابدین صاحبؒ کے داماد تھے اور کراچی کے اہم لوگوں میں سے تھے۔

ہم حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے سنایا کہ میں 1938ء میں نظام الدین گیا۔ جب اپنی پہلی کتاب 'لغات القرآن' لکھی تو لے کر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا، فرمایا کہ بس! جب پہلی نظر ہی مولانا الیاس صاحبؒ کے چہرے پر پڑی تو اُن کے چہرے کی زیارت کرتے ہی اندر ایک درد پیدا ہونے لگ گیا۔ ایک غم سادل میں آنے لگ گیا تو میں سوچنے لگا کہ جس کے چہرے کو دیکھ کر ہمارے دل میں اتنا درد پیدا ہونے لگ گیا، اُس کے اپنے دل میں دین کا کتنا درد ہوگا اور چودہ سو سال کے بعد ایک اُمتی کے دل میں اگر اتنا درد ہے تو خود حضور ﷺ کے قلبِ اطہر میں اپنی اُمت کا کتنا درد ہوگا۔

ہمارے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا انظر شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ اپنے وقت کے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے، تقریباً 1995ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے اور پھر وہاں سے رائیونڈ بھی تشریف لائے رائیونڈ میں ماہانہ مشورہ ہو رہا تھا اور سارے حضرات تشریف لائے ہوئے تھے۔ سب کی تمنا ہوئی کہ حضرت کا بیان ہو جائے، چنانچہ منبر کے پاس سب علمائے کرام جمع ہوگئے اور بیان ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم جب حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی زیارت کرتے تھے تو ہم بے چین ہو جاتے تھے کہ دیکھنے پر ہی وہ درد منتقل ہوتا تھا اور فرمایا کہ چودہ سو سال کے بعد یہ

ایک اُمتی کا درد ہے جس نے ساری اُمت کو درد مند بنایا ہے، گھروں کو چھڑوایا ہے اور آپ خود دیکھتے ہیں کہ آسائشیں اور سہولتیں سب چیزیں چھوڑ کر گھروں سے باہر یہ کیا چیز پھرا رہی ہے؟ یہ وہی آپ ﷺ والا غم اور درد ہے، تو جب ایک اُمتی کے دل میں اتنا درد ہے کہ اُس درد سے ایک اُمت درد مند ہو کر اُٹھی ہے تو خود حضور ﷺ کے قلبِ اطہر کے درد کی کیا بات ہو گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ درد نصیب فرمائے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا " من جعل الهموم هما واحدا اى هم اخرته كفاه' الله هم الدنيا والاخرة " جس کو یہ غم مل جائے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے سب غموں سے اُسے نجات عطا فرما دیں گے۔

قرآنِ پاک کی آیتِ مبارکہ میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جس نے ذرا بھر بھی نیکی کی ہو گی قیامت میں اُس کو دیکھ لے گا، جس نے ذرا بھر بھی گناہ کیا ہو گا قیامت میں اُس کو ضرور دیکھے گا"۔ تھکتے ہیں دونوں، عاشق بھی تھکتا ہے اور فاسق بھی تھکتا ہے لیکن دونوں کے تھکنے کی قیمت الگ الگ ہے۔ ایک کی تھکاوٹ اُس کو رب سے دور کر رہی ہے اور دوسرے کی تھکاوٹ اُس کو رب کے قریب کر رہی ہے، ایک کی آخرت بن رہی ہے اور دوسرے کی آخرت بگڑ رہی ہے، ایک کی قبر جنت کے باغوں میں سے باغ بن رہی ہے اور دوسرے کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا بن رہی ہے۔

یہ بھی ہمیں سوچنا ہے کہ جونہی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کی کٹائی شروع ہو جاتی ہے۔ سانس کا آنا جانا یہ آرا ہے، آرا جس سے درخت کو کاٹا جاتا ہے۔ اگر ایک مرتبہ درخت کو آرا لگ جائے اور مسلسل چلتا رہے تو کیا اُمید ہوتی ہے کہ یہ درخت اب گیا اور اب گیا، بے شک وہ مضبوطی سے کھڑا ہے اور ابھی تو ہل بھی نہیں رہا لیکن سب کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر مسلسل آرا چلتا رہا تو ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ دھڑام سے یہ درخت گرے گا۔ ایسے

ہی ہم بھی مسلسل سو رہے ہیں لیکن ہماری عمر پر مسلسل سانسوں کا آرا چل رہا ہے اور چلتے چلتے آدمی کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ اسکی اُمیدیں تو بہت لمبی ہوتی ہیں لیکن موت راستے میں ہی آجاتی ہے، اسلیئے ہم سب کا مسئلہ اب قریب ہے چونکہ جسکی عمر 30 سال ہے تو 30 سال سے اُسکی عمر پر مسلسل یہ آرا چل رہا ہے، کہیں رُکا ہے بیچ میں؟ سانس کا آنا جانا جاری ہے۔

اگر کوئی ایک طرف سے کاٹ رہا ہو تو ذرا دیر سے کٹائی ہوتی ہے اور دو مل کر کاٹیں، ایک اِس طرف سے اور دوسرا اُس طرف سے تو پتہ نہیں پھر کب بے جان درخت کی طرح دھڑام سے گریں گے اور قبر میں چلے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ فکر عطا فرمائے اور یہ غم نصیب فرمائے۔ اللہ جل شانہ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ''پس جو اپنے رب سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے'' اور اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اچھے کام کیے، اُن کے لیے جنت الفردوس مہمانی کے طور پر ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کیے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں والے ہوں گے''۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ شہادت دینا کہ اللہ جل شانہ ایک اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ کا ادا کرنا، ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور جنہیں استطاعت ہو اُن کے لیے حج کرنا ہے''۔ اسلام کی بنیاد ان پانچ ستونوں پر ہے اور ان ستونوں کو بھی ہم نے کھڑا کرنا ہے اور اپنی زندگی میں کھڑا کرتے ہوئے دوسروں کو اِس پر لانے کی فکر کرنا ہے۔ مولانا الیاس صاحب ؒ فرماتے تھے کہ خیر پر آتے ہوئے خیر پر لانا، خود عمل پر آتے ہوئے عمل

پرلانا، اس لیے کہ قال سے قال اور حال سے حال پھیلے گا۔ دوسروں کی فکر کرتے ہوئے اپنی زندگی میں لانے کا غم اور درد پیدا کرنا۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " من جاوزا اربعين سنة ولم يغلب خيره على شره فليتجهز الى النار " او كما قال عليه الصلوة والسلام ۔ جس شخص کی عمر چالیس سال ہو جائے پھر بھی برائیاں اُس کی زیادہ ہوں بھلائیاں کم ہوں، نیکیاں کم ہوں گناہ زیادہ ہوں تو اُسے چاہیے کہ اپنے کو دوزخ کے لیے تیار کر لے۔ پھر حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " علامة اعراض الله على العبد اشتغاله بما لا يعنيه وان امرء ذهبت ساعته من عمره من غير ما يخلق له لاحرى ان يكون عليه حسرة " او كما قال عليه الصلوة والسلام ۔ بندے کا غیر مفید کاموں میں مصروف ہو جانا، بے کار کاموں میں لگ جانا اور بے کار چیزوں کو مشغلہ بنا لینا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی طرف سے اپنی نظرِ رحمت کو ہٹا دیا ہے۔

آپ نے واقعہ تو سنا ہوگا کہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک آدمی کرتب دِکھانے کے لیے آیا اور اُس نے کہا کہ میں ایک شعبدہ (کرتب) آپ کو دِکھاتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میں ایک سوئی کو زمین میں گاڑوں گا اور پھر ذرا فاصلے سے دوسری سوئی پھینکوں گا اور اُسکے ناکے (سوراخ) سے گزاروں گا، حالانکہ سوئی کو قریب کر کے دھاگہ گزارنا مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ دور سے کھڑے ہو کر سوئی کو سوراخ میں سے گزارنا۔ اب اُس نے سوئی کو نصب کیا اور پھر اُس سے ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر ایک سوئی کو پھینکا تو اُس کے سوراخ سے گزر گئی، پھر دوسری سوئی، تیسری سوئی، کرتے کرتے دس کی دس سوئیاں سوئی کے ناکے سے گزار دیں دربار میں ایک دم سے نعرے شروع ہو گئے۔ ہارون الرشید نے حکم دیا کہ اسکو دس دینار

انعام میں دیے جائیں اور ساتھ دس جوتے بھی لگائے جائیں۔ لوگوں نے کہا کہ دس دینار کا انعام تو سمجھ میں آتا ہے لیکن دس جوتے لگانا کچھ سمجھ نہیں آیا۔

ہارون الرشید نے کہا کہ انعام تو اس لیے کہ اس نے کرتب دِکھایا ہے اور جوتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اتنی بڑی صلاحیت کو بے کار کام میں صرف کر دیا۔ ہم خود بھی دیکھیں کہ جو سڑکوں میں، گلیوں میں آوارہ گردی کرتے ہیں، پہلے زمانے میں دَمنڑیاں ہوتی تھیں اور عورتیں اُن سے کپڑے وغیرہ دھوتی تھیں، اب جب سے واشنگ مشینیں آگئیں تو عورتوں نے دَمنڑیاں پھینک دیں۔ کچھ نے جلادیں اور کچھ نے اُٹھا کے کھیلنا شروع کر دیا، یہ کرکٹ کا بَلا وہ دَمنڑی ہے بھائی جو عورتوں نے باہر پھینکی اور لوگوں نے اُٹھا کر عالمی کھیل بنا دیا اور اتنا بڑا گناہ ہے کرکٹ کہ اللہ معاف فرمائے۔

وقت کا ضیاع الگ ہے، بے کار مشغلہ ہے اور اسکا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اِس سے ہم سب کو توبہ کرنی چاہیے کہ ہماری صلاحیتیں کہاں لگنی چاہییں اور کہاں لگ رہی ہیں۔ مسجد میں لگنی چاہییں، باہر لگ رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں لگنی چاہییں، ناراضگی میں لگ رہی ہیں۔ سانس سانس کا ہمیں حساب دینا ہوگا، یہ وقت تو ہمارا حضور ﷺ والے درد کے ساتھ مارے مارے پھرنے کا تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس درد کے ساتھ پھرنے والا بنائے، بے کار کاموں سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ آپ حضرات کے ذہن میں آگیا کہ ردی چیزوں میں لگ کر آدمی ردی بن جاتا ہے اور ردی چیز کو تو آگ میں ہی جلایا جاتا ہے۔ تو ہم سب یہ نیت کرلیں اور دو نفل پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے مانگیں کہ یا اللہ! ہمیں آپ ﷺ والا غم اور درد عطا فرما اور جس مقصد کے لیے آئے ہیں اُس مقصد پر کھڑا فرما اور اُس کے لیے تو ہم سب کو قبول فرما۔

ہمارے حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ تعلیم اور تبلیغ کو ساتھ لے کر چلنا اقرب الی السنة ہے۔علم کے نافع ہونے کی بھی علامات ہوتی ہیں،علم کے نافع ہونے کی تین علامات ہیں۔پہلی علامت' یورث الخشية فی القلب' کہ علم اللہ تعالیٰ کے خوف کو پیدا کرے گا۔دوسری علامت' یظهر اثره علی الجوارح' وہ علم اعضاء وجوارح پر ظاہر ہو جائے گا اور تیسری علامت' یترتب علیه الانذار' کہ علم اندر آیا تو وہ دعوت کے جذبے کو پیدا کرے گا۔فضائل سُنے ہیں تو اپنے اندر لاتے ہوئے اُمت میں لانے کا جذبہ اور وعیدیں سنی ہیں تو اپنے کو بچاتے ہوئے اُمت کو بچانے کا جذبہ پیدا ہورہا ہو تو یہ علم نافع ہے اور قبولیت والا علم ہے،اگر یہ جذبہ پیدا نہیں ہورہا تو علم نافع نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے علم کو نافع بنائے ۔تو حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ اقرب الی السنة یہ ہے کہ تعلیم اور تبلیغ ساتھ ساتھ ہوں۔

مدارس میں جہاں تعلیم ہے تو تبلیغ بھی ساتھ ہو اس لیے کہ حضور ﷺ تبلیغ فرماتے تھے اور جو ہدایت پر آتا تھا اُس کو دارِارقم میں تعلیم فرماتے تھے۔ اس لیے جو پڑھائی کا وقت ہے۔اُس میں تو پوری یکسوئی سے پڑھائی کی جائے۔ عصر سے مغرب تک کا وقت فرصت کا ہے اور الحمد للہ ہمارے ہاں اسکی ترتیب بنی ہوئی ہے کہ عصر سے مغرب گشتوں میں جاتے ہیں ۔اسکے علاوہ 24 گھنٹے کی جماعت بنا کر قریب قریب کے بازاروں اور محلوں میں جانا اور بقر عید اور سہ ماہی ،ششماہی کے بعد سہ روزہ کے لیے ذرا دور کی بستیوں میں اور شعبان رمضان المبارک میں دور سے دور ملک کے کناروں میں چلہ کے لیے جانا۔فراغت کے بعد پھر تین سال ہیں،ایک سال پاکستان،ایک سال عربستان اور ایک سال کفرستان۔

ابھی اجتماعات بھی ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مردان کا اجتماع اور میر پور کا اجتماع اور اب بالاکوٹ کا اجتماع تو بالکل قریب ہے۔ جو اجتماع کے دن ہیں اُنکو ہی صرف اجتماع نہیں سمجھنا بلکہ اجتماع تو ابھی سے ہے، محنت تو ابھی سے کرنی ہے۔ وہ تو آخری وقت ہوتا ہے وصولی کا، چھوٹے طلباء کرام اعتکاف کی جماعتیں بنا کر دعاؤں میں لگ سکتے ہیں اور جو ذرا بڑے ہیں وہ باہر گلیوں میں اور جو اُن سے بڑے ہیں وہ ذرا فاصلے پر جا کر محنت کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بیان گھنہ پُل راولپنڈی (20 مارچ 2008ء)

الحمد لله الحمد لله الذی احسن ما خلق وبسط ما رزق وفتح واغلق واسکت وانطق خلق السموت فرتق ثم فتق مارتق والارضین فاطبق والجبال فاشهق والبحار فاعمق والیل فاغسق والصبح فافلق و الرعد فابرق والجنان فاحدق والاشجار فاورق سبحان الابدیّ الابد سبحان الواحد الاحد سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السمآء بغیر عمد سبحان من بسط الارض علی مآء جمد سبحان من خلق الخلق فاحصاهم عدد سبحان من قسم الرزق ولم ینس احد سبحان الذی لم یتخذ صاحبةوّلا ولد سبحان الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد اللهم صل علی محمد و اله بقدر حسنه وکماله اما بعد:

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ " ان هذه القلوب تصدء کما یصدء الحدید اذ اصابه المآء قیل یا رسول الله وما جلائها ؟ قال کثرة ذکر الموت وتلاوت القرآن "(رواه البیهقی) عن معاذنِ الجهنیؓ قال قال رسول الله ﷺ " من قرء القرآن وعمل بما فیه البس والداه تاجا یوم القیمة ضوئه احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت فیکم فما ظنکم باالذی عمل بهذا " (رواه احمد وابو داؤد وصححه الحاکم)

عن ابی سعیدؓ قال قال رسول الله ﷺ یقول الرب تبارک وتعالے من شغله القران عن ذکری ومسئلتی اعطیته افضل ما اعطی

السائلین وفضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ ۔

(رواہ الترمذی والدارمی والبیھقی فی الشعب)

او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام

امام ربانی قطبِ عالم حضرتِ گنگوہیؒ سے کسی مرید نے پوچھا کہ حضرت! یہ ارشاد فرمایئے کہ ہم استغفار پہلے کیا کریں یا درود شریف پہلے پڑھا کریں۔ امام ربانی قطبِ عالم حضرتِ گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ بھئی! آپ میلے کپڑوں کو پہلے دھوتے ہو یا پہلے اُن پر عطر لگاتے ہو؟ عرض کیا حضرت! میلے کپڑوں پر تو کوئی عطر نہیں لگاتا ہے، پہلے اُنہیں دھوتے ہیں اور میل کچیل صاف کرتے ہیں، پھر اُن پر عطر لگاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اسی طرح پہلے استغفار کر کے اپنے کو گناہوں سے دھو ڈالا کرو پھر درودِ پاک کا عطر لگایا کرو۔ اس لیے تھوڑی دیر کے لیے استغفار کر لیتے ہیں اور استغفار صرف گناہوں پر ہی نہیں بلکہ نیکیوں پر بھی کرنا ہے، اس لیے کہ نیکیاں بھی تو اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی بارگاہ میں پیش کی جاسکیں۔

اللہ جل شانہ نے انسان کو جسم اور روح سے بنایا ہے۔ جسم کو بھوک لگتی ہے غذا کی ضرورت ہے، روح کو بھی بھوک لگتی ہے غذا کی ضرورت ہے۔ جسم بیمار ہوتا ہے دوا کی ضرورت ہے، روح بھی بیمار ہوتی ہے دوا کی ضرورت ہے لیکن فرق یہ ہے کہ جسم بیمار ہو تو گناہ جھڑتے ہیں، روح بیمار ہو جائے تو گناہ بڑھتے ہیں۔ جسم بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اُترتی ہے، روح بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ کی لعنت اُترتی ہے، جسمانی بیماری جان لیوا ہے لیکن روحانی بیماری ایمان لیوا ہے۔ جسم سواری ہے روح سوار ہے، جسم تابع ہے روح اصل ہے۔ اسی طرح ایک روح ہے اور ایک نفس ہے، روح کی غذا نیکی ہے اور نفس کی غذا گناہ ہے۔

روح برانچ (Branch) ہے اور جنت اُسکا ہیڈ آفس (Head Office) ہے اور نفس بھی برانچ ہے اور جہنم اُس کا ہیڈ آفس ہے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر برانچ میں کوئی چیز ڈالی جائے تو وہ ہیڈ آفس میں پہنچ جاتی ہے۔ انسان کی روح اندر سے تلاوت قرآن پاک کے لیے بے چین و بے قرار ہوتی ہے، ہم اس کو بہلا پھسلا کر اور گندے مضامین ناول ڈائجسٹ وغیرہ پڑھوا کر مطمئن کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ مطمئن نہیں ہوتی بلکہ اندر سے بے چین رہتی ہے۔ پھر کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے کہ روح کی بھوک مر جاتی ہے اور روحانی معدہ متاثر ہو جاتا ہے۔ جس طرح جسمانی بیمار کو لذیذ کھانے اچھے نہیں لگتے، اسی طرح روحانی بیمار کو بھی تلاوت میں لذت نہیں آتی ہے۔

ویسے تو لذیذ کھانوں کے تذکروں سے ہی بھوک بڑھ جاتی ہے لیکن بیمار آدمی کے سامنے لذیذ کھانوں کے تذکروں سے اُس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے اور جسے ملیریا ہو جائے وہ تو کھانے سے قصداً بھی بچتا ہے اور اگر زبردستی کوئی لقمہ اُسکے منہ میں ڈالا جائے تو قے کر دیتا ہے۔ ایسے ہی جس کو روحانی ملیریا ہو جاتا ہے، اُس کا پھر تلاوت کو جی نہیں چاہتا، تہجد کو جی نہیں چاہتا، ذکر کو جی نہیں چاہتا، مسجد میں بیٹھنے کو جی نہیں چاہتا اور یہ روحانی ملیریا نجس قسم کے گناہوں کے مچھروں کے کاٹنے سے ہوتا ہے جن کی فضائیں آج گھر گھر میں عام ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان مچھروں سے محفوظ فرمائے۔ اب جس کو روحانی ملیریا ہو گیا ہے، اس بیچارے کا تو بڑا مسئلہ بن گیا ہے، اسکو تو فوراً اپنا چیک اَپ کروانا چاہیے۔ اس کی حالت تو ایسی ہے کہ کہیں اللہ نہ کرے بغیر ایمان کے ہی نہ چلا جائے۔ اب جو آدمی فجر میں نہیں اُٹھ رہا، اس کو تو سخت روحانی ملیریا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی خاص پکڑ میں ہے۔

حکیم الامت مجددِ ملت حضرتِ تھانویؒ نے ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ایک مچھر نے حضرتِ سلیمان علیہ السلام کے پاس مقدمہ درج کیا ہوا کے خلاف۔ مچھر نے عرض کیا کہ ہم بھی آپکی رعایا میں ہیں ہمارا بھی مسئلہ حل کیجئے، مسئلہ یہ ہے کہ جب میں کہیں خون چوسنے کے لیے بیٹھتا ہوں، ہوا چلتی ہے تو میرے قدم اُکھڑ جاتے ہیں اور میرا پیٹ بھرتا نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا بھئی! یکطرفہ بات تو سننی نہیں چاہیے، ہوا سامنے ہوگی تو ہم اُسکی بات بھی سنیں گے اور پھر اُس کے بعد فیصلہ کریں گے۔ اس لیے آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سُنی ہوئی بات پر یقین کرلے۔ ہم بھی اکثر ایسے ہی یقین کرلیتے ہیں اور ایسا آدمی ناقص آدمی ہے، خام قسم کا آدمی ہے اور خام چیزوں کو تو پھر آگ میں جلایا جاتا ہے۔

اس لیے ہمارے حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ سٹوڈنٹ (Student) سے لے کر پریذیڈنٹ (President) تک تقریباً سب میں ڈینٹ (Dent) ہی ڈینٹ ہیں۔ اگر یہاں موت سے پہلے ڈینٹنگ پینٹنگ (Denting-Painting) نہ ہوئی اور یہ ٹیڑھا پَن دور نہ ہوا تو پھر اس ٹیڑھے پَن کو قبر میں دور کیا جائے گا، جہاں فرشتہ اتنا وزنی گرز لے کر آئے گا کہ سارے انسان اور جن مل کر ہلا بھی نہ سکیں۔ اُس گرز سے اسکی ڈینٹنگ ہو گی اور اگر پھر بھی کوئی کمی رہ گئی تو پھر میدان محشر میں، پھر بھی کمی رہ گئی تو سب سے بڑی ورکشاپ جہنم میں ڈالا جائے گا۔

تہذیب کافروں کو جہنم میں تعذیب کے لیے ڈالا جائے گا اور مسلمانوں کو تہذیب کے لیے ڈالا جائے گا۔ اس لیے کہ جنت تو پاک صاف لوگوں کی جگہ ہے۔ اگر یہ روح کو نیکی کی غذا دیتا تو نیکی اسے جنت میں لے جاتی، اس نے نفس کو گناہوں کی غذا دی ہے، اس لیے گناہ اسے

جہنم میں لے گیا۔ نفس میں جو گناہ کا تقاضا ابھرتا ہے، اس کو ہم نے دبانا ہے اور یہی اصل کشتی ہے۔

جو نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

اس لیے نفس اور شیطان ہمارے دشمن ہیں اور ان سے ہم نے کشتی کرنی ہے اور یہی وہ کشتی ہے جو رب کو پسند ہے۔ وہ اکھاڑے اب خالی ہو گئے جو رب کو پسند ہیں اور جو سب کو پسند ہیں وہ بھر گئے ہیں۔ ہم تو رب کے بندے ہیں، سب کے بندے نہیں ہیں۔ ہمیں سب کی چاہتوں پر لبیک نہیں کہنا بلکہ اپنے رب کی چاہتوں کو پورا کرنا ہے۔ جہاں سب بلاتے ہیں وہاں تو ہم خوب نظر آتے ہیں لیکن جہاں رب بلاتے ہیں وہاں ہم نظر نہیں آتے۔ حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح پر یہ سارے بازار بند ہو جاتے، رب کے فرمانبردار رب کے گھر کی طرف رواں دواں ہیں اور کشاں کشاں کھنچے چلے جا رہے ہیں اب یہ کہاں جا رہے ہیں، جنت کو جا رہے ہیں۔ نماز چونکہ روح کی غذا ہے اس لیے یہ بے چین و بے قرار ہے اور مومن کی علامت بھی یہی ہے کہ اسکا دل مسجد میں اٹکا رہے، کسی کام سے باہر جائے تو پھر پلٹ کر مسجد میں آنے کی خواہش ہو۔

مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور مسجد جنت کا حصہ ہے، مسجد سے تعلق ہونا مسجد والے سے تعلق کا ہونا ہے۔ اس لیے تین باتیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، نسبتوں کی قدر اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ مسجد بیت اللہ ہے، قرآن پاک کلام اللہ ہے اور علماءِ حق

رجال اللہ ہیں۔ اس لیے یہ تین چیزیں ہیں، کتاب اللہ، کلام اللہ، رجال اللہ، جو ان تینوں سے مل جائے گا وہ اللہ تعالیٰ سے مل گیا۔ میرے شیخ و مربی سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! ماں باپ کی زیارت کریں تو حج بیت اللہ کا ثواب ملتا ہے، استادِ محترم کو، عالم دین کو اور اپنے شیخ و مربی کو دیکھیں تو پھر کیا ملتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو دیکھا تو بیت اللہ ملا اور اپنے استادِ محترم، عالم دین اور شیخ و مربی کو دیکھا تو اللہ ملا۔

مجھے حضرت بشر حافیؒ یاد آئے، اُن کی خدمت میں امام عالم حضرت شیخ محمد تشریف لاتے تھے اور یہ بھی اُن کی خدمت میں جاتے تھے، دونوں میں بڑی محبت تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ درس دیتے تھے اور اگر دورانِ درس بشر حافیؒ تشریف لے آتے تو ادب سے کھڑے ہو جاتے۔ طلباء کرام عرض کرتے کہ حضرت! آپ عالم ہیں اور یہ غیر عالم ہیں، پھر بھی آپ ان کی اتنی تعظیم کرتے ہیں تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ ارشاد فرماتے کہ میں کتاب اللہ کا عالم ہوں اور یہ اللہ کے عالم ہیں۔ میں کتاب اللہ کو جاننے والا ہوں اور یہ تو اللہ تعالیٰ کو جاننے والے ہیں۔ ہم بھی طالب علم ہیں اور طلباء کرام سے عرض کرتے ہیں کہ اپنے اساتذہ اور اکابر کو دیکھیں تو محبت بھری نظر ڈالیں کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن سے ہمیں اللہ ملا ہے۔

اہلِ دل سے دلوں کو ملا لیجیے
بستیِ عشق میں گھر بنا لیجیے

دیکھئے! دودھ والے سے دودھ ملے گا، سبزی والے سے سبزی ملے گی، اللہ والے سے اللہ ملے گا۔

باخدا کے یہاں حاضری شرط ہے
آئیے اور آ کر خدا لیجیے

بکنگ (Booking) جاری ہے، کون کون بستیِ عشق میں گھر بنانے کے لیے تیار ہے؟ ہم نے بستیِ عشق میں گھر بنانا ہے، بستیِ فسق میں نہیں بنانا۔ جتنے مخلوق سے کرنے والے ہیں یہ سب فاسق ہیں، عاشق نہیں ہیں۔ یہ فساق ہیں، عشاق نہیں ہیں۔ عشق تو خالق سے ہوتا ہے، مخلوق سے نہیں ہوتا۔ جو رب سے کرے وہ عاشق ہے اور جو سب سے کرے وہ فاسق ہے۔

گو علاجاً نہیں احتیاطاً سہی
اہلِ دل کو دل اپنا دکھا دیجیے
گوشۂ دل میں جانے ہو گیا کیا مرض
کچھ دعا کیجیے کچھ دوا لیجیے

اللہ والے تو وہ ہیں کہ دل کے ماہر ڈاکٹر بھی اُن کو اپنا دل دکھانے آتے ہیں۔ اس لیے کہ روحانی بیماریاں کسی ایکسرے میں، الٹراساؤنڈ میں اور کسی آلے میں نظر نہیں آتیں۔ دل میں حسد کتنا ہے، بغض کتنا ہے، کبر کتنا ہے، اپنی بڑائی کتنی ہے، دوسروں کی حقارت کتنی ہے۔ ظاہر ہے یہ بیماریاں ظاہری آلات میں نہیں آتی ہیں، اس لیے وہ ڈاکٹر بھی اپنا دل ان کو دکھانے آتے ہیں۔ احتیاطاً ہی ہمیں اپنا چیک اَپ کرا لینا چاہیے۔ آپ کس لیے تشریف لائے؟ کیا آپ کو شوگر ہے؟ جی نہیں! میں نے کہا بس ذرا چیک اَپ کرا لوں اور آپ کس لیے تشریف لائے؟ کیا آپ کو بی پی (B.P) ہے؟ جی نہیں! میں نے کہا احتیاطاً چیک اَپ کرا لوں۔ جسمانی بیماری کی تو اتنی فکر ہے کہ احتیاطاً بھی چیک اَپ کراتے ہیں اور روحانی بیماریوں کا احساس تک بھی نہیں ہے کہ چلو! میں احتیاطاً ہی چیک اَپ کرا لوں۔

امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”جس نے کسی عالم دین کی زیارت کی اُس نے میری زیارت کی ہے، جس نے کسی عالم دین سے مصافحہ کیا گویا اُس نے مجھ سے مصافحہ کیا، جو کسی عالم دین کی مجلس میں بیٹھا گویا وہ میری مجلس میں بیٹھا ہے اور جو میری مجلس میں بیٹھے گا، جنت میں اللہ تعالیٰ ضرور اُس کو میرے ساتھ بٹھائیں گے“۔ نبی علیہ السلام کے دشمن اور اللہ تعالیٰ کے دشمن یہ نہیں چاہتے کہ اُمت اللہ تعالیٰ سے جڑ جائے۔ ہمیں سب سے الجھا دیا ہے، مخلوق مخلوق کے بہت قریب ہوگئی ہے لیکن خالق سے دور ہوگئی، سب سب کے قریب ہوگئے، رب سے دور ہوگئے۔ آپس کے رابطے بہت زیادہ ہوگئے لیکن رب سے کٹ گئے۔ اتنی باتیں آپس میں کرتے ہیں، کاش مناجات کی لذت بھی نصیب ہوجاتی۔

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ رات کو گیارہ بجے کے بعد آپ کو جوال (موبائل) پر فون کرسکتا ہوں؟ میں نے کہا اُس وقت تو مشکل ہوگا، وہ تو آرام کا وقت ہوتا ہے۔ کہنے لگے کہ اصل میں جس کمپنی کا موبائل میرے پاس ہے، اُن کی طرف سے یہ سہولت ہے کہ رات اتنے بجے سے صبح اتنے بجے تک بالکل فری ہے یا ریٹ کم ہے۔ میں نے کہا ایک کمپنی میں آپ کو بتاتا ہوں، یہ جو موبائل آپ کے پاس ہے، اس میں تو کارڈ تم خود ڈالو گے اور خرچ تم کرو گے لیکن ایک جگہ میں تم کو بتاتا ہوں، وہاں تم جتنی مرضی باتیں کرو، اللہ کی قسم! تمہارا کچھ خرچ نہیں ہوگا بلکہ وہاں سے تمہیں بل ملے گا۔ وہ کون سی باتیں ہیں؟ وہ رب سے باتیں ہیں، مناجات کی لذت اُس سے چھنا کرتی ہے جس سے رب خفا ہوجاتے ہیں۔ اب یہ سب سے باتیں کرے گا، رب سے نہیں کرے گا۔ حضرتِ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اپنی مناجات میں اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے تھے کہ

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو

الٰہی رہوں اِک خبردار تیرا

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے

الٰہی میں تجھ سے طلبگار تیرا

ہم بھی رب سے رب کو مانگیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ جذبہ نصیب فرمائے۔ یہ قرآن پاک کی تلاوت رب سے باتیں ہیں، تو رب کی باتیں پڑھنا، رب کی باتیں پڑھانا، رب کی باتیں سننا اور رب کی باتیں سنانا۔ میں نے اُن صاحب سے کہا یہ خاص وقت رب سے غفلت میں ڈالنے کے لیے ہے، یہ وقت تو رب سے مناجات کا ہے، اس خاص وقت میں تو رب پکار رہے ہوتے ہیں اور اسی وقت میں ان کمپنیوں نے یہ ترتیب بنا کر سب میں الجھا دیا ہے تا کہ یہ سب میں ہی گھسے رہیں اور خالق تک نہ پہنچ سکیں۔

مسلمان تو وہ ہوتا ہے جس کی پہلی نظر بھی اپنے رب پر ہوتی ہے اور آخری نظر بھی رب پر ہوتی ہے۔ پہلی پکار بھی اپنے رب کو اور آخری مناجات بھی اپنے رب سے۔ اپنی ضرورتیں حاجتیں وہ رب کو بتاتا ہے اور سب سے چھپاتا ہے۔ حضرتِ یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں" انما اشکوا بثی وحزنی اِلَی اللہ " میں اپنے رنج اور غم کی فریادیں اپنے رب سے کرتا ہوں۔ اس لیے رب کو بتانا دُعا ہے اور سب کو بتانا سوال ہے۔ سب کو بتائیں گے تو سب دور ہو جائیں گے، رب کو بتائیں گے تو رب کے قریب ہو جائیں گے۔ ہمیں رب کو بتانے والوں کا پتہ بھی ہونا چاہیے۔

حضرتِ شیخ القراء، اُستاد العلماء، مرشد العلماء حضرت مولانا قاری محمد فتح محمد صاحب پانی پتیؒ مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی شریف میں حاضر ہیں، (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی بار بار

وہاں کی حاضری نصیب فرمائے)۔ نمازِ فجر وہیں ادا کی اور اس کے بعد اپنے معمولات پورے کیے، پھر اشراق کی نماز پڑھنے کے بعد حضرت قاری محمد فتح صاحب پانی پتیؒ (جو آج بھی حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کے قدم مبارک میں جنت البقیع میں آرام فرما رہے ہیں) نے اپنے ہاتھ رب کی بارگاہ میں اُٹھائے اور دعا مانگنا شروع کی، دعا مانگتے مانگتے آذانِ ظہر ہوگئی لیکن ہاتھ نیچے نہیں ہوئے۔ ایک ہم بھی ہاتھ اُٹھاتے ہیں لیکن سب کے سامنے، رب کے سامنے نہیں اُٹھاتے۔ سب سے تو مانگتے ہیں، رب سے نہیں مانگتے۔

فائلیں پکڑ کر سب کے سامنے قطار میں گھنٹوں کھڑا ہونا آسان ہے، پوچھنے والوں نے پوچھا خیریت ہے آپ رات کو ہی اُٹھ کر چل پڑے؟ کہنے لگے کہ ہاں وہ انڈسٹری والوں کی ترتیب ایسی ہے کہ رات سے ہی لائن میں بیٹھیں تو پھر کہیں صبح جا کے باری آتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنا چاہتے ہیں جب بندے وہاں نظر نہیں آئیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو وہاں پھرائیں گے کہ جہاں ذلیل و خوار ہوجائیں گے۔

مسلمان کا جذبہ تو یہ ہو کہ وہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قطار جو رب کے سامنے مسجد میں لگتی ہے وہ تو خالی ہوگئی اور جو سب کے سامنے ہے وہ بھر گئی۔ فائلیں بغل میں دبائے سب کے سامنے کھڑا ہونا آسان ہے اور رب سے گھنٹوں باتیں کرنا آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذاتِ عالی سے باتیں کرنے کا ذوق نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمارے اس بچپنے کو دور فرمادے۔ معاف کیجیے! ابھی یہ بچپنا ہے، جس طرح ماں کا پیٹ جسم کے بننے کی جگہ ہے، اُسی طرح دنیا روح کے بننے کی جگہ ہے۔ اس لیے ابھی ہم بنے ہوئے نہیں ہیں، ابھی ہم بنائے جارہے ہیں۔

ابھی ہم آزمائے جا رہے ہیں
تیرے قابل بنائے جارہے ہیں
کہا جلوہ دکھانے کو تو بولے
ابھی دیدے بنائے جارہے ہیں

بنے ہوئے ہوں گے تو جنت میں جائیں گے۔ اس لیے کہ جنت بنے ہوئے لوگوں کی جگہ ہے اور جہنم بگڑے ہوئے لوگوں کی جگہ ہے، اللہ کرے ہم بن جائیں۔ اس لیے موت سے پہلے پہلے کا معاملہ بڑا حساس ہے۔ آنکھوں کے استعمال میں بڑی احتیاط کرنی ہے، جب آنکھیں بنائی جارہی ہوں تو اُن پر پٹی چڑھا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو دو پٹیاں ہماری آنکھوں پر چڑھائی ہیں وہ بھی اس لیے کہ جہاں منع ہے وہاں نہیں دیکھنا۔ اگر دیکھو گے تو آنکھیں خراب ہو جائیں گی اور خراب آنکھوں سے رؤیتِ باری نہیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکے گا۔ ان آنکھوں سے تو تم نے بیت اللہ شریف کو دیکھا ہے، ان آنکھوں سے تم نے روضہ اقدس کو دیکھا ہے، ان آنکھوں کی مدد سے تم نے قرآن پاک کی تلاوت کی ہے۔ پھر ان آنکھوں کو کیوں آپ ناپاک کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کی بصارت کی بھی اور بصیرت کی بھی حفاظت فرمائے، اس لیے ابھی ہماری آنکھیں بنائی جارہی ہیں۔

جب آگئے وہ سامنے تو نابینا بن گئے
جب ہٹ گئے سامنے سے تو بینا بن گئے

مجھے لمز (LUMS) یونیورسٹی یاد آگئی۔ ہماری 15 دن کی مستورات کی جماعت کی وہاں تشکیل تھی۔ ہماری جماعت میں عرب بھی تھے اور امریکا کے نومسلم ساتھی بھی تھے۔

اب وہاں بڑا مسئلہ تھا کہ اتنی بے حیائی اور بے پردگی کہ الامان والحفیظ۔ مسجد میں نماز کو آتے جاتے ہوئے نظروں کی بہت حفاظت کرنی پڑتی تھی، اس لیے کہ قدم کا پھسلا ہوا تو سنبھل جائے گا لیکن نظر کا پھسلا ہوا نہیں سنبھل سکے گا، جہنم میں جا کر ہی گرے گا۔

اُس یونیورسٹی میں ہمارے ڈاکٹر عارف رانا صاحب تھے، اُنہوں نے واقعہ سنایا کہ یہاں لمز (LUMS) میں ایک لڑکا داخل ہوا جس کا نام حمزہ تھا۔ اُس کے چہرے کے خدوخال اور اُس کا لب ولہجہ اس طرح کا تھا کہ بہت سی لڑکیاں اُس کی دوست بن گئیں اور ایک دوسرے سے فسق کرنے لگ گئے۔ اب ساتھیوں نے محنت کی اور کسی طرح حمزہ کو 3 دن کے لیے تیار کرلیا اور اُسے ساتھ لے گئے۔ بس وہاں جانے کی دیر تھی کہ اُسکی کایا پلٹ گئی۔ جب سہ روزے سے واپس آیا تو تعلیم میں جڑنے لگ گیا، گشت کا اہتمام کرنے لگا اور مسجد سے دل لگ گیا تو وہ لڑکیاں یہ صورتِ حال دیکھ کر پریشان ہوگئیں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کیسے آگے بڑھ کر اُس سے بات کرے۔

ایک ہندو لڑکی نے کہا کہ میں بات کرتی ہوں۔ اب جیسے ہی حمزہ مسجد سے باہر نکلا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو وہ ہندو لڑکی اُس کے راستے میں کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ حمزہ! مجھے دیکھتے کیوں نہیں ہو؟ حمزہ کی نظریں نیچے تھیں، اُس نے جواب دیا کہ تمہیں دیکھوں گا تو تم خوش ہو جاؤ گی، نہیں دیکھوں گا تو میرا رب خوش ہو جائے گا۔ رب کو راضی کرنا اب تو میری زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔ بس! دل سے نکلتی ہے، دل پر جا کے لگتی ہے۔ یہ بات کر کے وہ چل پڑا، اُس لڑکی کی کایا پلٹ گئی اور کیفیت عجیب ہوگئی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔ رب سے صلح ہو تو سب سے صلح ہوتی ہے۔ دیکھئے! تقویٰ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور صلح تھی تو بیت المقدس فتح ہو گیا، نظروں کی حفاظت وہاں بھی ہوئی ہے۔ اُنہوں نے دیکھا

کہ دشمن نے مال و دولت قدموں میں نچھاور کر دیا اور دائیں بائیں برہنہ لڑکیاں کھڑی کر دیں۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اندازہ ہوا کہ بڑا خطرناک قسم کا جال انہوں نے پھینکا ہے اور ان کا مقصد ہمارے ایمان کو لوٹنا ہے اور اگر ایمان لٹ گیا اور رب سے رابطہ کٹ گیا تو پھر یہ ہمیں گاجر مولی کی طرح کاٹیں گے۔

ڈاکو بھی جب کسی گھر کو لوٹتے ہیں تو سب سے پہلے کنکشن کاٹتے ہیں۔ بجلی اور ٹیلی فون کو منقطع کرتے ہیں اور رابطے ختم کر کے پھر جی بھر کر لوٹتے ہیں۔ اسی طرح باطل نے، یہود و نصاریٰ نے اور ساری دنیا کے کفر نے سب سے پہلے ہمارے رابطے رب سے کاٹے ہیں۔ مسجد جو پاور ہاؤس ہے جہاں سے ہدایت کی روشنیاں تقسیم ہوتی ہیں، مسلمانوں کا کنکشن وہاں سے کاٹ دیا۔ مسجدیں جنتی باغ ہیں، مدرسے محمدی باغ ہیں، ان باغوں سے ہمارا کنکشن کاٹ دیا ہے۔ ہمارے بچے ان باغوں کے پودے ہونے چاہیے تھے اور ہر مسلمان ان باغوں کا محافظ ہوتا۔

مدارسِ دینیہ اللہ کی قسم! ان کا تعلق صفہ سے ہے اور ان مدارس میں پڑھنے والے طلباء کرام کا تعلق اصحابِ صفہ سے ہے اور ان علماء کرام کا تعلق امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دل کی آنکھیں نصیب فرمائے تو پھر ان کی قدر و منزلت نظر آئے گی، ان ظاہری آنکھوں سے ہم کیا دیکھیں گے۔

بینا ہو تو جگنو کی چمک راہ سُجھا دے
اندھے کو تو سورج بھی دکھائی نہیں دیتا

بینائی شرط ہے، یہ بینائی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ ہمارے تبلیغ کے ایک بزرگ تھے زکریا مسجد میں، ڈاکٹر نواز صاحبؒ اور ساتھ ہی میڈیکل کالج کے پرنسپل تھے۔

اُن کے ایک بیٹے مولوی اُسامہ صاحب اور باقی بیٹے بھی ماشاء اللہ قراء، حفاظ تھے، زکریا مسجد میں اور رائے ونڈ میں پڑھاتے تھے۔ ان بچوں نے ایک مرتبہ والد صاحب سے پوچھا کہ ابا جان! ہمیں کوئی حسرت تو نہیں ہے کہ آپ کرسی پر ہیں اور ہم چٹائی پر۔ ویسے ہی آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ خود تو آپ نے کرسی کا راستہ اختیار کیا اور ہمیں چٹائی کے راستے پر ڈالا ہے۔ ڈاکٹر نواز صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا کہ بیٹا جب میں پڑھ رہا تھا تو میرے باپ کے دل میں اُس چیز کی عظمت تھی، اس لیے مجھے اُس راستے پر ڈالا۔ میں تبلیغ میں لگا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے چٹائی کی عظمتیں دکھائی ہیں، اس لیے تمہیں اس راستے پر ڈالا ہے۔ کاش! میرے باپ کے دل میں بھی چٹائی کی عظمت ہوتی تو آج میں بھی اسی راستے پر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی دل کا نور عطا فرمائے، پھر پتہ چلے گا کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

حضرتِ بشر حافیؒ بڑے اللہ والے تھے اور لوگ اُن سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے، اس دور میں لوگ آپ سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی ایک اپنے وقت کے نبی علیہ السلام سے اُس وقت کے اُمتی کرتے تھے۔ فرمانے لگے کہ بھئی میں تو اوباش آدمی تھا، عیاش طبیعت آدمی تھا، ایک دن میں چل رہا تھا، راستے میں دیکھا کہ ایک کاغذ پر کلمہ " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " لکھا ہے اور وہ نیچے پڑا ہے۔ میں تڑپ گیا اور مجھ سے برداشت نہیں ہوا، میں نے اُٹھایا اور اُٹھا کے چوما، اُسے صاف کیا، میرے پاس دو ہی درہم تھے جو میں نے اپنی کسی ضرورت کے لیے پاس رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جا کر اُن دو درہموں کی اُس وقت کی سب سے مہنگی خوشبو خریدی اور اُس سے اُس کاغذ کو معطر کیا اور پھر اُسے گھر لا کر اُونچی جگہ پر رکھ دیا۔

رات کو سویا تو خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا" یـــا بشـــر ابن الحارث رفعت اسمنا عن الطریق و طیبته لا طیبن اسمك فی الدنیا و الا خرة "

اے بشر ابن حارث! تو نے میرے نام کو نیچے گرا ہوا دیکھا تو اُٹھا کر اُسے چوما اور خوشبودار کیا ہے، مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ میں تیرے نام کو بھی دنیا اور آخرت میں خوشبودار بنا دوں گا۔ یہ مواقع ہمارے پاس بھی موجود ہیں۔ ہمارے سامنے کاغذ نہیں بلکہ پورا قرآن پاک موجود ہے اور قرآن پاک تو کیا قرآن پاک کے حفاظ ہیں اللہ کی قسم! اگر ہم ان کے جوتوں کو بھی اُٹھا کے سَر پر رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں جوش میں آئیں گی لیکن قدم قدم پر ہم یہ مواقع گنواتے چلے جا رہے ہیں، خدمت کا موقع آتا ہے، گنوا دیتے ہیں۔ ادب کا موقع آتا ہے، گنوا دیتے ہیں۔

حضرتِ امام احمد بن حنبلؒ کے ایک ہم عصر بزرگ تھے، غالباً امام ابوعبد اللہؒ۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو خواب میں کسی نے دیکھا تو پوچھا حضرت! کیا معاملہ ہوا آپ کے ساتھ؟ فرمایا! اللہ تعالیٰ نے میری بخشش فرما دی اور فرمایا بخشش کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ نہر کے بہاؤ کی طرف بیٹھے وضو کر رہے تھے اور میں اُن سے ذرا اُوپر بیٹھا ہوا تھا۔ وضو کرتے ہوئے مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ امام صاحب عالم دین ہیں اور ان کے سینے میں اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اس لیے میرا اُوپر کی طرف بیٹھنا ادب کے خلاف ہے۔ فرمایا یہ خیال آتے ہی میں اُٹھا اور خود بہاؤ کی طرف آکر بیٹھ گیا اور وضو کر کے فارغ ہو گیا۔ موت آئی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری ہوئی تو فرمایا کہ اے ابوعبد اللہ تو نے ایک عالم دین کی قدر کی، اُسی وقت میں نے تیری بخشش کر دی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ادب والا بنائے۔

ادب ہی اصل ہے، ادب کے پَر لگ جائیں تو پھر پرواز بڑی اُونچی ہوتی ہے۔ اگر بہت زیادہ صلاحیتیں ہیں، بڑی ذہانت ہے، بہت مطالعہ اور ریسرچ ہے اور بہت نالج (Knowledge) ہے لیکن ایسا نالج جس پر عمل نہ ہو، وہ سب فالج ہے، اللہ تعالیٰ اس فالج سے ہمیں بچائے۔ زندگی میں اگر عمل نہیں ہے تو یہ فالج ہے، نالج نہیں ہے۔ بڑی استعداد ہے اور بہت کچھ ہے لیکن ادب نہیں ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک پرندہ بہت صحت مند اور طاقتور ہے لیکن بیچارے کا پَر ٹوٹا ہوا ہے تو کیا خیال ہے، پرواز کر سکے گا؟ پرواز تو کیا کرے گا وہ تو اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکے گا۔ ضرور کوئی شکاری اُسے اُچک لے گا۔ ایسے جتنے بھی بے ادب ہیں، تفصیل کا اب وقت نہیں ہے وہ عموماً بعد میں قادیانی بن گئے، مرتد ہو گئے اور پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔

جس نے امام اعظم امامِ ابوحنیفہؒ کی شان میں زبان کھولی ہے، آنکھوں نے دیکھا کہ اُس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔ حضرت مدنیؒ کی شان میں بے ہودگی بکنے والوں کا خاتمہ بھی کفر پر ہوا، اس لیے کہ اللہ جل شانہ کی یہ خاص نسبتیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ، رجال اللہ اور بیت اللہ، یہ نسبتیں اللہ تعالیٰ کی خاص ہیں، ان کی قدردانی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

حضرتِ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ نے ایک واقعہ سنایا، فرمانے لگے کہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں جب تدفین کا مرحلہ آتا تھا تو اُس موقع پر وہاں جانا ہوتا تھا۔ ویسے اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہاں جانے کا موقع دیدے، اگر کوئی جنازہ جارہا ہو تو اُس کے ساتھ ہی چلے جانا چاہیے۔ یہ تمنا دل میں لے کر کہ اے اللہ! جس طرح یہ جنازہ آج ہمارے کندھے پر ہے، کل کو میرا جنازہ بھی ایسے ہی یہاں لایا جائے۔ تدفین میں اس نسبت

سے شریک ہونا کہ اے اللہ! آج یہ مٹی ہاتھوں پر لگ رہی ہے، کل کو یہ مٹی مجھے بھی نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ سعادتیں عطا فرمائے۔ جب بھی ہمارا آخرت کا سفر ہو تو جنت البقیع کے راستے سے نصیب ہو جائے۔ اپنے اکابر کو وہاں سویا ہوا دیکھ کر اپنی نسبت پہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ واقعی کتنی مبارک نسبتوں سے اللہ نے جوڑا ہے۔

ملی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

میں عرض کر رہا تھا کہ حضرتِ محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں حضرتِ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ جو حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے بڑے مایہ ناز شاگرد ہیں اور ترجمان السنۃ کے مصنف ہیں۔ حضرت کی قبر مبارک کو تیسری مرتبہ کھولا گیا، میں اس موقع پر وہاں موجود تھا۔ پہلی مرتبہ جب حضرت کی قبر مبارک کو کھولا گیا تو دیکھا کہ جسم مبارک بھی محفوظ اور کفن بھی بالکل اُجلا اُجلا ہے، پھر بند کر دیا گیا۔ سارے مدینہ منورہ کے لوگوں کے دلوں میں عظمت چھا گئی کہ اکابر علمائے دیوبند کی شان دیکھئے۔ پھر چھ ماہ کے بعد دوبارہ حضرت کی قبر مبارک کو نئی تدفین کے لیے کھولا گیا تو دیکھا کہ جسم مبارک بھی محفوظ اور کفن بھی اتنا اُجلا کہ گویا ابھی دفن ہوئے ہیں، پھر بند کر دیا گیا۔ تیسری مرتبہ جب قبر کشائی ہو رہی تھی تو حضرت محی السنۃ فرماتے ہیں کہ میں بھی اُس موقع پر موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ جسم مبارک بھی محفوظ اور کفن بھی بالکل اُجلا ہے۔

میں نے مولانا آفتاب عالم صاحب جو حضرتِ بدر عالم میرٹھیؒ کے صاحبزادے ہیں، اُن سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے، حضرت کا ایسا کون سا خاص عمل تھا؟ بیٹے نے کہا کہ اُن کا ہر عمل ہی خاص تھا، ہر بات ہی اُن کی خاص تھی لیکن ایک خاص بات جو مجھے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ میرے والد صاحب کسی طالبِ علم کی طرف، کسی حافظِ قرآن کی طرف پاؤں نہیں

پھیلاتے تھے، فرماتے تھے کہ ان کے سینے میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس طرح قرآن پاک کی طرف پاؤں کرنا بے ادبی ہے، ایسے ہی ان کی طرف پاؤں کرنا بھی بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ ادب نصیب فرمائے، یہ سعادتیں نصیب فرمائے۔

حضرتِ سلیمان علیہ السلام کی بات کو مکمل کر لیتے ہیں، کیا فرمایا کہ بھئی! یکطرفہ بات سنی ہے اب مُدعاعلیہ (ہوا) کو بلایا جائے، مُدعاعلیہ کو بلایا تو جب ہوا آئی تو مچھر بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا بھئی! کہاں ہے مدعی (مچھر)، اپنا مسئلہ بتاؤ۔ جب دیکھا کہ مُدعی ہے نہیں تو فرمایا مُدعاعلیہ سے کہ ہم مقدمہ خارج کرتے ہیں۔ جب مقدمہ خارج کر دیا اور ہوا چلی گئی تو مچھر آ گیا، فرمایا! تو کہاں تھا؟ تیری وجہ سے ہم نے سارے معاملات روک دیے مقدمہ نمٹانے کے لیے اور تو غائب ہو گیا۔ مچھر نے عرض کیا حضرت! یہی تو مصیبت ہے کہ جب ہوا آتی ہے تو پھر میرے قدم ٹکتے نہیں ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی جب اللہ کے ذکر کی ہوائیں چلیں گی تو پھر اللہ کی قسم گناہوں کے مچھر گھروں سے بھاگ جائیں گے ورنہ یہ گناہوں کے مچھر ہمیں کاٹ کھائیں گے۔

یہ فجر میں جو نہیں اُٹھ رہا، اِسکو سخت روحانی ملیریا ہے اور یہ اللہ کی خاص پکڑ میں ہے، شیطان نے اُس کو دبوچا ہوا ہے۔ میں ابھی عرض کر رہا تھا وہاں مری میں اور پچھلے دنوں کراچی میں جامعہ حمادیہ میں بھی، پیر طریقت سلسلہ قادریہ راشدیہ کے بڑے بزرگ حضرت شیخ حماد اللہ صاحب ہالیجویؒ کے خلیفہ مجاز بیعت، جامعہ حمادیہ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ہاں نمازِ جمعہ تھی اور وہاں میں کچھ گزارشات کر رہا تھا۔ حضرت خود بھی تشریف فرما تھے اور باقی اکابر بھی تشریف فرما تھے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے تذکرے میں یہ بات آ گئی کہ بہت سے لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پتہ

نہیں کیا وجہ ہے کہ قرآن پاک ہاتھ میں لیتے ہیں تو طبیعت خراب ہو جاتی ہے، نماز کو ہمت ہی نہیں ہوتی، لگتا ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہوا ہے، شاید جنات کا اثر ہے۔

اچانک مجھے خیال آیا، میں نے کہا کہ جی بالکل جنات ہی کا اثر ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بے شک جو نیکی کے لیے نہیں اُٹھتا، یقیناً اُس کے ساتھ جن ہے بلکہ جن نہیں ہے، ابو الجن ہے۔ ابو الجن کون ہے؟ شیطان ہے۔ بالکل اُس نے دبوچا ہوا ہے اور یہی تو کش مکش ہے، یہی تو کشتی ہے۔ اللہ کرے یہ اُکھاڑے بھر جائیں جو رب کے سامنے اپنی صلاحیتوں کے لوہے منوائیں اور بتا دیں کہ " ھم رجال و نحن رجال " وہ بھی مرد تھے اور ہم بھی مرد ہیں۔ تابعین کیا فرماتے تھے کہ ہم اتنی محنت کریں گے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کو پتہ چل جائے گا کہ اپنے پیچھے مردوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ اب وہ میدان خالی ہو گئے، اللہ کرے کہ پھر بھر جائیں۔ یہاں ہماری یہ کشتی رب کو پسند ہے اور پھر اس کشتی میں ہم نے نیچا نہیں ہونا ہے۔

جو نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اُس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

بعد میں تو دبالے کا مطلب ہے کہ بالآخر غلبہ آپ ہی کا ہوگا اور اسکا فیصلہ کرنے والے خود اللہ جل شانہ ہیں۔ ماں باپ اپنے بیٹے کو پِستا ہوا نہیں دیکھ سکتے تو اللہ تعالیٰ تو کتنی محبت سے اپنے بندے کو اُٹھا لیں گے کہ میرے لیے کش مکش کر رہا ہے، مجھ تک آنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جو فجر میں نہیں اُٹھتا ہے، جو تلاوت نہیں کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا ہے وہ سخت

ملیریے میں ہے اور یہ روحانی ملیریا ایمان لیوا نہ بن جائے، خاتمہ کفر پہ نہ ہو جائے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ روح کی غذا کیا ہے؟ نیکی اور نفس کی غذا کیا ہے؟ گناہ اور نفس کس کی برانچ (Branch) ہے؟ جہنم کی اور روح کس کی برانچ (Branch) ہے؟ جنت کی۔ تو برانچ میں جو چیز ڈالیں گے، وہ ہیڈ آفس (Head Office) میں پہنچے گی۔ نیکی ڈالیں گے تو جنت میں پہنچے گی اور نیکی جب جنت میں جائے گی تو نیک بھی جنت میں جائے گا اور اگر گناہ کریں گے تو جہنم میں پہنچے گا اور جب گناہ جہنم میں تو گناہ گار بھی جہنم میں، اللہ ہم سب کو دنیوی / اُخروی جہنموں سے محفوظ فرمائے اور اللہ تعالیٰ جنت کی نعمتیں ہم سب کو نصیب فرمائے اور اسکے لیے ظاہر ہے محنت کرنی ہے۔

روح بھی ہے جسم بھی ہے، دونوں کو بھوک لگتی ہے، غذا کی ضرورت ہے۔ دونوں بیمار ہوتے ہیں، دوا کی ضرورت ہے لیکن فرق کیا ہے؟ جسم فرشی ہے تو اسکی ساری ضروریات بھی اللہ تعالیٰ نے فرش سے پیدا فرمائی ہیں، جسم کو بھوک لگتی ہے تو غذا اناج غلے کی شکل میں زمین سے ملتی ہے اور جب جسم بیمار ہوتا ہے تو پھر دوائی بھی جڑی بوٹیوں کی شکل میں زمین سے آتی ہے، اگر جسم کو ڈھانکنا ہے تو کپڑا کپاس کی شکل میں زمین سے اور اگر سر ڈھانپنا ہے تو اُس کے لیے سیمنٹ، سریا، ریت اور بجری بھی زمین سے حاصل ہوتی ہے، تو جسم فرشی ہے اس لیے اسکی ضروریات بھی فرشی ہیں لیکن روح عرشی ہے، اسکی غذا بھی اللہ تعالیٰ نے عرش سے اُتاری ہے اور وہ وحی الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حضور ﷺ کے ارشادات ہیں۔ اب آپ خود دیکھئے کہ یہ کہاں پڑھائے جاتے ہیں؟ مدارسِ دینیہ میں اور یہ سارے مدارس صفہ کی شاخیں ہیں۔

ساری مسجدیں بیت اللہ کی شاخیں ہیں، سارے طلباء کرام اصحابِ صفہ کے ساتھی ہیں اور سارے اساتذہ کرام امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دین کی کوثر حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی مبارک ترتیب ہے، جو یہاں اس کوثر سے پیئے گا وہ وہاں اُس کوثر پر بھی پہنچے گا اور جو یہاں اس سے منہ موڑے گا وہ وہاں بھی محروم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ ایک بات آخر میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں جو زندگی گزارتے ہوئے سنت کو نہیں پہچانتا، قیامت میں حضور علیہ السلام بھی اُس کو نہیں پہچانیں گے۔ خوشی اور غم میں رسم و رواج پر چلتا ہے، سنت پر نہیں چلتا۔ ہم رسومات والے ہیں یا عبادات والے؟ ہم عبادات والے ہیں، رسومات والے نہیں ہیں۔ کافر ہمیں مسجدوں سے کاٹ کاٹ کر ہوٹلوں میں لے گئے۔ اب ہماری بربادیاں (شادیاں) ہوٹلوں میں ہوتی ہیں اور بربادی ہالوں (شادی ہالوں) میں ہوتی ہیں۔ یہ مسلمان کی شان نہیں ہے، مسلمان کی تو شادی بھی مسجد میں اور نکاح بھی مسجد میں ہوتا ہے۔

آپ میں سے کسی نے شکار ہوتا دیکھا ہو کہ جب بھیڑوں یا بکریوں کے ریوڑ جا رہے ہوں اور اُن میں کوئی چیتا، کوئی شیر یا بھیڑیا حملہ آور ہو جائے تو بیچ میں سے ہی چیتا اُٹھا کے پھاڑتا ہے یا ایک کو پہلے الگ کر کے دوڑاتا ہے؟ الگ کر کے ایک کو پہلے دوڑائے گا اور پھر اُسے دور لے جا کر تسلی سے کھاتا ہے۔ اسی طرح سب سے پہلے باطل نے ہمیں رب سے کاٹا ہے، مسجد سے کاٹا ہے اور علمائے کرام سے کاٹا ہے جو دین کے چوکیدار ہیں اور ڈاکو کو چوکیدار سے تو دشمنی نہیں ہوتی لیکن اُسے راستے سے اس لیے ہٹاتا ہے کہ یہ میرے راستے کی رکاوٹ ہے۔ آپ دیکھئے کہ آج یہ باطل والے کتنی بے حیائی پھیلا رہے ہیں، کتنی

آوارہ گردی کررہے ہیں، پھر ہمیں الگ کر کے، رب کی نظروں سے گرا کے پھر تسلی سے عزتوں اور عصمتوں کو بھی چیر پھاڑ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بھیڑیوں سے بچائے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اور ہمیں اُن کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

آپ نے دیکھا کہ ایک بسم اللہ کے اُٹھانے والے کو اللہ تعالیٰ نے کتنا اُٹھایا۔ بشر حافیؒ ایک رات میں اتنے بڑے آدمی بن گئے، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں جذب فرمالیا،" اللہ یجتبی الیہ من یشآء و یھدی الیہ من ینیب " ایک مرتبہ تلاوت فرمارہے تھے کہ تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے ' الم نجعل الارض مھدا ' کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔ بشر حافیؒ کی طبیعت پر غلبہ ہوا، کہنے لگے کہ زمین بچھونا ہے، اس لیے بچھونے پر جوتے پہن کر چلنا ٹھیک نہیں ہے۔ اُنہوں نے فیصلہ کرلیا کہ آج کے بعد کبھی جوتے نہیں پہنوں گا۔ اِدھر اُنہوں نے یہ ارادہ کیا، اُدھر اللہ تعالیٰ نے براہ راست زمین کو حکم دیا کہ میرے بندے پر ایک حال طاری ہوگیا ہے، اب یہ جوتے نہیں پہنے گا۔ تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اس کے لیے بچھونا بن جا، چنانچہ جہاں کہیں بھی چلتے ہوئے راستے میں کنکر پتھر آتے تو زمین اللہ تعالیٰ کے حکم سے نگل لیتی تھی۔

آپ کا پورا اسم گرامی بشر ابن حارثؒ تھا۔ بشر حافی اس لیے کہتے تھے کہ آپ ننگے پاؤں پھرتے تھے، تو کتنا اللہ تعالیٰ نے اُوپر اُٹھایا۔ اگر ہم ہر طالب علم کو، ہر عالم دین کو، قرآن پاک کو اور اللہ تعالیٰ کے سارے دین کو اُٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ کھڑا فرمائیں گے۔ اُنہوں نے بھی نبی علیہ السلام کو اُس وقت اُٹھایا جب کوئی نہیں اُٹھا رہا تھا، آج بھی آپ ﷺ کی سنتوں کو جو اُٹھائے گا، آپ ﷺ کے طریقوں کو اُٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کو اُوپر اُٹھائیں گے اور بلندیاں نصیب فرمائیں

گے۔آپ یہ مت دیکھئے کہ سب کیا چاہتے ہیں،بس یہ دیکھئے کہ رب کیا چاہتے ہیں۔جہاں رب چاہتے ہیں، وہاں ہم نے اپنی صلاحیتوں کو لگانا ہے، چونکہ یہاں بھی اور قیامت میں بھی رب ہی ہے،موت سے پہلے بھی اور موت کے بعد بھی رب ہی ہے،اس لیے صرف رب کو راضی کرنے میں اپنی صلاحیتوں کو لگانا ہے۔اللہ جل شانہ ہم سب کو یہ کشتی نفس اور شیطان کے ساتھ لڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والدین سے نہیں، بھائی اور چچا ماموں سے نہیں، اُن کو نہیں گھسیٹنا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔والدہ کو بھی یہ سائیڈ مار کے چلتا ہے، ماں بیچاری کچھ کہتی ہے، یہ اُسے ڈانٹ دیتا ہے۔اس نے سائیڈ مار دی ہے ماں کو، باپ سامنے آیا تو اُس کو بھی ٹکر مار کے سائیڈ مار کے چلا گیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ کتنے ڈینٹ (Dent) پڑ گئے اور اگر ان کی ڈینٹنگ (Denting) یہاں نہ ہوئی تو پھر یہ بڑے ڈینٹ والا آدمی ہے۔اس کے ڈینٹس کو وہاں سیدھا کیا جائے گا۔بات کرنے کا طریقہ نہیں ہے، سنت کے مطابق بولنا نہیں ہے اور سلیقے کے مطابق کسی سے ملنا نہیں ہے، بس پتہ نہیں کیا ہے۔

آگ اُوپر کو جاتی ہے اور مٹی نیچے کو جاتی ہے، اُوپر کو اچھلنا یہ شیطان کا خاصہ ہے، یہ اس چیز کو سمجھتا ہی نہیں ہے، اللہ ہم سب کو تواضع نصیب فرمائے۔گناہ کوئی بھی نہیں کرنا، نیکی کوئی بھی نہیں چھوڑنی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو نیکی میں چھپایا ہے، اس لیے ہر نیکی کرنی ہے اور ہمیں کوئی پتہ نہیں کہ کس نیکی میں اللہ تعالیٰ کی رضا چھپی ہوئی ہے۔حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ فرماتے ہیں کہ ایک اللہ والے عالم دین جو بڑے درجے کے محدث تھے۔اُن کی جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی،خواب میں کسی نے دیکھا تو پوچھا کہ کیا ماجرا ہوا۔انہوں نے فرمایا کہ بڑی بڑی نسبتیں اور بڑی بڑی عبادات

اور علوم تو سارے ایک طرف رہ گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن تو قلم سے لکھ رہا تھا، تو نے قلم کو دوات میں ڈبویا اور نکال کے لکھنا چاہا تو ایک مکھی آ کے قلم پر بیٹھ گئی اور اُس نے قلم کی سیاہی کو چوس کے اپنی پیاس بجھانی چاہی، تو نے قلم کو وہیں روک لیا تا کہ اس کی پیاس بجھ جائے، اُس نے اپنی پیاس بجھائی اور وہ اُڑ کے چلی گئی، بس اسی عمل پر میں نے تیری بخشش کر دی تھی۔

حضرت مولانا رومؒ تشریف لے جا رہے ہیں، چلتے چلتے رک گئے اور پلٹ کے پیچھے آ گئے۔ مریدین جو ساتھ تھے، اُنہوں نے عرض کیا کہ حضرت! راستہ تو یہی ہے، فرمایا میں اس لیے رُکا ہوں کہ آگے راستے میں کتا سویا ہوا ہے، اگر ہمارے قدموں کی آہٹ سے اُس کی آنکھ کھل گئی تو کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں۔ حضرت شیخ محمد ترمذیؒ بڑے اللہ والے تھے۔ حج کو چلے اور اُس زمانے میں پیدل حج ہوتا تھا، کئی سال کے بعد واپسی ہوئی۔ اُن کے پاس رہنے کے لیے ایک ہی کمرہ تھا، واپس آئے تو دیکھا کہ ایک کتیا نے اُس میں بچے دے دیے ہیں، حضرت اندر داخل ہوئے اور دیکھ کے باہر آ گئے۔

پھر دوبارہ گئے اور باہر آ گئے۔ کتیا کو نہیں نکالا، اُس کو نہیں مارا بلکہ یہ احساس دلانا چاہا کہ میں آ گیا ہوں لیکن وہ نہیں گئی، حتیٰ کہ ستر مرتبہ اندر داخل ہوئے اور واپس آ گئے۔ کتیے کو چھیڑنا اور اُس کا دل دکھانا گوارا نہیں کیا، باہر ہی آ کے بسیرا کر لیا۔ اُن سے حسد کرنے والا ایک آدمی تھا، جو بہت زیادہ اُن کا دل دکھاتا تھا۔ رات کو ہی اُسے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، فرمایا! تو اُس کا دل دکھاتا ہے جس نے کتیا کا بھی دل نہیں دکھایا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تو کوئی مقام چاہتا ہے تو اُس کے قدموں میں چلا جا۔ وہ اُٹھا اور تہجد پڑھی اور رو رو کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور آ کر اُن کی خدمت میں حاضر

ہوااور اپنا خواب ذکر کیا کہ اس طرح سے خواب میں آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ جو کتیا کا دل نہیں دکھا رہا، تو اُس کا دل دکھاتا ہے، تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا کیا مقام ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نظروں میں چھوٹا بنائے۔

کوئی نیکی ہم نے نہیں چھوڑنی، ساری نیکیاں کرنی ہیں، یہ بھی نہ ہو کہ گناہ کرتے رہیں گے اور کتیا کو پانی پلائیں گے، نہیں نہیں یہ شیطان کا دھوکا ہے۔ نیکیاں ساری کریں گے، پسند جو بھی آجائے۔ گناہ کوئی نہیں کریں گے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی کو گناہ میں چھپایا ہے، پتہ نہیں یہ گناہ ہی اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب نہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کو اور اپنی ولایت کو لوگوں کی محبت اور لوگوں کے ساتھ قدر و منزلت میں چھپایا ہے۔ کوئی پتہ نہیں کہ کس بندے کا رب کے ساتھ کیا تعلق ہو، اس لیے کسی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کوئی نیکی نہیں چھوڑنی، کوئی گناہ نہیں کرنا اور کسی کو حقیر نہیں سمجھنا، اس سے اللہ تعالیٰ اپنی رضا نصیب فرمائیں گے۔ مجھے شیخ سعدیؒ یاد آئے، فرماتے ہیں کہ

مرا پیر دانائے روشن شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش
دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

میرے پیر و مرشد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے دو نصیحتیں فرمائیں ''ایک یہ کہ اپنے کو کبھی اچھا نہیں سمجھنا، دوسرا یہ کہ دوسرے کو کبھی برا نہیں سمجھنا''، اور دیکھئے اکابر فرماتے ہیں کہ کینسر کا سبب غیبت ہے، چونکہ اس سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔ جب ایسی گلی سڑی کیفیت ہو تو اُس سے کینسر ہوتا ہے اور " ایحب احد کم ان یا کل لحم اخیه میتا " اب جو غیبت کر

رہا ہے، وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہے، جیسے مردے کی غیبت ہو رہی ہو تو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا، تو غیبت کرنے والا مردے کا گوشت کھا رہا ہے، پھر چلتے چلتے اس کو کینسر کا مرض ہو جاتا ہے، چنانچہ بڑی تحقیق اس پر ہوئی ہے۔ اب تک تو کوئی آلہ اس کو پہچانتا نہیں ہے۔ دل کے حسد کو، بغض کو وہی بتائیں گے جن کو اللہ پاک نے سلیقہ عطا فرمایا ہے۔

ایسے ہی سارے امراض میں یہ غیبت خطرناک قسم کا مرض ہے اور جھوٹ بڑا ہولناک قسم کا مرض ہے۔ جھوٹ کے بارے میں حضرت مفتی زین العابدینؒ نے سنایا، حضرت ڈھابیل کے پڑھے ہوئے تھے اور ہمارے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے شاگرد تھے۔ فرمایا مدینہ منورہ ہے، میں خط کا جواب لکھ رہا ہوں۔ حضرت کے ایک مرید کا خط آیا کہ بیٹے کا انتقال ہوا ہے۔ حضرت نے جواب میں لکھوایا کہ مجھے بہت صدمہ ہوا، جب خط مکمل ہوا تو پھر فرمایا مجھے پڑھ کر سناؤ۔

حضرت مفتی زین العابدین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھ کر سنایا تو حضرت نے فرمایا کہ لفظِ بہت کاٹ دو، اس لیے کہ میں نے دل پر توجہ کی اور ٹٹولا تو یوں محسوس ہوا کہ مجھے صدمہ تو ہوا لیکن بہت نہیں ہوا، یہ بہت کا لفظ جھوٹ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں کاٹ دیتا ہوں، پھر فرمایا کہ بہت صدمہ اپنے بیٹے، اپنی والدہ یا اپنے کسی قریبی عزیز پر ہوتا ہے۔ کسی تعلق والے کے کسی کے انتقال پر صدمہ تو ہوتا ہے لیکن بہت نہیں ہوتا، اس لیے یہ لفظ بہت جھوٹ ہے اس کو کاٹ دو، پھر فرمایا کیوں؟ اس لیے کہ جھوٹے کی گواہی معتبر نہیں ہوتی اور کلمہ شہادت بھی گواہی ہے اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری صاحبؒ فرماتے تھے کہ جو جھوٹ بولتا ہے، اُس کا کلمہ شہادت بھی موت پر معتبر نہیں ہے۔ اس لیے یہ بڑے خطرناک امراض ہیں اور یہ اُن ہی چیزوں سے دور ہوں گے جو اُوپر سے اُتر کے آئی

ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی کامل نسبتیں عطا فرمائے، اپنا تعلق نصیب فرمائے۔

ایک بات جو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ "جو خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھے گا اُس کی روح بھی جسم سے خوشی خوشی نکلے گی۔ دفتر سے، دکان سے اور گاڑی سے جو خوشی خوشی نکلے گا، جب اسکی موت کا وقت آئے گا تو روح بھی خوشی خوشی نکلے گی اور جو نماز کے وقت ٹال مٹول کرتے ہیں، نماز میں سستی کرتے ہیں، وقت کو آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں، ان کی روح کے نکلنے میں بھی بڑی دیر لگے گی۔ جو نماز کو نکلنے میں دیر لگاتے ہیں، ان کی روح بھی نکلنے میں بڑی دیر لگائے گی۔ اک خوشخبری بھی سنیے امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو عورت یا مرد خوشی خوشی نماز کو اُٹھتے ہیں، جب ان کی موت کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیج دیں گے کہ جاؤ ان کو کلمہ پڑھا دو" اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ اس لیے میں عرض کرتا ہوں "موتو قبل ان تموتوا" ان دکانوں سے نکلیے، ان دفتروں سے نکلیے اور ان گھروں سے نکلیے، ۳ دن ہر مہینے میں خوشی خوشی جا کر لگائیے، مرنے سے پہلے مرنے کی مشق کیجیے۔ آپ اللہ کے راستے میں نکلتے رہیں گے تو جب موت کا وقت آئے گا تو روح بھی آسانی سے نکل جائے گی۔ آج ہم نے اسکی مشق کرنی ہے، سب نیت کرتے ہیں انشاء اللہ۔

جن کے 3 چلے لگ گئے، وہ سال، سات مہینے کے لیے ملکوں میں، اندرون ملک سال کے لیے ارادے کریں۔ اگر نہیں لگے تو پہلے 4 ماہ لگائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے۔ 3 دن پابندی سے ہفتہ مقرر کر کے لگانے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نسبتیں کمال درجے کی عطا فرمائے۔ سنت کے اہتمام پر حضور ﷺ نے فرمایا "جو میری سنت کو مضبوطی سے تھامتا ہے، سنت پر عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سات انعام عطا فرماتے ہیں۔ نیک لوگوں

کے دلوں میں اسکی محبت پیدا ہوتی ہے، گناہ گار، فاسق و فاجر لوگوں کے دلوں میں اس کا رعب پیدا ہوتا ہے، رزق میں برکت ہو جاتی ہے، صحت میں بڑی وسعت ہو جائی ہے، جسم میں بڑی طاقت آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نسبتوں میں کمال عطا فرمائے (آمین)۔

بیان مدرسہ عبداللہ بن مسعودؓ، ہری پور (یکم اپریل 2008ء)

الحمد لله صاحب الجلاله والصلوة والسلام على نبيه صاحب الرسالة اللهم صل على محمد و اله بقدر حسنه وكماله امابعد: فاعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيمo بسم الله الرحمن الرحيمo

يآايهاالذين امنوا قوا انفسكم واهليكم ناراوقودها الناس والحجارة عليها ملٓئكة غلا ظ شداد لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤ مرون o وقال النبى ﷺ " انكم على بينة من ربكم ما لم تظهر فيكم سكرتان، سكرة الجهل و سكرة حب العيش وانتم تأ مرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتجاهدون فى سبيل الله فاذا ظهر فيكم حب الدنيا فلا تأ مرون بالمعروف ولا تنهون عن المنكر ولا تجاهدون فى سبيل الله القائلون يومئذ بالكتاب والسنة كا لسابقين الاولين من المهاجرين والانصار "

وقال النبى ﷺ " على العاقل ما لم يكن مغلوبا على عقله ان تكون له ساعات ساعة يناجى فيها ربه و ساعةيحاسب فيها نفسه وساعة يتفكر فيها فى صنع الله و ساعة يخلو فيها لحاجته من المطعم والمشرب " وقال النبى ﷺ " ادبوا اولادكم على ثلاث خصال ، حب نبيكم وحب ا هل بيته و تلاوة القران " او كما قال عليه الصلوة والسلام بارك الله لنا ولكم فى القران العظيم ونفعنا واياكم بالايت والذكر الحكيم ، استغفر الله لى ولكم و لسائر المسلمين فاستغفروه انه هو الغفور الرحيم

آج یہاں مدرسہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ میں ہم سب حاضر ہیں۔ مدرسہ ایک درس گاہ ہے یعنی درس کی جگہ ہے، سیکھنے کی جگہ ہے۔ اللہ کرے ہر ہر جگہ درس گاہ بن جائے۔ مدارس دینیہ مراکز ہیں اور ہمارے گھر ان کی شاخیں ہیں۔ جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ میں جتنے طلباء کرام پڑھتے ہیں اُن سب کے گھر اس مدرسہ کی شاخیں ہیں، جس طرح ساری مسجدیں بیت اللہ شریف کی شاخیں ہیں، سارے مدارس صفہ کی شاخیں ہیں اور سارے اساتذہ کرام امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے نائب ہیں اور سارے طلباء کرام اصحاب صفہؓ کے ساتھی ہیں، اسی طرح ان مدارس کی آگے شاخیں ہمارے گھر ہیں جہاں ہم دن رات بسر کرتے ہیں، وہ بھی درس گاہیں ہیں۔ ماں کی گود بھی پہلا مدرسہ ہے اور ہر ماں پہلی معلّمہ ہے۔ ماں کی گود بھی یا تو بچوں کو بنا رہی ہے یا بگاڑ رہی ہے۔ گھر کے مدرسہ میں بھی بچے یا تو بن رہے ہیں یا بگڑ رہے ہیں، البتہ اب درس گاہیں بھی دو قسم کی ہیں، ایک وہ جہاں بنایا جاتا ہے اور دوسری وہ جہاں بگاڑا جاتا ہے۔

ایک وہ درس گاہیں ہیں جہاں بڑے ذوق وشوق سے بچوں کو بھیجا جاتا ہے، جہاں کشش اور چمک ہے اور چمک بھی سراب کی طرح ہے، جیسے صحرا میں پیاسا ریت کی چمک کو پانی سمجھ کر اُس کے پیچھے بھاگتا ہے، اسی طرح کی چمک ہمیں بھی نظر آتی ہے اور ہمارے بچے اور بچیاں بھی اُسی چمک کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ دوسری وہ درس گاہیں ہیں جو حضور ﷺ کی نسبت والی ہیں اور صحیح معنوں میں بننے کی جگہیں ہیں۔ اس لیے کہ یہاں خالق سے ہونا پڑھایا جاتا ہے اور اُن درس گاہوں میں مخلوق سے ہونا پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں پہلی نظر ہی رب پر سکھائی جاتی ہے اور وہاں پہلی نظر ہی سب پر سکھائی جاتی ہے۔ یہاں رب سے ہونے کا یقین بنایا جاتا ہے اور وہاں سب سے ہونے کا یقین بنایا جاتا ہے۔

ہماری بنیاد تولا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے،اپنی بنیاد سے ہٹ کر ہم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسمِ شاہبازی

مسلمان کی شان تو بہت اُونچی ہے،اس کی پرواز تو اتنی بلند ہے کہ اسکی پہلی نظر بھی رب پر پڑتی ہے اور آخری نظر بھی رب پر پڑتی ہے۔ نیچے کی سوچ تو یہ رکھتا ہی نہیں ہے، نیچی پرواز تو اسکی شان کے خلاف ہے۔مسلمان جب اپنی اصل پر قائم تھا تو اسکی پکار پر فرشتے بھی لبیک کہا کرتے تھے اور اِدھر یہ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا تھا،اُدھر آسمانوں میں ہل چل مچ جاتی تھی لیکن آج مسلمان اپنی اصل سے بہت دور ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ذلت ورسوائی اُس کا مقدر بن چکی ہے۔آج ہمیں یہ سکھایا جارہا ہے کہ سب کو جاننے کا نام علم ہے حالانکہ علم وہی ہے جس کا معلوم اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ہو۔علم جاننے کو کہتے ہیں،رب کو جاننا علم ہے اور سب کو جاننا علم نہیں ہے۔جو سب کو جانتا ہو لیکن رب کو نہ جانتا ہو،وہ جاہل ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشادفرمایا''انکم علی بینة من ربکم ما لم تظهر فيكم سكرتان، سكرة الجهل وسكرة حب العيش " اے میری اُمت! اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم ہدایت پر رہو گی جب تک تمہارے اندر دو نشے نہ پیدا ہو جائیں۔ ایک جہالت کا نشہ اور دوسرا دنیا کی محبت کا نشہ،یہ دونوں بڑے خطرناک نشے ہیں۔اس لیے کہ سب جسے جاننا سمجھتے ہیں،وہ رب کے ہاں نہ جاننا ہے۔جسے ہم علم سمجھتے ہیں،وہ رب کے ہاں جہالت ہے کیونکہ سب کو جاننے کا نام علم نہیں ہے بلکہ رب کو جاننے کا نام علم ہے۔

سب کی منشاء اور مرضی معلوم کرنے کو علم نہیں کہتے بلکہ رب کی منشاء اور مرضی معلوم کرنے کا نام علم ہے۔ الغرض! اگر دیکھا جائے تو یہ دو درس گاہوں میں دو طرفہ تقسیم ہو رہی ہے۔ ایک طرف تو عباد الرحمٰن بن رہے ہیں جو رحمٰن ہی کی رضا کی تلاش میں ہیں، اُسی کی منشاء کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور دوسری طرف اللہ نہ کرے عباد الشیطان بن رہے ہیں۔

موت سے پہلے کا سارا وقفہ اِک کش مکش ہے، اس میں کھینچا تانی لگی ہوئی ہے۔ خیر اپنی طرف کھینچتا ہے اور شر اپنی طرف کھینچتا ہے ۔ رحمانی طاقتیں اپنی طرف اور شیطانی طاقتیں اپنی طرف کھینچ رہی ہیں اور ہم سب زبردست آزمائش میں ہیں ۔ ایک طرف نیکی ہے تو دوسری طرف گناہ ہے اور نیکی انسان کے اندر لطافت پیدا کرتی ہے، گناہ انسان میں کثافت پیدا کرتا ہے ۔ نیکی اُوپر لے جاتی ہے جبکہ گناہ نیچے لے جاتا ہے۔

ہمارے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے، اس لیے اُوپر جانے کے لیے تو محنت کرنی پڑے گی لیکن نیچے جانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے''۔ جس طرح بچے کو جاہل بنانے کے لیے کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی اور کبھی آپ کے پاس کوئی یہ مشورہ کرنے نہیں آئے گا کہ میں نے اپنے بچے کو جاہل بنانا ہے تو آپ کی کیا رائے ہے، کتنا عرصہ لگے گا اور کتنا خرچہ ہوگا؟ بچہ تو پیدائشی جاہل ہوتا ہے اگر آپ اُس کی جہالت کو ختم کرکے زیورِ علم سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں تو محنت کرنی پڑے گی۔ اِسی طرح زمین کو بنجر بنانے کی کوئی محنت نہیں ہے، آپ زمین کو ویسے ہی چھوڑ دیں تو خودرو جھاڑیاں اور گھاس خود بخود اُگ جائے گی لیکن اُس کے بنجر پنے کو ختم کرکے سرسبز و شاداب بنانا ہو تو بڑی محنت کرنی پڑے گی۔

مائیں بھی سُن رہی ہیں اور مجھے اس کا بڑا خیال آتا رہتا ہے۔ وہ پودے جو ہیں ہی مرجھانے کے لیے، میرے گملے میں کھلا ہوا پودا، میرے صحن اور کیاری میں لگا ہوا پودا، یہ عورت اُس پر کتنی توجہ دیتی ہے۔ اُس کے پانی کا خیال کرتی ہے اور اُس کی گوڈی وغیرہ کرتی ہے، اچھی طرح سے اُس کی تراش خراش کرتی ہے، تو جو پودے مرجھانے کے لیے ہیں، اُن پر تو اتنی توجہ ہے لیکن اپنی اولاد پر جو اللہ کی قسم جنت کے پودے ہیں، اُن پر کوئی توجہ نہیں ہے اِس عورت کو کوئی پتہ نہیں ہے کہ میرا بیٹا رات کہاں گزارتا ہے، دن کے وقت کہاں ہوتا ہے اس وقت یہ کس جگہ سے ہو کے آرہا ہے۔ کہیں اس کو گناہوں کے جراثیم تو نہیں لگ گئے، بری صحبت میں تو نہیں پڑ گیا ہے۔ اس کے دائیں بائیں بھی تو باڑ لگانی چاہیے تھی اور آپ کو معلوم ہے کہ باڑ کتنی محبت سے لگتی ہے۔

ہمارے مدارسِ دینیہ میں بھی اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ اِن مدارس میں پڑھانے والے اساتذہ کرام مالیوں کی طرح ہیں اور یہ طلباء کرام پودوں کی طرح ہیں۔ مدارسِ دینیہ کے اصول وضوابط کی مثال بھی اُس باڑ کی مانند ہیں جو مالی بڑی شفقت سے اور بہت مشقت اُٹھا کر پودوں کے گرد لگاتا ہے۔

ہمارے حضرتِ اقدس مولانا جمشید علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو رائے ونڈ کے بزرگوں میں سے ہیں۔ اُن سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! کیا وجہ ہے کہ جو مجمع مرکز میں آتا ہے، اُس کا تو بڑا اکرام کیا جاتا ہے لیکن رائے ونڈ کے مدرسہ میں بڑے سخت اصول وضوابط ہیں۔ مثلاً طالبِ علم کے اپنے چار ماہ لگے ہوں اور اُس کے والد نے بھی چار ماہ لگائے ہوں۔ طالبِ علم اپنے پاس موبائل نہیں رکھ سکتا، ٹیلی فون نہیں کر سکتا، عصر کے بعد باہر نہیں جا سکتا۔ ہر ماہ گھر نہیں جا سکتا بلکہ تین ماہ بعد گھر جائے گا۔ کسی کی شادی غمی میں نہیں جا سکتا

بلکہ جب اسکی اپنی شادی بھی ہوگی تو مشورے سے ہوگی، اس طرح سے اپنے آپ کو حوالے کرنا پڑے گا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

تو دانی حساب کم و بیش را

رائے ونڈ مرکز میں تبلیغ کے کام کے لیے جو بھی آتا ہے، اُس کو تو آپ لے رہے ہیں بلکہ بُلا رہے ہیں لیکن جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنا چاہتا ہے، اُسے کہتے ہیں کہ مدرسہ میں مزید گنجائش نہیں ہے، داخلہ نہیں دے سکتے اور اُوپر سے اتنی سخت پابندیاں بھی آپ نے لگا رکھی ہیں تو اسکی کیا وجہ ہے؟ حضرت نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ تبلیغ تو بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے کے لیے ہے اور تعلیم طلب والوں کے لیے ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ یہ ساری پابندیاں اور اصول وضوابط شفقت کی وجہ سے ہیں۔ اس لیے کہ جب ایک بندہ ہمارے پاس آ ہی گیا ہے تو پھر اُسے سنبھالنے کی ضرورت ہے اور دائیں بائیں کی مسموم ہواؤں سے اُسے بچانے کی ضرورت ہے۔ اُس نے عرض کیا حضرت! اتنی پابندیوں اور اصول وضوابط کے ہوتے ہوئے یہ سب یہاں خوش کیسے رہتے ہیں کہ انہیں گھر بھی بھول جاتا ہے، سارے مجمع کے لیے مطبخ میں کھانا بھی خود پکاتے ہیں، اجتماع کے دنوں میں پورے پنڈال کی کٹائی بھی خود کرتے ہیں۔ اتنی قربانیاں دیتے ہیں لیکن پھر بھی خوش ہیں تو ہمارے حضرت مولانا جمشید علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا کہ ہمارے اصول وضوابط ریشم کی رسی کی طرح ہیں۔ ریشم کی رسی نرم اتنی ہوتی ہے کہ چبھتی نہیں اور مضبوط اتنی ہوتی ہے کہ ٹوٹتی نہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ و السلام کا ارشاد ہے کہ ''مومن اور ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جانور ہو اور اُس کے پاؤں میں رسی ڈال کر اُسے باندھا ہوا ہو۔ اب جانور چَر رہا ہے اور چرتے چرتے تھوڑے فاصلے پر نکل گیا لیکن پیچھے رسی سے بندھا ہونے کی وجہ سے وہ واپس اپنے مرکز ہی کی طرف لوٹ کے آتا ہے''۔ ایسے ہی مومن بھی کبھی نیکیاں کرتے کرتے گناہوں کی طرف چل پڑتا ہے یا کبھی حرام کی طرف چلا جاتا ہے لیکن ایمان کی رسی اُسے پھر کھینچ کر اپنے رب کی طرف لے آتی ہے۔

دو راستے ہیں۔ ایک شریعت کا راستہ، دوسرا اپنی طبیعت کا راستہ ہے۔ دنیا جس میں ہم سب رہ رہے ہیں، یہ ایک بڑا جنکشن ہے۔ ہم بڑے لمبے سفر سے آئے ہیں اور آگے بھی لمبے سفر کو جانا ہے، بس تھوڑی دیر کے لیے یہاں ٹھہرے ہیں۔ یہاں سے گاڑیاں دو رُخوں پر روانہ ہو رہی ہیں، ایک جنت کی طرف اور دوسری دوزخ کی طرف۔ ایک راستہ شریعت کا ہے اور دوسرا راستہ طبیعت کا ہے۔ ایک رحمٰن کا راستہ ہے، دوسرا شیطان کا راستہ ہے۔ شریعت کا راستہ جنت کا راستہ ہے اور طبیعت کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔ آدمی چلتا ضرور ہے، اب یا تو شریعت کے راستے پر چلے گا یا پھر اپنی طبیعت کے راستے پر چلے گا۔

پچھلے دنوں کراچی کے سفر میں بہت زیادہ مشقت ہوئی۔ کراچی سے کچھ احباب آئے اور کہنے لگے کہ جی! ہم نے آپ کو بہت تھکا دیا۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا، میں نے کہا بھئی تھکنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے اپنے لیے تھکنے والا بنایا ورنہ رب کو ناراض کرنے والے بھی تو تھکتے ہی ہیں۔ رب کو راضی کرنے والے بھی تھکتے ہیں اور رب کو ناراض کرنے والے بھی تھکتے ہیں، ناراض کرنے والا بھی تو رب کو تھک کر ہی ناراض کرتا ہے۔ راتوں کو جاگ جاگ کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے، دن کو بھی اُسکی ناراضگی کے

کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اِسکی زبان بولتی ہے تو اللہ کی ناراضگی والا کلمہ، اِسکی آنکھ دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والی جگہ، اِسکا دماغ سوچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی بات، میں نے کہا جو رب کو ناراض کرتے ہیں وہ بھی تو تھکتے ہیں، تو اگر رب کو راضی کرنے میں تھک گئے تو کیا بات ہوگئی بلکہ یہ تھکن قیمتی بن جائے گا اور قبر میں جاتے ہی اللہ جل شانہ فرمائیں گے کہ بھئی اس کو ایسے سُلا دو جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے، تھکا تھکا یہ آیا ہے۔ اس لیے رب کے لیے تھکنے کی تو بڑی قدر ہے۔

مدارسِ دینیہ میں طلباء کرام پڑھتے ہیں اور سکولوں کالجوں میں سٹوڈنٹ پڑھتے ہیں۔ ہمارے حضرت عارف باللہ رومی ثانی حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ سٹوڈنٹ (Student) سے لے کر پریذیڈنٹ (President) تک تقریباً سب میں ڈینٹ (Dent) ہی ڈینٹ ہیں۔ اگر یہاں موت سے پہلے پہلے ڈینٹنگ (Denting) نہ ہوئی تو پھر موت پر ایسی ڈینٹنگ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ جنت بنے ہوئے لوگوں کی جگہ ہے، بگڑے ہوؤں کی جگہ نہیں ہے۔ ہمارے حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہاں ہم موت سے پہلے پہلے بن گئے تو سیدھا جنت میں جائیں گے اور اگر یہاں نہ بنے تو موت کے بعد پھر ہمیں بنا یا جائے گا، چونکہ مستورات بھی تشریف لائی ہوئی ہیں، اس لیے ایک خوشخبری سنانا بھی ضروری ہے۔

امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو عورت یا مرد خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھتے ہیں، جب اُن کی روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیج دیں گے کہ جاؤ! میرے بندے بندی کو کلمہ پڑھا دو''۔ جو نماز کے وقت خوشی خوشی اُٹھتے ہیں تو

موت کے وقت اُن کی روح بھی خوشی خوشی نکلے گی۔ جو نماز کے اُٹھ رہا ہے، وہ اپنے کو بنا رہا ہے اور جو نہیں اُٹھ رہا وہ بگاڑ رہا ہے اور نماز میں قیام لمبا ہونا چاہیے۔

حفاظِ کرام کا تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے یہاں بھی اور باقی مدارس میں بھی اس بات کا اہتمام ہوتا ہے کہ وہ اپنی انفرادی نمازوں میں صرف آخری سورتیں نہیں پڑھتے بلکہ وہ اپنی منزل دہراتے ہیں۔ بہت سے حفاظِ کرام کی کارگزاریاں ہمارے سامنے آئیں کہ ایک دن میں گیارہ گیارہ پارے تو صرف اپنی انفرادی نمازوں میں پڑھ لیتے ہیں۔ آذان سے پہلے مسجد میں آتے ہیں اور پندرہ منٹ میں ٹھہر ٹھہر کر کم از کم ایک پاؤ تو ایک رکعت میں پڑھ لیتے ہیں۔ دیکھا جائے تو تقریباً 50 یا 52 رکعتیں ایسی ہیں جو آدمی روزانہ انفرادی پڑھتا ہے۔

بارہ سنتِ موکدہ ہیں، تین وتر ہیں، چار سنتِ غیر مؤکدہ عصر سے پہلے جن کے بارے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ "رحم الله امراء صلّٰی قبل العصر اربعا، اللہ تعالیٰ اُس بندے پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتا ہو۔

ایمان پر خاتمہ کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو عصر سے پہلے کی چار رکعتیں اہتمام سے پڑھتا ہو تو موت کے وقت اُس کا خاتمہ اللہ تعالیٰ ایمان پر فرما دیتے ہیں۔ وتر اور عصر سے پہلے کی چار رکعت سنتِ غیر مؤکدہ کو ملا کر کُل اُنیس رکعتیں ہو گئیں اور عشاء سے پہلے کی چار رکعتیں اور ملائیں تو تیئیس ہو گئیں اور تہجد کی صرف چار رکعتیں شامل کریں تو ستائیس رکعتیں ہو گئیں، اشراق کی چار رکعتیں اور ملائیں تو اکتیس ہو گئیں اور اسی طرح چاشت کی چار رکعتیں ہوں تو پینتیس ہو جائیں گی اور ایسے ہی ہر فرض نماز کے بعد دو رکعت نفل ہیں تو چھ رکعت مزید شامل کریں تو اکتالیس ہو گئیں۔ اوابین کی صرف چھ رکعت ہیں، اُس میں بھی

جو پہلے سے چھ رکعت پڑھ رہے ہیں وہ تو اُسی کا اہتمام رکھیں گے اور جو پہلے سے چھ رکعت نہیں پڑھ رہے، دو سنت پڑھ کے دو نفل پڑھ لیتے ہیں، اُن کے لیے بھی یہ خوشخبری ہے کہ وہ دو رکعت اور نفل بڑھا لیں گے تو سنت کو ملا کر یہ بھی چھ ہو جائیں گی اور اُن کو بھی اوابین کا ثواب مل جائے گا۔ اب یہ اوابین کی چھ رکعتیں اور ملائیں تو سینتالیس ہو جائیں گی اور ساتھ ساتھ صلوۃ الحاجات تحیة المسجد اور تحیة الوضو بھی ملا ییے تو اڑتالیس، پچاس اور باون رکعتیں ہو جاتی ہیں اور اگر ہر رکعت میں ایک یا ڈیڑھ پارے کا معمول بن جائے تو باون کو چار پر تقسیم کریں تو تیرہ پارے روزانہ ہو جائیں گے، یہ تو عام معمول بن جائے گا اور پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اللہ جل شانہٗ ہم سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔

نماز میں قیام لمبا ہونا چاہیے، اس لیے کہ جس کا نماز میں قیام لمبا ہوگا، نزع کی سختی اللہ جل شانہٗ اُس کی آسان فرما دیں گے، رب کے سامنے قیام کی عادت اگر پڑ گئی تو سب کے سامنے کے قیام سے اللہ تعالیٰ نجات دے دیں گے۔ یہ جو سب کے سامنے قیام ہوتا ہے کہ فائلیں ہاتھ میں دبائے ہوئے اور درخواست ہاتھ میں اُٹھائے ہوئے سب کے سامنے لائن میں آدمی لگ جائے۔ جو رب کے سامنے لائن میں لگ جائے اور نماز کا اہتمام شروع کر دے تو رب اُسے سب کی لائن سے نکال کر براہِ راست اپنے خزانوں سے عطا فرمائیں گے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ آپ کوئی چیز تقسیم کر رہے ہیں اور آپ ہی کا کوئی بھانجا / بھتیجا لائن میں کھڑا ہو تو کیا آپ برداشت فرمائیں گے؟ نہیں نہیں، آپ کہیں گے کہ بھئی! آپ اس خاص راستے سے آؤ، آپ کیوں لائن میں لگ گئے۔ اسی طرح جو رب کو راضی کرنے والے ہوں گے وہ پھر سب کی لائنوں میں نظر نہیں آئیں گے، پھر تو اللہ کی قسم سب ان کے ہاں لائن میں لگتے ہوئے نظر آئیں گے۔''

من اصلح ما بینه و بین الله اصلح الله ما بینه و بین الناس "۔

مدارسِ دینیہ رب سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ ان کی مثال پاور ہاؤس کی ہے، جو ان سے جڑ گیا وہ رب سے جڑ گیا اور جو ان سے کٹ گیا وہ رب سے کٹ گیا۔ مسجدیں جنتی باغ ہیں اور مدرسے محمدی باغ ہیں، اللہ جل شانہ ہمیں ان باغوں کا رکھوالا بنائے۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا" جو عورت مرد خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھتا ہے جب اسکی روح کے نکلنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیج دیتے ہیں کہ جاؤ اسکو کلمہ پڑھا دو"۔ ہم سب پر بھی یہ حالت آنے والی ہے اور ہمیں بھی نزع کی حالت سے گزرنا ہے۔ ہمارے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے تھے کہ جو خوشی خوشی (اپنی دکان سے، دفتر سے، گھر سے، اپنی گاڑی سے) نماز کے لیے نکلے گا، جب اسکی روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو وہ بھی خوشی خوشی نکلے گی، اور جو نماز کے وقت میں تاخیر کرے گا، جب اُس کی روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو وہ بھی نکلتے ہوئے دیر لگائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جنت اُوپر ہے اور جہنم نیچے، اُوپر جانے کے لیے تو محنت کرنی پڑتی ہے۔

اگر کسی کی تمنا یہ ہو کہ میں میٹرک میں ہی ساری زندگی گزار دوں تو اس کے لیے اُسے کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی، البتہ آگے بڑھنے کے لیے اُسے محنت کرنا ہوگی۔ ہم سب کے ہاں آگے بڑھنے کے منصوبے تو بناتے ہیں لیکن رب کے ہاں آگے کیوں نہیں بڑھتے؟ جہاں ہمیں رب بلا رہے ہیں وہاں ہم کیوں نظر نہیں آتے؟ ہم اگر وہاں نظر آئیں جہاں رب بلاتے ہیں تو اللہ کی قسم جب ہم بلائیں گے تو رب کی مدد بھی نظر آئے گی۔ جب رب بلاتے ہیں تو ہم نظر نہیں آتے، پھر جب ہم بلاتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں کہ بڑی نامانوس

آواز ہے، پتہ نہیں کس کی ہے؟ اس لیے اپنے رب سے جان پہچان پیدا کرنا ضروری ہے، یہ جان پہچان یہاں بھی کام آئے گی، موت پر بھی کام آئے گی اور قبر میں بھی کام آئے گی۔

امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ایک موقعہ پر قبر کے احوال کا تذکرہ فرمارہے تھے، حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ بھی حاضرِ خدمت تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرا عمر جب قبر میں جائے گا، اس سے بھی فرشتے آکر سوال کریں گے کہ من ربك؟ تمہارا رب کون ہے؟ تو یہ جواب میں کہیں گے ربی اللہ، ومن ربکما؟ میرا رب تو اللہ ہے، تم دونوں بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب فرشتے ان کا یہ سوال سنیں گے تو پھر آگے بات ہی نہیں کرسکیں گے"۔

رابعہ بصریہؒ مرنے کے بعد کسی کو خواب میں نظر آئیں تو اس نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمانے لگیں کہ مجھ سے فرشتوں نے آکر سوال کیا کہ من ربك؟ تیرا رب کون ہے؟ میں نے اُنہیں جواب میں کہا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ کہاں سے آئے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ ہم آسمانوں سے آئے ہیں، پھر میں نے پوچھا کہ میں کہاں سے آئی ہوں؟ اُنہوں نے کہا کہ آپ زمین کے اُوپر سے زمین کے اندر آئی ہیں۔ پھر میں نے اُن سے کہا! پہلے تم بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، میں نے کہا کہ تم اتنے فاصلے سے آئے ہو اور اپنے رب کو نہیں بھلایا، میں تو زمین کے اُوپر سے اندر آئی ہوں میں اپنے رب کو کیسے بھلاسکتی ہوں۔ زمین کے اُوپر بھی رب کو راضی کرتے ہوئے زندگی گزری ہے، وہاں بھی رب کو نہیں بھلایا تو یہاں آکر کیسے بھلادوں۔

ہمارے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے! جو زندگی میں کلمے کو یاد رکھے گا تو موت پر کلمہ اُس کو یاد آجائے گا۔ زندگی میں جو کلمے کو نہیں بھلائے گا، موت پر

کلمہ اُس کو نہیں بھولے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِسے یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔
حضورﷺ کے اس ارشادِ مبارک کہ ''جو خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھتا ہے تو موت پر فرشتہ آ کر اُسے کلمہ پڑھا دیتا ہے''

بار باراس کی ندت کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے اور فرشتے کے کلمہ پڑھانے سے مجھے یاد آیا کہ جو قرآنِ پاک یاد کرنے کی نیت کرتا ہے اور پھر پورا یاد نہیں کر پاتا کہ موت آ جاتی ہے، قبر میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیج دیتے ہیں جو باقی قرآنِ پاک اُسے قبر میں یاد کرا دیتا ہے۔ اس لیے یہاں جو مصروفیت ہوگی، وہاں بھی وہی مصروفیت ہوگی۔ جن کی یہاں مصروفیت اچھی ہے، اُن کی وہاں بھی اچھی مصروفیت ہوگی، اور دیکھئے! گناہ میں بھی مشقت ہے اور نیکی میں بھی ہے۔ متقی بھی مشقت اُٹھاتا ہے اور فاسق وفاجر بھی لیکن ایک اپنے رب کے قریب ہو رہا ہوتا ہے اور دوسرا رب سے دور۔

اک غم میں اُن سے دور ہوا، دوسرا قریب
فاسق کا غم الگ ہے، الگ متقی کا غم

فاسق بھی غم اُٹھاتا ہے، متقی بھی غم اُٹھاتا ہے۔ اچھا! جتنے لوگ مخلوق میں گھسے ہوئے ہیں، وہ عاشق نہیں ہیں فاسق ہیں وہ عشق نہیں کر رہے بلکہ فسق کر رہے ہیں، وہ عشاق نہیں ہیں فساق ہیں۔ جو سب پر مرتے ہیں وہ فساق ہیں اور جو رب پر مرتے ہیں وہ عشاق ہیں۔ رب پر مرنے والا عاشق ہے اور سب پر مرنے والا فاسق ہے۔ رب پر مرنے والا عشق کر رہا ہے اور سب پر مرنے والا فسق کر رہا ہے، اللہ ہم میں سے کسی کو فاسق نہ بنائے بلکہ اپنا عاشق بنائے۔ تو ایک فاسق ہوتا ہے اور ایک عاشق، فاسق بھی غم اُٹھاتا ہے اور عاشق بھی لیکن ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عاشق کا غم اُسے رب کے قریب کر دیتا ہے، اُسے ہر وقت یہ غم

ہوتا ہے کہ کہیں میرا رب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے جبکہ فاسق اپنے رب کو ناراض کرنے میں غم اُٹھاتا ہے، اس لیے اُس کا غم اُسے رب سے دور کر دیتا ہے۔ محنت کی بات ہو رہی تھی کہ اگر کوئی محنت چھوڑ دے تو اُسی درجے میں رہے گا لیکن آگے بڑھنے کے لیے اُس کو محنت کرنا ہوگی۔ جنت ساتوں آسمانوں کے اُوپر ہے، اُس کے لیے محنت ہے۔ جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، اُس کے لیے کوئی محنت نہیں ہے۔ جنت میں جانے کے لیے محنت ہے لیکن جہنم میں جانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ شریعت کا راستہ جنت کا اور طبیعت کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔

تمام مدارسِ دینیہ صفہ کی شاخیں ہیں اور ان میں پڑھنے والے طلباء کرام اصحابِ صفہ کے ساتھی ہیں۔ ہمیں ان مدارس کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے مدارس کی بھی خبر رکھنی ہے، اس لیے کہ ہم بھی تو کسی مدرسے کے مہتمم ہیں نا، وہ کیسے؟ کہ آپ کا گھر بھی تو ایک مدرسہ ہے، آپ اُس کے مہتمم ہیں، آپ کی بیوی اُس کی معلمہ ہے اور آپ کے بچے اُس مدرسہ کے طلباء ہیں۔ ذرا پلٹ کے یہ بھی دیکھئے کہ آپ نے اپنے مدرسہ میں اُستانی کیسی رکھی ہے، یعنی ماں کی گود جو پہلا مدرسہ ہے اور جو آپ کے بچوں کی پہلی تعلیمی درس گاہ ہے، اُس کے لیے جس اُستانی کا آپ نے انتخاب کیا ہے، اُس کے کیا کوائف ہیں؟ اپنے اپنے مدارس جو گھروں میں قائم ہیں، اُن میں آپ کتنا وقت دیتے ہیں اور آپ کے بچوں کی وہاں تعلیم و تربیت کس انداز سے ہوتی ہے، یہ دیکھنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے کیونکہ آپ مہتمم صاحب ہیں۔

بچے اگر ماں کی گود کے مدرسہ سے بن کے آئیں تو پھر وہ بچے حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بنتے ہیں جو ماں کے مدرسہ سے فارغ ہو کر آگے بڑے مدرسہ میں جا رہے تھے کہ راستے میں ہی ڈاکوؤں کی توبہ کا ذریعہ بن گئے۔ آج کیوں ہمیں حضرت شیخ الہند، حضرت

نہیں آتے، شیخ العرب و العجم حضرتِ مدنیؒ نظر نہیں آتے، اسی طرح حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نظر نہیں آتے، اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ وہ ماں کی گود کے مدرسہ سے بنے ہوئے نکل کر آئے تھے، پیچھے ماں کی گود بنی ہوئی تھی اور اگر سانچہ اچھا ہو تو پھر مال بھی اچھا تیار ہوتا ہے، سانچہ بگڑا ہوا ہو تو مال بھی خراب تیار ہوتا ہے۔

ماں باپ اصل ہیں اور اولاد فوٹو کاپی ہے اور فوٹو کاپی تو اصل کے مطابق ہی ہوتی ہے، اب اگر فوٹو کاپی میں کوئی خرابی نظر آئے تو اُس پر غصہ کرنیکے بجائے اصل کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ضرور اصل میں کوئی خرابی ہے جو فوٹو کاپی میں بھی آئی ہے، اُسکی تصحیح کرنی چاہیے۔ ماں باپ اصل ہیں اور اولاد فوٹو کاپی ہے، آج اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں امام اعظم امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ جیسے حضرات نظر نہیں آتے تو اسکی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ آج وہ مائیں نظر نہیں آتیں جنکی پاکیزہ گودوں میں یہ پروان چڑھتے تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہوں یا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ہوں، کسی کو بھی دیکھ لیں تو اُنکے پیچھے اُن کی مائیں نظر آتی ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے لیکن ماں کی گود سے ایسی پاکیزہ نسبت اُنکو ملی اور ماں کی دعاؤں نے اُنکو آسمان ہدایت کا ایسا چمکتا سورج بنایا کہ آج تک اُنکی چمک اور روشنی سے سارا عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔ مائیں بنی ہوئی تھیں جنکی وجہ سے اُن کی اولادیں بھی بنی ہوئی تھی۔ ماں کے تقوای وطہارت اور اُسکے توکل کا اثر بھی اولاد میں نظر آتا تھا، اسی لیے اُنکی پرواز بڑی اُونچی ہوتی تھی۔ آج اس سرپرستوں کے جوڑ میں ہم یہ نیت کر لیں کہ انشاء اللہ! ہم اپنے پہلے مدرسہ کو بنانے کی فکر کریں گے۔ اللہ کرے ہر ہر فرد بنا ہوا ہو، پھر ہر گھر بنا ہوا ہوگا اور پھر مدرسہ میں آنے والا ہر بچہ بنا ہوا آئے گا۔

دیکھئے! اگر کسی کو کپڑا سینے کے لیے تھان میں سے کاٹ کر دیا جائے تو اُسے کوئی دقت پیش نہیں آتی لیکن خراب سلا ہوا کپڑا اگر کسی خیاط (درزی) کے حوالے کیا جائے کہ اُسے ٹھیک کرے تو مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس لیے کہ پہلے اُس کپڑے کو اُدھیڑنے میں نہ جانے کتنا وقت لگے گا اور اُسکے بعد اُسے ٹھیک کیا جائیگا۔ اسی طرح اگر بچوں کو بگاڑ کے یہاں بھیجیں گے کہ وہ جھوٹ، غیبت چوری، بدتمیزی اور بے ادبی کی عادات کے ساتھ آئیں گے تو پھر یہ اساتذہ کرام ہی کی شفقت ہے کہ اُن کی ایک ایک بری عادت کو اُدھیڑ اُدھیڑ کر ٹھیک کرتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں اُن کے لیے بڑی پریشانی بن جاتی ہے کہ بچہ جھوٹ بھی بولتا ہو اور غلط باتیں بھی کرتا ہو اور باہر کی نامناسب فضاؤں سے آیا ہو اور اس کے جراثیم باقی بچوں کو بھی خراب کر رہے ہوں۔ ایسے بچے کی مثال چمن کے اُس پودے کی ہے جس کو پہلے ہی دیمک نے چاٹا ہوا ہے، اس طرح بڑا مسئلہ بن جاتا ہے اور اس کا حل یہ ہے کہ والدین اساتذہ کرام کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔

آج اگر نرسریاں اچھے اچھے پودے تیار کریں، ماں کی گود اگر تقوے طہارت والی ہو، ماں تہجد میں اُٹھ کر رونے والی اور آہیں سسکیاں بھرنے والی ہو اور اسی طرح باقی معمولات کا بھی اہتمام کرنیوالی ہو تو آج بھی اللہ تعالیٰ وہ برکتیں دکھائیں گے جو پہلے زمانے میں تھیں اور ایسی برکت والی گودوں میں جو بچے پرورش پائیں گے وہ خود کتنی برکت والے ہوں گے اچھا! ہمارا جذبہ یہ ہوتا ہے کہ بچے ٹھیک ہو جائیں، نیک ہو جائیں لیکن یہ اُس وقت تک نہیں ہوگا جب تک بڑے ٹھیک نہیں ہوں گے۔ باپ خود دین میں جتنی زیادہ قربانی کر کے آگے بڑھے گا، اللہ تعالیٰ اُسکی اولاد کو بھی آگے بڑھائیں گے لیکن اگر باپ فسق و فجور میں مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والی زندگی گزار رہا ہو اور اسکی تمنا یہ ہو کہ میرا بیٹا اللہ کو راضی کرنیوالا بن

جائے تو یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکا ہے۔ گھروں اور مدارس میں ہم بچوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ بیٹا محنت سے پڑھنا، نماز کا اہتمام کرنا اور جھوٹ نہ بولنا لیکن میں ان ماں باپ سے پوچھتا ہوں کہ صرف بچے ہی جھوٹ نہ بولیں یا بڑے بھی نہ بولیں؟ بھئی! آپ بچوں کے لیے جس چیز کو برا سمجھتے ہیں، بڑوں کے لیے بھی وہ چیز بری ہے۔ آپ بچے سے کہتے ہیں کہ بیٹا! جھوٹ بولنا بری بات ہے تو اے بڑے! جھوٹ آپ کے لیے بھی برا ہے۔ ماں کہتی ہے بیٹا! چغلی کی عادت اچھی نہیں ہے تو اے ماں! تُو جو لوگوں کی چغلیاں کھاتی ہے، یہ بھی تو اچھی عادت نہیں ہے۔ جو چیز ہم بچوں میں لانا چاہتے ہیں وہ پہلے بڑوں میں ہونی چاہیے، اس لیے کہ بڑوں میں ہوگی تو آگے بچوں میں منتقل ہوگی۔

قال سے قال اور حال سے حال پھیلتا ہے۔ باپ اگر صاحبِ حال ہوگا، ماں اگر صاحبِ حال ہوگی تو ان کی زندگی بچوں کے لیے نمونہ ہوگی اور پھر یہی زندگی بچوں میں منتقل ہوتی چلی جائے گی۔ اس لیے جو چیزیں ہم بچوں میں لانا چاہتے ہیں پہلے کن میں لانی ہوں گی؟ بڑوں میں لانی ہوں گی۔ بڑوں میں آئیں گی تو بچوں میں خود بخود آجائیں گی اور اگر ہم خود نہیں کریں گے اور صرف بچوں کو کہتے رہیں گے تو پھر اُن کی کیفیت خوف والی ہو جائے گی کہ ہمارے سامنے تو کریں گے لیکن ہماری غیر موجودگی میں نہیں کریں گے، پھر وہ بات نہیں رہے گی۔ اس لیے سب سے پہلے اپنے کو بنیاد بنانا ہے، بچے ابھی چھوٹے ہیں اور ابھی وہ مکلف بھی نہیں ہیں اور اُن کی طرف احکام بھی متوجہ نہیں ہیں لیکن اُن کو تو ہم پوری طرح رگڑ رہے ہیں اور جن کی طرف سارے احکام متوجہ ہیں، اُن کو احساس ہی نہیں ہے۔

ہمیں اپنی قربانی کو بڑھانا ہوگا۔ ہمارا بیٹا تو سادسۃ میں چلا گیا، خامسۃ میں اور موقوف علیہ میں پہنچ گیا یعنی بچہ تو منتہی ہو رہا ہے اور باپ بیچارہ ابھی مبتدی بھی نہیں ہے۔

باپ نے ابھی تک دین کی الف ۔ با بھی نہیں شروع کی اور بچہ دورہ حدیث شریف میں پہنچ گیا تو بڑی شرم کی بات ہے، ہمیں تو آگے بڑھ کے اپنے بچوں کے لیے نمونہ بننے کی ضرورت ہے۔ جن کے 3 چلے ابھی تک نہیں لگ سکے، اُنہیں تو اللہ تعالیٰ سے مانگ کر جلدی ترتیب بنانی چاہیے اور اسی طرح دین کے ہر تقاضے پر اپنے آپ کو پیش کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اثرات زندگیوں پر ڈالیں گے، اللہ جل شانہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بہت زیادہ فکر کی ضرورت ہے کیونکہ بچہ ماں باپ کے پاس اللہ جل شانہ کی امانت ہے اور بچے کا دل ایک صاف اور عمدہ آئینے کی طرح ہوتا ہے، اگر چہ یہ آئینہ نقش و نگار سے پاک ہوتا ہے لیکن ہر طرح کے نقش و نگار کا اس پر اثر پڑتا ہے اور چونکہ بچے کے اندر استعداد تو ہوتی ہے، اس لیے اگر شروع ہی سے بچے کو اچھی باتوں کی عادت ڈالی جائے تو پھر وہ عمدہ نشو نما پا کر دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کر لیتا ہے اور اِس کا اجر ماں باپ اور اساتذہ کو بھی ملتا ہے لیکن اگر بچے میں بری عادتیں پیدا کی جائیں جانوروں کی طرح بے قید چھوڑ دیا جائے تو بچہ بد اخلاق ہو کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور پھر اس کا وبال والدین کو بھی پہنچتا ہے۔

عورت جس طرح اپنے گھر کے صحن میں کھلے ہوئے پودے پر توجہ دیتی ہے، اللہ کرے اُس سے کہیں زیادہ اپنی گود میں کھلے ہوئے پودے پر توجہ دینے والی بن جائے تا کہ اس کی اچھی نشو نما ہو جائے۔ اس کے ارد گرد باڑ بھی لگا رہی ہو اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے رو رو کے مانگ بھی رہی ہو۔ اس لیے کہ جب تک آنسوؤں کا پانی نہیں لگائے گی اور آنسو بھی وہ جو تہجد کے وقت میں اُٹھ کر بہائے جائیں جس سے بچے کے تقوے اور ایمان کی کھیتی سیراب ہو جائے، اُس وقت تک بات نہیں بنے گی۔ چونکہ آپ نے پودے کا بیج تو

ڈال دیا لیکن اگر پانی نہیں لگایا تو خطرہ ہے کہ نہ جانے کب یہ پودا خشک ہو کر گل سڑ جائے، اس لیے باڑ لگانا بھی ضروری ہے اور پانی بھی۔ اسی طرح آسمانی وحی کا روحانی پانی (تعلیم کے حلقے)، یہ بھی ہر گھر کی ضرورت ہے۔

حضور ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے "اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتك قبل ان تکون الدموع دما والا ضراس جمرا"۔ اے اللہ جل شانہ! مجھے ایسی دو برسنے والی آنکھیں عطا فرما جو برس برس کے دل کی بنجر کھیتی کو سیراب کر جائیں، تو یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت ہے۔ بچہ اگر تباہ و برباد ہو گیا، بداخلاق بن گیا تو اُسکا گناہ اُس کے والد اور والدہ دونوں کو ہوگا۔ اللہ جل شانہ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم "یآ ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا"۔ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ ماں باپ جس طرح اپنی اولاد کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں، اُس سے کہیں زیادہ آخرت کی آگ سے بچانے کی فکر کرنی ہے۔ دنیا میں جیسے اُن کو جھلنے سے بچاتے ہیں، آخرت کے جھلنے سے تو زیادہ بچانے کی ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اُنہیں آداب سکھائے جائیں، تہذیب سکھائی جائے، اچھے اخلاق کی تعلیم دی جائے اور برے ہمنشینوں اور ساتھیوں سے اُن کو دور رکھا جائے۔

امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ان اللہ لا یحب الفاحش المتفحش ولا الصیاح فی الا سواق او کما قال علیه الصلوة والسلام۔ اللہ جل شانہ بے حیا، بے ہودہ گو اور بازاروں میں چیخنے چلانے اور شور مچانے والے آدمی کو پسند نہیں فرماتے۔ اب جن حضرات کے بچے رات کے دو دو بجے تک سینماؤں، بے ہودہ

تماشہ گاہوں اور نہ جانے کیسے کیسے برے ماحولوں میں دوستوں کے ساتھ پھر پھر کر واپس گھروں کو لوٹتے ہیں، بازاروں میں شور وشغب کرتے ہیں، جنہیں گفتگو کی تمیز نہیں ہے، بات کرنے کا سلیقہ نہیں اور اُن کے ماں باپ کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہیں، انہیں اس حدیثِ پاک میں غور کرکے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بچوں کے جیب بھی دیکھتے رہنا چاہیے۔ مدارسِ دینیہ میں تو اس کی ترتیب ہوتی ہے کہ کبھی کبھی بغیر اطلاع کے اچانک جیب دیکھ لیتے ہیں، اُن کے صندوق دیکھ لیتے ہیں اور یہ اُن پر ظلم نہیں ہے بلکہ کمالِ شفقت ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک ایسا ہسپتال ہے جس میں جب دل چاہے مریض کو لے آئیں اور جب چاہے لے جائیں، نہ لانے کے لیے کوئی پابندی، نہ لے جانے کے لیے اور اُس ہسپتال میں کوئی معالج بھی نہیں ہے۔

آپ اپنے مریضوں کو جو مرضی کھلائیں اور جو مرضی پلائیں، کیا خیال ہے سب اپنے مریضوں کو ایسے ہسپتال میں داخل کریں گے یا وہاں داخل کریں گے کہ جہاں داخلے کی بھی اک ترتیب ہے اور پھر نگرانی کے لیے ڈاکٹر اور اُس کے ماتحت موجود ہیں جن کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، جہاں غذا بھی ڈاکٹر کی رائے کے مطابق دی جاتی ہے اور اسی طرح ہر چیز پر نظر رکھی جاتی ہے تو کیا خیال ہے سب کی یہ چاہت ہوگی یا نہیں ہوگی کہ اپنے مریضوں کو وہاں داخل کرائیں اور اس کو سختی کہا جائے گا یا پابندی؟ پابندی کہیں گے، اس لیے کہ یہاں ماحول بہت عمدہ ہے کہ ہر چیز کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح مدارسِ دینیہ میں اور بالخصوص رائے ونڈ اور اُس کی شاخوں میں تو خط بھی پڑھے جاتے ہیں، خط براہِ راست طالبِ علم کو نہیں ملتا بلکہ اساتذہ کرام مشورے میں وہ خط پڑھتے ہیں، اُس کے بعد اگر دینے کے قابل ہو تو طالبِ علم کو دے دیتے ہیں ورنہ نہیں دیتے۔

ایک اصول یہ بھی ہے کہ کوئی سرپرست، والد ہو یا چچا یا کوئی اور عزیز، وہ براہِ راست کسی طالبِ علم کو گھر کی کوئی خبر نہیں پہنچائے گا کیونکہ اس سے بڑا نقصان ہو جاتا ہے کہ وہ اُس طالبِ علم کی یکسوئی کو متاثر کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ جس طرح ہسپتال میں کوئی چیز براہِ راست لا کر مریض کو نہیں دے سکتے بلکہ پہلے ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں، اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو کھلائیں گے ورنہ نہیں، اسی طرح آپ اپنی بات اساتذہ کرام تک پہنچا دیں، پھر اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو طالبِ علم کو بتا دیں گے اور بچے کو ٹیلیفون پر بھی کسی بات کی اطلاع نہ دیں کیونکہ اس سے بچے کا ذہن خراب ہو جائے گا اور اُس کی صلاحیتیں متاثر ہوں گی۔ اس لیے ہم اس بات کی ضرور نیت کرلیں کہ براہِ راست کوئی خبر طالبِ علم تک نہیں پہنچائیں گے کیونکہ اس سے نقصان ہوتا ہے۔

دیکھیے! ماں باپ اصل ہیں، اساتذہ کرام تو معاون ہوتے ہیں۔ اصل تو آپ حضرات ہیں، اس لیے جتنا آپ حضرات اساتذہ کرام سے تعاون کریں گے، اتنا زیادہ اللہ جل شانہ کی رحمتیں متوجہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک طالبِ علم کو اپنے وقت کا امامِ ابوحنیفہؒ بنائے، امام مالکؒ بنائے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بنائے لیکن یہ کب ہوگا کہ جب پہلے ہم اُن کے والد کی طرح بنیں گے۔ جو ماں یہ چاہتی ہو کہ میرا بیٹا امام شافعیؒ کی طرح بن جائے تو اُسے چاہیے کہ پہلے خود اُن کی والدہ کی طرح بن کر دکھائے۔ جو یہ چاہتی ہو کہ میرا بیٹا حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ بنے تو اللہ کی قسم! اُس ماں کو پہلے اُن کی والدہ جیسا بننا ہوگا اور اُس کے والد کو اُن کے والد جیسا بننا ہوگا۔ آپ ذرا ہمت تو کریں، پھر دیکھیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہوتی ہیں۔ ماں باپ کو اساتذہ کرام کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہیے۔

اچھا! ایک آدمی مریض ہو اور ہسپتال میں داخل ہو لیکن وہ شادی میں بھی جا رہا ہو، کوئی فوت ہو گیا تو وہ جنازے میں بھی جا رہا ہو اور اسی طرح کسی بیمار کی عیادت کے لیے بھی جا رہا ہو تو خدارا بھئی! مریض کو تو کوئی شادی میں نہیں لے کر جاتا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ شادی ہو جائے گی، وہ بیچارہ تو خود بیمار ہے اور ہسپتال میں داخل ہے، اُس کو تو وہیں رہنے دیا جائے کہ اِس حالت میں آنے جانے سے اُسکی صحت متاثر ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی نیت کریں کہ انشاء اللہ! ہم ہر خوشی، غمی میں ان کو (طلباء کرام) پریشان نہیں کریں گے اور آپ کی تو سب سے بڑی خوشی ہی یہ ہے کہ رب آپ سے خوش ہیں اور آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ ایک دن کے ناغہ سے چالیس دن کی نحوست پڑتی ہے اور سبق کا نقصان الگ ہوتا ہے۔

ماں باپ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مدارس بدلنے کا جذبہ نہ رکھیں۔ جو پودے جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ میں لگ گئے، اب ہر ماں باپ کی تمنا یہی ہونی چاہیے کہ یہ یہیں ہرے بھرے ہو کر آگے بڑھیں۔ یہ جو تم حبرا کی بیماری لگ جاتی ہے کہ آج یہاں ہیں تو کل وہاں، یہ نقصان کی بات ہے۔ دیکھئے! جس پودے کو بار بار اُکھیڑا جائے، اُس کی جڑیں پھر سوکھ جاتی ہیں اور اُسکی صحیح نشو نما نہیں ہو پاتی۔ اسی طرح جس اینٹ کو گرم بھٹی کے جھونکوں کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوائیں بھی لگتی رہیں تو وہ کچی ہی رہتی ہے پک نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بچوں کو پکے ایمان و یقین والا بنائے، اُس کے لیے اُکھیڑنا مناسب نہیں ہے اور ذائقے بدلنا اچھی بات نہیں ہے بلکہ

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ہم نے تو حوالے کر دیا، بس اب ہمارے ذمہ دُعا ہے اور اپنی زندگی کو صحیح ترتیب پر لانا اور اساتذہ کرام کے ساتھ تعاون ہے ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ سے رورو کے مانگنا ہے اور اپنے اندر صفات کو پیدا کرنا ہے۔ تو سب نیت فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ! ذا لکتے نہیں بدلیں گے۔ ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ مدارس میں کوئی فرق نہیں ہوتا، اللہ کی قسم! یہ سارے مدارس صفہ کی شاخیں ہیں۔ جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن ہو یا جامعہ فاروقیہ کراچی ہو یا دارالعلوم کراچی ہو، اسی طرح جامعہ خیر المدارس ملتان ہو یا جامعہ اشرفیہ لاہور ہو یا یہ مدرسہ جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ ہو، یہ سب مدارس صفہ کی شاخیں ہیں اور ان میں پڑھانے والے سب اساتذہ کرام اُن ہی نسبتوں کے حامل ہیں۔

جو مریض کو اپنی رائے کے موافق چلاتا ہے کہ کبھی ایک ڈاکٹر کو نبض دکھا رہا ہے تو کبھی دوسرے کو، کبھی کہتا ہے کہ چھوڑ دو جی! ایک سال دوائی استعمال کر کے دیکھ لیا ہے، کوئی فائدہ نہیں ہوا، چلو رہنے دو اب دوسرے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔ جب اس طرح کی کیفیت ہوگی تو پھر مرض جائے نہ جائے مریض چلا جائے گا۔ اس لیے ان بچوں پر ظلم نہ کیا جائے بلکہ یہ اگر دائیں بائیں جانے کا کہیں بھی تو فوراً ترغیب دے کر ان کو سمجھایا جائے کہ کبھی اس کا خیال بھی دل میں نہ لائیں اور میں آپ کو سناؤں! سبحان اللہ

ہمارے حضرت حکیم الامت مجددِ ملت حضرتِ تھانویؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کے پاس پڑھتے تھے۔ حضرت کے علاوہ اور بھی طلباء کرام پڑھتے تھے۔ جب امام ربانی قطبِ عالم حضرتِ گنگوہیؒ کے ہاں حدیثِ پاک کا سلسلہ شروع ہوا تو طلباء کرام کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اُنکے پاس جا کر پڑھیں۔ حضرتِ تھانویؒ نے اُن سے کہا کہ نہیں! اُستاد صاحب کا دل دکھ جائے گا۔ اُنہوں نے کہا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہاں پڑھائی

بھی اہتمام سے نہیں ہو پاتی اور پھر حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کے اسفار بھی ہوتے ہیں، مریدین کا آنا جانا بھی زیادہ ہوتا ہے، وہاں حضرتِ گنگوہیؒ کے ہاں جائیں گے تو سند بھی عالی ہو جائے گی، نسبت بھی کامل ہو جائے گی اور فائدہ بھی زیادہ ہوگا۔ حضرتِ تھانویؒ نے فرمایا! مجھے اور کچھ نہیں پتہ، مجھے تو صرف ایک بات کا پتہ ہے کہ اگر اُستاد صاحب کا دل دکھ گیا تو کسی کام کے نہیں رہیں گے، لیکن باقی سب تو چلے گئے اور صرف حضرتِ تھانویؒ وہاں موجود رہے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ خود فیصلہ کیجیے کہ باقی جتنے بھی تھے، کتابوں میں تلاش کر کر کے بھی اُن کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے لیکن کیا خیال ہے حضرتِ تھانویؒ کے بارے میں کہ اُن کو سارا عالم جانتا ہے یا نہیں؟ کہاں سے کہاں اُن کے علوم پھیلے اور اُن کا فیض کہاں سے کہاں پہنچا اور یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ اُنہوں نے اپنے اُستاد کے دل کو خوش رکھا۔ اس لیے اساتذہ کرام کا ادب واحترام انتہائی ضروری ہے اور ابتدائی اساتذہ سے تو زیادہ تعلق رکھنے کی ضرورت ہے، جنہوں نے قاعدہ پڑھایا، جنہوں نے ناظرہ پڑھایا اور جنہوں نے حفظ کرایا، سب سے بڑے محسن تو وہ ہیں۔

ہزارہ کی بات ہے، ایبٹ آباد سے آگے مانسہرہ کی طرف ایک علاقہ ہے جس سے ابھی تک مجھے مناسبت نہیں لیکن کتابوں میں پڑھا کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ جب بھی اُس طرف آتے جاتے تھے تو اُس علاقے میں پہنچ کر جوتے اُتار دیتے تھے اور پھر پیدل چل کر پہاڑ پر چڑھتے اور فرماتے تھے کہ میں کشمیر سے دارالعلوم جاتے ہوئے کچھ راتیں یہاں ٹھہرا تھا اور یہاں میں نے ایک قاری صاحب سے تجوید پڑھی تھی، وہ میرے اُستادِ محترم ہیں۔ اُن کے ادب کی وجہ سے جوتے اُتار کر اور پیدل چل کر اُوپر جاتا ہوں کہ اُن کا

حق میرے اُوپر بہت زیادہ ہے اور آج اگر انور شاہ، انور شاہ ہے تو اُس میں میرے اُن اُستادِ محترم کا بھی حصہ ہے۔ تو جتنی قدر و منزلت بڑھتی چلی جاتی ہے، اتنا ہی فیض بڑھتا چلا جاتا ہے۔

مجھے اپنے اُستادِ محترم حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو جامعہ خیر المدارس ملتان کے بڑے اساتذہ کرام میں سے ہیں، اُن کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بچپن میں جب ہم چکیرا سرگودھا میں پڑھتے تھے تو ایک مرتبہ ہمارے ہاں ایک سفید ریش نورانی چہرے والے بزرگ تشریف لائے۔ عصر کے بعد کا وقت تھا، ہم کھیل میں مصروف تھے۔ اُنہیں دیکھ کر ہم سب کھیل چھوڑ کر اُن کے قریب ہو گئے۔ اُنہوں نے ہمارے اُستادِ محترم کا پوچھا، ہم نے عرض کیا کہ وہ گھر تشریف لے گئے ہیں تو وہ چارپائی پر بیٹھ گئے۔ ہم بھی اُن کے پاس دائیں بائیں اکٹھے ہو گئے، پھر پتہ چلا کہ یہ تو فاضلِ دیوبند ہیں اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد ہیں۔

ہم نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ذرا اپنے اساتذہ کرام کا تذکرہ تو کیجیے، تو اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کافی دیر روتے رہے۔ پھر ہم سے وضو کے لیے پانی مانگا، ہم نے پانی پیش کیا، اُنہوں نے وضو فرمایا اور پھر دو زانو زمین پر بیٹھ گئے، پھر فرمانے لگے کہ آپ نے جس وقت میرے اساتذہِ کرام کے بارے میں پوچھا تو میرا وضو نہیں تھا اور اللہ کی قسم! جب سے اپنے اساتذہِ کرام سے نسبت ہوئی ہے، میں نے آج تک کسی ایک اُستاد کا نام بھی بغیر وضو کے نہیں لیا۔ اُس کے بعد پھر ادب سے اپنے اساتذہِ کرام کا تذکرہ فرمایا۔ تو دیکھئے ادب انسان کو کہاں سے کہاں پہنچاتا ہے۔ شیطان کو باقی نسبتیں تو حاصل تھیں لیکن ادب سے محروم تھا، اُس کی بے ادبی اُسے لے ڈوبی اور اُس کے علاوہ بھی کتنے ایسے ہیں جو بہت

بڑی بڑی نسبتوں والے تھے لیکن بے ادبی کی وجہ سے کوئی عیسائی بن گیا، کوئی یہودی بن گیا۔ چونکہ اُن کی طبیعت میں بے ادبی تھی اور اپنے اساتذہ کا ادب نہیں تھا جس کی وجہ سے اسلام وایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سوءِ خاتمہ سے محفوظ فرمائے۔

اللہ کی قسم! ادب ہی انسان کو اُوپر اڑاتا ہے۔ مثال کے طور پر بہت صحت مند پرندہ ہے اور بڑا طاقتور ہے لیکن اُس بیچارے کا پَر ٹوٹا ہوا ہے تو کیا خیال ہے، پرواز کر سکے گا؟ پرواز تو کیا کرے گا، وہ دشمن سے اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکے گا اور ضرور کسی شکاری کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ ایسے ہی کسی آدمی میں بڑی صلاحیتیں ہیں اور وہ بڑا ذہین وفطین ہے اور اُس کا بہت زیادہ نالج (Knowledge) ہے لیکن عمل نہیں ہے تو اُس کے بارے میں ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ ایسا نالج جس پر عمل نہ ہو، وہ سبب فالج ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے فالج سے ہماری حفاظت فرمائے۔

ہمارے ہاں مظفر آباد میں بھی ایک پروفیسر صاحب آتے ہیں۔ سَر کو مونڈنا تو ثابت ہے لیکن سَر کو تو کیا گنجا کرنا، اُنہوں نے تو منہ کو بھی گنجا کیا ہوا، بالکل ہی دُھلے دھلائے ہوئے اور تھری پیس (Three Piece) پہنے ہوئے، گلے میں اللہ کے عذاب کا کوڑا لٹکائے ہوئے اور مسجد میں نہیں جاتے بلکہ ہوٹلوں میں اور ایک ایک لیکچر (Lecture) کا ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ تو زلزلے سے پہلے لیتے تھے اور سارے راشی، سارے سود خور، سارے اس طرح کے وزراء اور لیڈر اُن کے پیچھے پیچھے ہوتے اور کہتے کہ جی! اِن کا نالج بہت ہے۔ اچھا! سیرت پر بات کرتے ہیں اور دیگر علوم پر بھی لیکن نماز نہیں پڑھتے اور اُن کو سننے والوں کا بھی کہنا تھا کہ جب سے اُن کو سُنا ہے، ہمیں بھی خیال آیا کہ نماز کا کیا فائدہ اور جب یہ نہیں پڑھتے تو ہمیں کیا ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

نالج تو مستشرقین کے پاس بھی بہت ہے، قرآنِ پاک اور حدیثِ پاک پر کتنی زیادہ محنت وہ کررہے ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ نے کراچی اجتماع میں علمائے کرام کے مجمع میں ایک واقعہ سنایا تھا، فرمانے لگے کہ ہندوستان میں تقسیم سے پہلے ایک ہندو لڑکا تھا جس کی عمر سولہ سال تھی۔ وہ قرآن کا حافظ تھا اور مقابلے کے لیے اعلان کرتا تھا کہ کوئی ہے مسلمانوں میں جو میرے مقابلے میں قرآنِ پاک سنائے۔ وحی کا نور تو اُسے بھی حاصل تھا لیکن ایمان کے نور سے محروم تھا۔ حضرت نے فرمایا جیسے ایک سورج کا نور ہے اور ایک آنکھوں کا نور ہے۔ اگر آنکھوں کا نور ہوگا تو سورج کا نور بھی نظر آئے گا لیکن اگر آنکھوں کا نور نہیں ہوگا تو پھر کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر تو یہ نابینا ہے بے چارہ۔ باہر سورج پوری آب وتاب سے روشن ہے لیکن اس کی اپنی بینائی نہیں ہے، اس لیے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا یا اپنی بینائی تو ہے لیکن باہر اندھیرا ہے، باہر روشنی نہیں ہے، تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ باہر اور اندر کی روشنی جب ملے گی تو پھر فائدہ ہوگا۔

ایسے ہی اُس ہندو لڑکے کے پاس وحیِ الٰہی کی روشنی تو تھی لیکن اندر ایمان کی روشنی نہیں تھی۔ اُدھر قرآن پاک کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا لیکن بے چارہ خود دل کا اندھا تھا، اس لیے اُسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اسی طرح اگر ایمان کا نور ہو لیکن وحیِ الٰہی کا نور نہ ہو تو پھر بھی آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور راستے سے بھٹک جاتا ہے، کچھ پتہ نہیں ہوتا اُس کو مسائل سے مناسبت نہیں ہوتی اور بے چارہ فرائض کو ترک کر رہا ہوتا ہے اور مستحبات میں لگا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک صاحب تھے، اُنہوں نے دوپہر کے وقت چمڑے کا دستر خوان بچھایا اور اُس پر جو کی روٹی اور اور کدو کا سالن رکھا، پھر سب بچوں کو بٹھایا، سب کے ہاتھ دھلوائے اور

اُس کے بعد ایک ہی برتن میں بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ پڑھ کر کھانا کھانے لگے۔ آپ بتائیے؟ اس بات کو سب اچھے انداز سے دیکھیں گے یا نہیں؟ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ دوپہر کا وقت ہے اور رمضان شریف کا مہینہ ہے اور ماشاء اللہ یہ گھر میں بیٹھ کر اس عمل کو کر رہے ہیں یہ عبادت بنے گی یا معصیت بنے گی؟ معصیت بنے گی، اس لیے کہ عمل کا جذبہ تو ہے لیکن وحی الٰہی کا نور نہیں ہے، جو جی میں آرہا ہے وہ کر رہا ہے اور طبیعت میں جو بات آرہی ہے اُسی پر عمل ہو رہا ہے تو ایسا آدمی اُس نور کے اندر بھی اپنی طبیعت پر چلے گا، شریعت پر نہیں چل سکے گا۔ اس لیے دونوں نور ہونے ضروری ہیں، دونوں ہوں گے تو بات بنے گی، اسکو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہم سب کو قبول فرمائے۔

معلومات کا مسئلہ نہیں ہے، معلومات تو یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی ہیں اور ہمارے عام لوگوں سے زیادہ وہ قرآنِ پاک اور حدیث پاک کو جانتے ہیں لیکن اُن کی معلومات صرف شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ اسی طرح آج کل اکثر جو لوگ ٹی وی پر سامنے لائے جا رہے ہیں وہ بھی اسی طرح کے نمونے ہیں کہ بظاہر تو اسلام کے لیکچر (Lecture) دے رہے ہیں لیکن سر ننگا ہے اور گلے میں اللہ کے عذاب کا پھندا ہے پینٹ شرٹ پہنی ہوئی ہے۔ واہ جی دیکھئے! سارے مذاہب پر بول رہے ہیں اور عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف بول رہے ہیں اور مقابلہ کر رہے ہیں۔ باطل نے چن چن کر ایسے نمونے مسلمانوں کے سامنے لائے ہیں کیونکہ اگر باطل کا کوئی آدمی آئے گا تو اُس کی بات کوئی قبول نہیں کرے گا، اس لیے ایسا ہو کہ بات تو دین کی کرے لیکن زندگی غیروں کے طریقے پر ہو تا کہ سننے والے دو راہے اختیار کر لیں۔

ایک یہ کہ عمل کی کوئی ضرورت نہیں اور دوسرا، ظاہر کے بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ظاہر کے بنانے کی ضرورت ہوتی تو اتنے بڑے ڈاکٹر، اتنے بڑے فلاسفر اور اتنے بڑے سکالر تو ٹائی اور پینٹ شرٹ نہ پہنتے، تو جان بوجھ کر اس قسم کی منحوس صورتیں سامنے لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ عالم آن لائن، اسلام کے بارے میں آپ نے پوچھنا ہے تو ان سے پوچھیے، آپ ان سے پوچھیں گے اور خود آپ کو کچھ بھی پتہ نہیں ہے یعنی باقی چیزوں کی تو تحقیق کرتے ہیں لیکن دین کے بارے میں ہم کوئی تحقیق نہیں کرتے کہ کس سے پوچھنا چاہیے۔

دوائی لینی ہو تو خوب چھان پھٹک کے ہم معالج کو تلاش کرتے ہیں، وکیل پکڑنا ہو تو چھان پھٹک کے لیکن دین کا مسئلہ پوچھنا ہے تو جس سے مرضی پوچھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس ذہنی پستی اور افلاس کو دور فرمائے تو میں عرض کر رہا تھا کہ چُن چُن کر ایسے لوگ لائے جارہے ہیں، معلومات کی کمی نہیں ہے، مطالعہ کی کمی نہیں ہے اور کتابوں کی کمی نہیں، اصل کمی کسی اور چیز کی ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''من ازداد علما ولم یزدد فیہ ھدی لم یزدد من اللہ الا بعدا'' او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام۔ جس کی معلومات بڑھتی جائیں اور معمولات نہ بڑھیں یعنی عمل نہ بڑھے تو جتنی معلومات بڑھتی جائیں گی اتنا اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ اس لیے کہ علم عمل کا امام ہے، علم امام ہے اور عمل مقتدی ہے۔

اگر عمل آجائے تو پھر تو جماعت ہو جاتی ہے اور اگر عمل نہ آئے یعنی مقتدی نہ ہو تو پھر امام بھی نہیں رہتا۔ اس لیے عمل آ گیا تو علم بھی باقی ہے اور اگر عمل نہیں آیا تو علم بھی روٹھ کے چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی سمجھ عطا فرمائے۔ یہ جو کچھ الفاظ ہیں، یہ علم نہیں ہے بلکہ علم وہ

ہے جسکا معلوم اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اور علم وہ ہے جس کے آتے ہی رب کی پہچان پیدا ہوتی ہے۔ اگر صرف الفاظ ہیں اور عمل نہیں ہے تو یہ علم نہیں ہے بلکہ اُسکے الفاظ ہیں، جیسے روٹی کے لفظ سے پیٹ نہیں بھرے گا، پانی کے الفاظ سے پیاس نہیں بجھے گی اور مکان کے لفظ سے مکان کی حقیقت نہیں ملے گی، اسی طرح فقط الفاظ سے وہ برکتیں نہیں ملیں گی، اللہ تعالیٰ اس دھوکے سے بھی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آج ہم سب اس بات کی نیت کر لیتے ہیں کہ اپنے اپنے مدارس کا بھی خیال رکھیں گے انشاءاللہ

اگر مدرسے ٹھیک ہو گئے تو شاخیں ٹھیک ہو جائیں گی، پھر ان مراکز میں برکتوں والے لوگ آئیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اسکے لیے ہمت اور کوشش کر کے فضا بنانی ہوگی، ہر گھر میں فضائلِ اعمال کی تعلیم کا اہتمام ہو، اپنے دودھ پیتے بچوں کو گود میں بٹھا کر تعلیم کے حلقے میں شریک کرنا ہے، ہر گھر میں یہ فضا بنانے کی ضرورت ہے۔ اگر واپڈا والوں سے کنکشن مل گیا لیکن گھر میں آپ نے وائرنگ نہیں کرائی تو کیا خیال ہے روشنی آجائے گی گھر میں؟ یہ واپڈا والوں کا قصور ہے یا اپنا قصور ہے؟ ہمارا اپنا قصور ہے کہ ہم نے خود وائرنگ نہیں کرائی، ایسے ہی کلمہ ہم نے پڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا کنکشن تو مل گیا لیکن اگر گھر گھر محنت نہیں ہے، تعلیم کا حلقہ نہیں ہے اور ہدایت کی وائرنگ نہیں کی تو روشنی کیسے آئے گی؟ اسکا ضرور ہم نے خیال رکھنا ہے۔

اپنی مستورات کے اوقات اللہ کے راستے میں ضرور لگوائیں۔ ایک سہ روزہ لگ جائے تو پھر تین سہ روزے، پھر 15 دن، 15 دن لگ جائیں تو پھر چلہ، وہ بھی ہو جائے تو ساڑھے چار ماہ کے لیے جائیں۔ ہم خود بھی اپنی پرواز کو ذرا اُونچا کریں اور سب میں سے نکل کر رب کی طرف بڑھنے والے بنیں۔ مخلوق سے ہونے کا جو جذبہ پیدا ہو گیا ہے،

یہ بھول جائے اور خالق سے ہونے کا جذبہ پیدا ہو جائے اور اگر یہ یہاں نہ سیکھا تو کل کو جب قبر میں امتحان ہوگا، وہاں اگر لا ادری لا ادری کہا تو پھر بہت مار پڑے گی۔ اس لیے یہاں محنت کرنی ہے، یہاں رب سے ہونے کو سیکھنا، رب سے تعلق قائم کرنا ہے، اُسکے لیے مہینے میں ۳ دن تو کم از کم ضرور لگائے جائیں اور جن کے ۳ چلے ابھی تک نہیں لگ سکے وہ تو جلد ہی اسکی ترتیب بنائیں اور جن کے لگ چکے ہیں وہ سال رسات مہینے کی نیت فرمائیں، ہمارے حضرات علمائے کرام اور اکابر تشریف فرما ہیں، اللہ اُمت کے سروں پر انکے سائے سلامت رکھے۔

ان حضرات میں سے جنکے سال لگ گئے وہ آگے سال رسات مہینے کی نیت فرمائیں اور جن کے سال نہیں لگے وہ تو اب اسکی ضرور ترتیب بنالیں۔ ہمارے حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ دارالعلوم دیوبند میں فرماتے تھے کہ اے طلباء کرام! آپ نے دورہ حدیث شریف کرلیا ہے، اسکی تحصیل یہاں ہوئی ہے لیکن اسکی تکمیل شیرانوالہ میں حضرت لاہوریؒ کے قدموں میں جا کے ہوگی اور جب حضرت لاہوری کے قدموں میں پہنچتے تھے اور وہاں دورہ تفسیر کرتے اور دوران قیام اُنکی خوب تربیت ہوتی تھی تو حضرت لاہوریؒ فرماتے کہ اے علمائے کرام! یہاں آپکے دورہ تفسیر کی تحصیل ہوئی ہے لیکن اسکی تکمیل جا کے تبلیغ میں ہو گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قدردانی کی اور آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مجھے حضرت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ یاد آگئے جو حضرت تھانویؒ کے آخری اور بڑے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت کے ایک مرید ہیں جدہ میں، حاجی یعقوب صاحب یا حاجی ضیاء الحسن صاحب۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جدہ کے مطار (ایئر پورٹ) سے حضرت کو ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں مجھے

ایک اشکال پیدا ہونے لگا کہ یہ جو تبلیغ میں جانا ہوتا ہے اور اللہ والوں سے ملنا ہوتا ہے، اس میں عام لوگوں کو تو جانا چاہیے لیکن علمائے کرام کو اس میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو خود دوسروں کو دین پہنچاتے ہیں اور دین پھیلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ اشکال مجھے ہو رہا تھا اور حضرت ساتھ تشریف فرما تھے اور اپنے معمولات فرما رہے تھے۔ ایک بڑے پٹرول پمپ پر پہنچ کر ہم بھی پٹرول ڈلوانے کے لیے رُکے جہاں بڑے بڑے آئل ٹینکر پہلے سے لائن میں لگے ہوئے تھے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ حاجی صاحب! یہ بتائیے کہ ہم تو یہاں آئے ہیں پٹرول ڈلوانے کے لیے لیکن یہ ٹینکر یہاں کیوں آگئے جن کے اوپر اتنی بڑی بڑی ڈیزل اور پٹرول کی ٹینکیاں موجود ہیں، یہ تو خود دوسروں کو پٹرول تقسیم کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! ان کو بھی یہاں آنا پڑتا ہے، اس لیے کہ ان کے اُوپر تو ٹینکیاں موجود ہیں جن سے دوسروں کو پہنچاتے ہیں لیکن ان کی اپنی ٹینکی میں ہوگا تو دوسروں کو بھی پہنچا سکیں گے، اس لیے یہاں آئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بالکل اسی طرح! یہ علمائے کرام دوسروں تک تو سب کچھ پہنچائیں گے لیکن اس کے لیے اُنہیں جس چیز کی ضرورت ہے، اُسکے حصول کے لیے اِن کو بھی یہاں آنا پڑتا ہے۔

علمائے کرام کے لیے تو تین سال ہیں لیکن ہمارے حضرتِ اقدس حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحبؒ دامت برکاتہم العالیہ نے آسانی پیدا فرمادی ہے، فرمایا کہ تین سال تو ہیں علمائے کرام کے لیے لیکن اکٹھے نہیں ہیں۔ ایک سال پاکستان میں لگانے کے بعد پھر دو سال کا وقفہ ہے، پھر ایک سال عربستان اور دو سال کے وقفہ کے بعد اگلا سال کفرستان۔ اس طرح وقفے وقفے سے علمائے کرام کے تین سال لگیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی

توفیق عطا فرمائے۔ طلباء کرام تو ماشاء اللہ شعبان/رمضان کی تشکیلوں میں دور سے دور کے لیے نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ تعلیم کا مرکز بھی ہے اور دعوت کا مرکز بھی ہے۔

ہمارے حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ تعلیم اور تبلیغ دونوں کو ساتھ لے کر چلنا اقرب الی السنة ہے۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام تبلیغ فرماتے تھے اور جو ہدایت پر آتے تھے، اُنکو پھر دار ارقم میں تعلیم فرماتے تھے۔ عصر سے مغرب تک گشتوں میں جانا، جمعرات کے دن 24 گھنٹے کی جماعت بنا کر، سہ ماہی رششماہی میں 3 دن کے لیے اور شعبان/رمضان کی چھٹیوں میں ملک کے کناروں تک پہنچنا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی بھی توفیق عطا فرمائے۔ شب جمعہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، عصر سے اشراق تک اپنے کھانے بستر کے ساتھ اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

بیان قُبا مسجد نواں شہر، دستار بندی (26 اگست 2006ء)

الحمد لله الحمد لله صاحب الجلالة والصلوة والسلام على نبيه صاحب الرسالة اللهم صل على محمد و اله بقدر حسنه وكماله، اما بعد

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ " ان هذه القلوب تصدء كما يصدء الحديد اذ اصابه المآء قيل يا رسول الله وما جلائها ؟ قال كثرة ذكر الموت وتلاوت القرآن "(رواه البيهقی)

عن معاذان لجهنیؓ قال قال رسول الله ﷺ " من قرء القرآن وعمل بما فيه البس والداه تاجايوم القيمة ضوئه احسن من ضوء الشمس فی بيوت الدنيا لو كانت فيكم ، فما ظنكم بالذی عمل بهذا "

(رواه احمد وابو داؤد وصححه الحاكم)

وعن ابی امامةؓ قال سمعت النبی ﷺ يقول " اقرؤا القرآن فانه ياتی يوم القيمة شفيعالاصحابه اقرؤا الزهراوين البقرة وسورة ال عمران فانهما تأتيان يوم القيمة كانهما غمامتان او غيابتان او فرقان من طير صوآف تحآجآن عن اصحابهما، اقرءوا سورة البقرة فان اخذها بركة وتركها حسرة ولا يستطيعها البطلة " (رواه مسلم)

وعن النواس بن سمعانؓ قال سمعت النبی ﷺ يقول " يؤتیٰ بالقرآن يوم القيمة و اهله الذين كانوا يعملون به تقدمه سورة البقرة وال عمران كانهما غمامتان او ظلتان سودا وان بينهما شرق او كانهما فرقان من

طیر صوآف تحآجان عن صاحبھما "(رواہ مسلم)

او کما قال علیه الصلوٰۃ والسلام

حضرتِ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کے دلوں پر اس طرح سے زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ یارسول اللہ! دلوں کے زنگ کو دور کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ ظاہری جو زنگ ہوتا ہے، وہ اُس چیز کو کھا جاتا ہے جیسے لوہے کا زنگ لوہے کو کھا جاتا ہے، ظاہری زنگ تو سامان کو کھاتا ہے اور دلوں کا زنگ ایمان کو کھا جاتا ہے، یہ زنگ خطرناک ہے۔ یہ اللہ کی محبت کو کھا جاتا ہے اور اللہ سے تعلق کو ختم کر دیتا ہے، کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اس لیے کثرت سے موت کی یاد اور تلاوتِ قرآن پاک دونوں ایسی چیزیں ہیں جو دلوں کے زنگ کو اُتارنے کا ذریعہ ہیں۔

حدیثِ بالا کی روشنی میں اب ہم خود ہی سوچ لیں کہ جو قرآنِ پاک کی تلاوت نہیں کرتا اُس کا دل کتنا زنگ آلود ہے۔ جو موت کو نہیں یاد کرتا، اُس کے دل کو کتنا زنگ لگ چکا ہے اور لوہے کا زنگ تو نظر آتا ہے لیکن دل کا زنگ نظر نہیں آتا۔ وجہ اُس کی کیا ہے کہ ہماری جو دو آنکھیں ہیں ہم نے اُن کا استعمال غلط کر لیا۔ ایک آنکھ تھی دوسروں کی خوبیاں دیکھنے کے لیے، دوسری آنکھ تھی اپنی خامیاں دیکھنے کے لیے۔ ہم نے ایک آنکھ کو دوسروں کی خامیاں دیکھنے کے لیے رکھ لیا اور دوسری اپنی خوبیاں دیکھنے کے لیے تو زنگ نظر ہی نہیں آتا۔ ہم تو اپنی ہی خوبیاں دیکھتے ہیں اور جو اپنی نگاہ میں اپنے کو اچھا سمجھتا ہے، وہ تو پھر سبھی کو برا سمجھے

گا اور جو اپنے کو اچھا سمجھے گا، اُس کو تو علاج کی فکر ہی نہیں ہوگی حالانکہ سب سے زیادہ خطرہ اپنے نفس سے ہے، یہ بڑا سرکش ہے۔

حضرت مولانا رومؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی گھوڑے سے بڑا تنگ تھا، گھوڑا اُس کا بڑا سرکش تھا اور بالکل نہیں مانتا تھا۔ وہ آدمی اتنا تنگ آیا کہ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اونے پونے داموں ہی اس کو فروخت کر دیتا ہوں، چنانچہ منڈی میں لے گیا اور بیچنے والے سے اُس نے بات کی۔ اُس نے کہا کہ بھئی یہ گھوڑا ہے، بڑا سرکش اور شریر ہے، میں اس سے بہت تنگ آچکا ہوں، بس اس کو جیسے کیسے ہو فروخت کر دو تا کہ میری جان چھوٹے۔ اب ظاہر ہے اُس نے خریدنے والوں کو یہ تو نہیں بتانا تھا کہ یہ سرکش ہے، اُس نے تو تعریفیں شروع کر دیں کہ جی! یہ گھوڑا ہے اور عربی نسل کا ہے، اس کی اتنی رفتار ہے اور اس کے اندر یہ یہ صفات ہیں۔

جب یہ صفات بیان کیں اور لوگ متوجہ ہونے لگے تو گھوڑے کا مالک کہنے لگا کہ نہیں نہیں! میں اپنا گھوڑا نہیں دیتا۔ اگر اس میں اتنی خوبیاں ہیں تو میں تو اس کو نہیں بیچتا ہوں۔ اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ پہلے تو اس سے کتنا تنگ آیا ہوا تھا اور کہتا تھا کہ اونے پونے داموں ہی بکے لیکن جب دوسرے نے تعریفیں شروع کر دیں تو اس سے اتنا زیادہ دھوکے میں پڑ گیا کہ یہ بھول ہی گیا کہ کتنا اِس نے تنگ کیا ہوا تھا۔ ہمارا نفس بھی ہمیں کتنا پریشان اور تنگ کرتا ہے لیکن کوئی ہماری تعریف کر دے تو ہم پھول جاتے ہیں اور اپنے کو بھول جاتے ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ

جانور فربہ شود از ناؤ و نوش
آدمی فربہ شود از راہِ گوش

جانور تو کھاپی کے چارہ ڈالنے سے موٹا ہوتا ہے اور آدمی کان کے راستے سے تعریف سُن کے موٹا ہوتا ہے، یہ ناقص آدمی ہے جو اپنی تعریف کے انتظار میں رہتا ہے۔ جس کو اپنی مذمت سے دکھ ہو اور اپنی تعریف سے خوش ہو تو یہ بڑا نِکما آدمی ہے معاشرے میں کہیں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ جہاں جائے گا فتنہ کرے گا، کسی دفتر میں جائے گا، کسی دکان میں بیٹھے گا، یہ خاوند بنے گا، کسی کا باپ بنے گا، جہاں ہوگا فتنہ کرے گا۔ اس لیے کہ اپنی مذمت تو یہ سُن نہیں سکتا، بس اس کو اپنی تعریف سننے کا شوق ہے اور آدمی کے آدمی بننے کی ابتداء یعنی جو بنیاد اور پہلی سیڑھی ہے وہ یہ ہے کہ اُس کی نظر میں مادح اور ذام برابر ہو جائیں تعریف کرنے والے کی تعریف سے خوش نہ ہو، مذمت کرنے والے کی مذمت سے خفا نہ ہو، اثر نہ لے کسی کا۔ مذمت کرنے والے کی مذمت سے خفا نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ تو اتنا برا کہہ رہا ہے جتنا اِس کو پتہ ہے اور مجھے تو اپنا زیادہ پتہ ہے۔

"صاحب البيت ادرای بما فيه" گھر والے کو پتہ ہوتا ہے کہ گھر میں کیا کچھ ہے، اپنے اندر کی خرابیاں تو مجھے زیادہ معلوم ہیں۔ اُس کو تو جتنی معلوم ہیں، اتنا برا کہہ رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری برائیاں تو اس سے بھی زیادہ ہیں اور میں تو اس سے بھی زیادہ برا کہلانے کے قابل ہوں، اگر آدمی اس انداز سے سوچے پھر تو اصلاح ہوتی ہے۔

دیکھئے! ایک بیمار آدمی ہے جس کو شوگر بھی ہے، اُس کو کینسر بھی ہے، گردے بھی فیل ہیں اور اُس کا معدہ بھی کام نہیں کرتا اور بیچارہ بالکل ہی معذور ہے۔ بڑی مشکل سے اُس کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہے ہیں، اب راستے میں ایک صاحب ملے اور کہنے لگے کہ ماشاء اللہ! بڑے صحت مند ہیں آپ، چہرہ آپ کا بڑا پُر رونق ہے۔ کیا خیال ہے یہ اُس کی باتوں سے مغالطے میں پڑ جائے گا؟ یہ کہے گا کہ نہیں نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور

آپ کی زبان مبارک کرے لیکن مجھے پتہ ہے جو مجھ پر گزر رہی ہے، اُسکی باتوں سے خوش نہیں ہوگا۔ اُسکے اچھے بولوں سے اِسے کچھ تسلی تو ہوگی لیکن اپنے علاج کی فکر سے غافل نہیں ہوگا۔

اس سے زیادہ روحانی بیمار کو چاہیے کہ وہ اپنی بیماریوں پر نگاہ رکھے اور کسی کی تعریف سے خوش نہ ہو بلکہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، مجھے اپنے نفس کی شرارتوں کا زیادہ پتہ ہے کہ کس طرح یہ مجھے سب کے قریب کر کے اپنے رب سے دور کرتا ہے اور جنت کے راستے سے ہٹا کر جہنم کے راستوں پر چلاتا ہے۔ ہر دن تو میرے اللہ مجھ سے ناراض ہوتے ہیں اور میرا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی رضا والا نہیں ہے۔ آپ کیسے میری تعریف کرتے ہیں، میرا تو ہر لمحہ، ہر سانس، ہر بول، میرا دیکھنا اور چلنا، میرا تو ہر قدم گناہوں میں ہے۔ زمین مجھ سے پناہ مانگتی ہے اور آسمان کی طرف بھی کوئی خیر میری جاتی نہیں ہے۔ آپ فرما رہے ہیں کہ آپ بہت اچھے ہیں، اللہ آپکو خوش رکھے لیکن مجھے پتہ ہے کہ میرے اندر کی صورتِ حال کیا ہے۔ تو مولانا رومؒ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ جانور موٹا ہوتا ہے کھانے پینے سے اور انسان موٹا ہوتا ہے کان کے راستے سے، اللہ جل شانہ ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے۔

کراچی میں ہمارے ڈاکٹر امجد صاحب ہیں جو تبلیغ کے بزرگوں میں سے ہیں۔ 1992ء کی تشکیل میں ہم اکٹھے ہوئے، اُس کے بعد بھی تشکیلیں اکٹھی ہوئیں لیکن 92 کی تشکیل مجھے یاد ہے۔ ہماری جماعت سیالکوٹ میں تھی اور وہ بھی جماعت لے کے وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ اُس وقت اُنہوں نے سنایا تھا، فرمانے لگے کہ 25 سال سے میں لیاقت ہسپتال کراچی میں دل کے شعبے کا سربراہ ہوں۔ فرمایا 25 سال میں تقریباً دس ہزار افراد

میرے سامنے مرے ہیں، اُن میں سے صرف تین کلمہ پڑھ کے گئے ہیں اور باقی کوئی کس چکر میں، کوئی کس چکر میں، کوئی زمین کے، کوئی کاروبار کے اور کوئی کس صدمے میں بے چارہ دنیا سے چلا گیا۔

امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " تموتون کما تحیون وتحشرون کما تموتون " او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام تمہاری موت اُس طرح آئے گی جیسے تم زندگی گزارو گے اور جیسے مرو گے قیامت میں ایسے ہی اُٹھائے جاؤ گے اور قیامت میں اُٹھائے جانے والے " من ھھنا الی ھھنا تحشرون یوم القیمۃ رکبانا ومشاتا وتجرون علی وجوھکم " امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ملکِ شام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ " میدانِ محشر قائم ہوگا، تم یوں قبروں سے اُٹھائے جاؤ گے اور قبروں سے اُٹھائے جانے کی تین حالتیں ہوں گی۔ کچھ وہ خوش قسمت ہوں گے جنکے پاس اتنے زیادہ اعمالِ صالحہ ہوں گے کہ اُن کے لیے قبروں سے اُٹھتے ہی سواریاں پیش کی جائیں گی اور کچھ وہ ہوں گے جو اپنے اعمال کے بقدر پیدل چل کے میدانِ محشر کو جائیں گے اور کچھ وہ ہوں گے جو منہ کے بَل گھسیٹ کر لے جائے جائیں گے۔

امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں بعض لوگ وہ ہوں گے جنہیں منہ کے بَل چلایا جائے گا، قبروں سے اُٹھایا جائے گا اور منہ کے بَل چلا کر میدانِ محشر کو لے جایا جائے گا۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ! منہ کے بَل؟ ارشاد فرمایا! وہ اللہ جو قدموں پر چلا رہا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ الٹا کر کے منہ کے بَل چلائے اور منہ کے بَل چلانا ایسے نہیں ہے کہ ہتھیلیاں رکھ کر چل رہا ہو، نہیں نہیں منہ نیچے ہوگا۔ جہاں تلوے لگتے ہیں نیچے زمین پر، وہاں منہ لگ رہا ہوگا اور

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ راستے کے کنکر، پتھر اور جھاڑیاں اپنے منہ سے ہٹاتا ہوا جائے گا۔ عرض کی یارسول اللہ! یہ کون ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی جو دنیا میں اُلٹا چلتا رہا، جنت کا راستہ اُدھر تھا یہ جہنم کے راستے پر چلتا تھا۔ شریعت اور تربیت کا راستہ اِدھر تھا، یہ اپنی طبیعت کے راستے پر چلتا رہا۔ حق اِدھر تھا، یہ باطل پر چلا۔ نیکی اِدھر تھی، یہ گناہ کی طرف چلا رب کی پسند اِدھر تھی، یہ سب کی پسند کی طرف چلا، تو دنیا میں الٹا چلا ہے اس لیے قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ اس کو الٹا چلائیں گے۔

اس لیے میرے دوستو! اللہ تعالیٰ سے رورو کے مانگنا ہے، یہ دارالامتحان (امتحان کی جگہ) ہے، آزمائش کی جگہ ہے، یہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ زندگی نہیں ہے اللہ کی قسم! زندگی تو وہ ہے جس کے بعد موت نہ ہو، یہاں تو ایک طرف کسی کی پیدائش کی خوشی ہے اور دوسری طرف کسی کے جانے کا صدمہ ساتھ لگا ہوا ہے۔ یہاں صحت نہیں ہے، صحت تو وہاں ہوتی ہے جہاں بیماری نہ ہو، یہاں ابھی ٹھیک ہیں تو تھوڑی دیر بعد بیمار ہیں۔ اسی طرح یہ خوشی کی جگہ بھی نہیں ہے، خوشی وہاں ہوتی ہے جہاں غم نہ ہو، یہاں ابھی خوش ہیں تو ابھی غمگین ہیں۔ اس لیے یہاں زندگی بھی نہیں ہے، خوشی بھی نہیں ہے اور آسائش و آرام بھی نہیں ہے، تو جو چیز نہیں ہے اُس کی یہاں طلب نہیں کرنی ہے اور اپنے کو امتحان گاہ میں سمجھنا ہے۔

ہم امتحان گاہ میں ہیں اور امتحان ہمارے سر پر ہے۔ اُس کی تیاری کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے اور تیاری کے لیے نصاب (Syllabus) کو پڑھنا چاہیے یا نصاب کچھ ہو اور پڑھنا کچھ چاہیے؟ آپ کی کیا رائے ہے کہ امتحان کی تیاری کے لیے جو نصاب ہے وہی پڑھنا چاہیے نا۔ تو اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ امتحان کیا ہوگا، "من ربك؟ من نبيك؟ ما دينك؟" یہ امتحان ہوگا قبر میں اور اِس کی تیاری دنیا میں ہم نے کرنی ہے۔ ناراض نہیں

ہونا ہے، یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ امتحان میں نہیں آئے گا اور جو امتحان میں آئے گا وہ ہم پڑھ نہیں رہے، تو ابھی فیصلہ کیجیے۔ کل کی بات پر مت چھوڑیے بلکہ ابھی فیصلہ کیجیے کہ جو نصاب ہے نہ پڑھتا ہو اور جو امتحان میں آئے گا نہ پڑھتا ہو اور جو پڑھ رہا ہو، وہ امتحان میں نہ آئے تو اُس کی کامیابی / ناکامی کا فیصلہ آج کر لیں اور خود ہی دیکھ لیں کہ وہ کامیاب ہوگا یا ناکام ہوگا۔ معاف کیجیے! الا ماشاء اللہ ہم میں سے اکثر وہ ہیں جو غیر نصابی سرگرمیوں میں مبتلا ہیں۔ جو نصاب ہے وہ پڑھ نہیں رہے اور جو پڑھ رہے ہیں وہ نصاب نہیں ہے۔ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں، یہ بالکل عارضی اور وقتی چیز ہے اور جو پڑھنا تھا اور جس نے کام آنا تھا اور جو پیغام لائے امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ، اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک آدمی دنیاوی اعتبار سے سب کچھ پڑھ چکا، ساری ڈگریاں لے لیں اور پھر باہر چلا گیا اور بہت کچھ وہاں سے بھی لے واپس آ گیا بیچارہ لیکن اُسے کلمہ ٹھیک نہیں آتا۔ سورۃ فاتحہ نہیں آتی، اُس کا ترجمہ نہیں آتا، بیچارے کو التحیات نہیں آتی اُس کو دعائے قنوت نہیں آتی۔ اسی طرح اُسے نمازِ جنازہ اور وضو کے مسائل نہیں آتے تو کیا خیال ہے یہ پڑھا لکھا ہے یا اَن پڑھ ہے؟ اَن پڑھ ہے، جو پڑھنا تھا وہ تو اِس کو آتا نہیں ہے اور جو آتا ہے وہ اِس کی پڑھائی نہیں ہے، یہ تو کسی اور مقصد کے لیے آیا۔

دیکھیے! ہم نے غیر مسلموں کو دیکھ کے نہیں چلنا، وہ ہمارے لیے نمونہ نہیں ہیں۔ اُن کی مثال آوارہ گرد لڑکوں کی سی ہے۔ کیوں جی! ایک سکول میں پڑھنے والا بچہ ہے اور ایک آوارہ گرد ہے تو اُستاد کی گرفت کس پر ہوتی ہے؟ سکول میں پڑھنے والے پر ہوتی ہے، آوارہ گرد سے اُسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اب اگر سکول میں پڑھنے والا بچہ آوارہ گرد بچے کو دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ کاش میں اِس جیسا بن جاؤں تو اس کی تو بڑی حماقت ہے کیونکہ وہ آوارہ گرد ہے،

اُس پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن آپ چونکہ داخل ہو گئے اس لیے آپ پر پابندی ہے، اب نظم ونسق آپ کے ذمہ ہے، اسی طرح اسلام میں سختی نہیں ہے بلکہ پابندی ہے۔

اسلام ہمیں پابند کرتا ہے کہ جب آپ کلمہ پڑھ کر داخل ہو گئے تو اب آوارہ گردوں کی اُچھل کود دیکھ کر انہیں اپنا نمونہ مت بنائیے، اس لیے کہ دنیا اُن کی ہے اور آخرت ہماری ہے۔ " الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر " دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے، اس لیے ہم دنیا کے لیے ہیں ہی نہیں۔ ہماری روح بھی یہاں قفس میں ہے، ہمارا جسم پنجرہ ہے اور روح اُس میں قید ہے اور اِس نے نکل جانا ہے۔ دنیا نے رہنا نہیں ہے کسی زندہ کے لیے اور نہ کوئی زندہ دنیا کے لیے رہے گا، اس لیے یہاں کی کوئی بنیاد نہیں بنانی ہے حیرت کی بات ہے کہ اُن کی اُچھل کود اور آوارہ گردی کو دیکھ کر ہم بھی یہ تمنا کریں کہ اُن جیسے ہو جائیں، یہ ہمیں زیب نہیں دیتا۔

ہمارے لیے نمونہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالی ہے، اللہ جل شانہ نے حضور ﷺ کو ہمارے لیے نمونہ بنا کے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی مبارک تعلیمات اور آپ ﷺ کی منشاء کو پہچاننا ہم سب کی ذمہ داری ہے اور ہم سب کے بندے نہیں ہیں بلکہ اپنے رب کے بندے ہیں، تو جب رب کے بندے ہیں تو رب کی منشاء کی پہچان بھی ہمارے لیے ضروری ہے اور رب کی منشاء کی پہچان رب والے علم سے ہوگی۔ رب ہم سے کیا چاہتے ہیں، اس کے لیے رب والا علم پڑھنا ہوگا۔ ہم سب والا علم پڑھتے ہیں لیکن رب والا علم ہمیں نہیں آتا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک لڑکا جوان ہو گیا، ہم اُس کی شادی کرنا چاہتے ہیں ہمیں کبھی یہ خیال آتا ہے کہ شادی سے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ کیا اس نے خاوند بننے کے مسائل سیکھ لیے۔ ہمارے سامنے تو بس یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس پیسہ ہو کہیں

ملازم بھرتی ہو جائے، کار اسکے پاس ہو اور رہنے کے لیے کوٹھی وغیرہ ہو، یہ کتنی غلط سوچیں ہماری بن گئی ہیں، ایک مسلمان کی سوچ اس طرح کی نہیں ہو سکتی۔ اُسے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرا بیٹا اب جوان ہو گیا ہے، کیا اس نے خاوند بننے کے مسائل سیکھ لیے اور کیا اس کو معلوم ہے کہ ایک مسلمان خاوند کیسا ہونا چاہیے؟

ایک آدمی نے کمائی کی اور پیسہ اُس کے پاس کافی ہو گیا، اب وہ گاڑی خریدتا ہے لیکن اُس نے گاڑی چلانی نہیں سیکھی تو کیا ہم اُس کو گاڑی پر بیٹھنے دیں گے؟ اب وہ کہے کہ جی گاڑی میری اپنی ہے اور میں نے خود خریدی ہے تو آپ بتائیں گے کہ بے شک گاڑی آپ کی اپنی ہے لیکن آپ نے چونکہ چلانا نہیں سیکھی، اس لیے ہم آپ کو نہیں چلانے دیں گے کیونکہ آپ اپنا نقصان کریں گے اور آپ کی جان بھی جا سکتی ہے۔ تو ہم چار/پانچ لاکھ کی گاڑی ایک اناڑی کے حوالے نہیں کرتے لیکن ایک اناڑی کے حوالے لڑکی کر دیتے ہیں جس کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ خاوند بننے کے مسائل کیا ہیں۔ بس ہم نے پیسہ اور کوٹھی دیکھی اور لڑکی اُس کے حوالے کر دی، یہ بھی بڑے درجے کا ظلم ہے اور جہالت کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے، یہ تو ہماری بنیاد نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا۔ یارسول اللہ! لڑکا کیسا ہونا چاہیے اور اُس کے کیا کوائف ہوں؟ اسی طرح لڑکی کیسی ہو اور اُس کے کیا کوائف ہونے چاہییں؟ جو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمائے، ہم اُن ہی کو بنیاد بنا کے چلیں گے تو پھر دنیا میں ہی امن، سکون اور اطمینان نصیب ہو گا اور پھر آگے آنے والی نسلوں میں سے کوئی حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بنے گا اور کوئی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ بنے گا، کوئی خواجہ نظام الدین اولیاؒ بنے گا اور کوئی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بنے گا۔ کوئی اپنے وقت کا امام اعظم ابوحنیفہؒ

بنے گا اور کوئی اپنے وقت کا امام بخاریؒ بنے گا لیکن یہ تب ہوگا جب بنیاد صحیح ہوگی۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

جب پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو تو پھر اُوپر تک دیوار ٹیڑھی ہی ہوتی ہے۔ جب سوچ ٹیڑھی ہو جائے اور سوچ پیسہ، منصب، عہدہ اور دنیاوی چیزیں بن جائیں تو ظاہر ہے آگے اُس سے نکلنے والے نتیجے بھی پھر ایسے ہی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں رجوع نصیب فرمائے اور پلٹ کر صحیح رُخ پر آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جن ساتھیوں کی آج دستار بندی ہوئی ہے، اِن کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو محفوظ فرمایا ہے۔ یہ ہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ، بجا طور پر جنہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ کہا جائے وہ یہ ہیں۔ اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، اللہ جل شانہ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ''جس طرح مجھے ساری مخلوقات پر فضیلت ہے، ایسے میرے کلام کو سارے کلاموں پر فضیلت ہے''۔ اللہ کا کلام سب سے اعلیٰ تو اُسکی تعلیم بھی سب سے اعلیٰ ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک والے اعلیٰ تعلیم والے ہیں، دنیا میں بھی اِس نے کام آنا ہے اور آخرت میں بھی، اللہ جل شانہ ہمیں اسکی سمجھ عطا فرمائے۔

میں نے پہلے عرض کیا کہ غفلت ہے اور قرآنِ پاک کی تلاوت اور موت کی یاد ہے نہیں جس کی وجہ سے دلوں کو زنگ لگ چکا ہے اور جب زنگ لگ جائے تو پھر دل ماؤف ہو جاتا ہے اور اُس کے اندر سے حِس ختم ہو جاتی ہے اور احساس مردہ ہو جاتا ہے۔ پھر آدمی کی سمجھ ناقص ہو جاتی ہے، پھر جو بات باہر کی فضا میں ہوتی ہے وہی یہ سنتا اور بولتا ہے حالانکہ کسی طرح بھی یہ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس لیے دوسروں کو دیکھ کے نہیں چلنا ہے بلکہ ہم نے تو حضور ﷺ کی مبارک اتباع کو اختیار کرنا ہے۔

حضرتِ معاذ جہنیؓ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے قرآنِ پاک پڑھا اور اُس میں جو کچھ ہے اُس پر عمل کیا، قیامت کے دن اُس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ہو گی۔ (سورج طلوع ہوتا ہے اور ساری کائنات میں روشنی پھیلاتا ہے، یہ سورج اگر کسی کے گھر میں طلوع ہو تو کتنی روشنی پھیلائے گا) فرمایا! سورج کسی کے گھر میں طلوع ہو کر جتنی روشنی پھیلائے گا اُس سے زیادہ اُس تاج کی روشنی ہو گی جو حافظِ قرآن کے ماں باپ کو پہنایا جائے گا، اُس کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تمہارا کیا گمان ہے خود اُس حافظِ قرآن کے بارے میں جو حفظ کر کے عمل کرے گا''۔ جب ماں باپ کو اتنا کچھ ملے گا تو حافظِ قرآن کو کیا کچھ ملے گا، خود ہی اِس کا اندازہ کر لینا چاہیے۔

قرآنِ پاک پڑھ لیا، اب اُس پر عمل تب ہوگا جب یہ معلوم ہو کہ قرآنِ پاک کہتا کیا ہے۔ اُس کے لیے قرآنِ پاک کے علوم و معارف کو سیکھنا۔ قرآنِ پاک متن ہے اور ساری احادیثِ مبارکہ اور ساری شریعت اُس کی شرح ہے، تو متن بھی سیکھنا اور اُس کی شرح کو بھی سیکھنا، جامع انداز سے۔ اب بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ حافظ تو بن گئے اور قرآنِ پاک کے الفاظ یعنی متن یاد ہو گیا اُس کے بعد پھر ہم اُن کو اُس راستے پر نہیں چلاتے، دائیں بائیں کر دیتے ہیں، اس طرح سے بڑی ناقدری ہو جاتی ہے۔ بھئی جب اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت عطا فرمائی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے مانگ کر اور قبول کرا کے اُسی راستے پر اُن کو آگے بڑھانا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اُس کی پوری نسبتیں اُنہیں عطا فرمائے۔ تو قرآنِ پاک پر عمل تب ہو سکے گا جب اِس بات کا پتہ ہو گا کہ کہتا کیا ہے اور پتہ کب چلے گا کہ جب اِس کے بعد والے سارے علوم بھی پڑھائے جائیں۔ اس لیے سب حضرات یہ نیت کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو

نعمت ہمیں عطا فرمائی، ہماری اولاد کو عطا فرمائی تو اِن کو ہم اُسی راستے پر آگے بڑھائیں گے اور اللہ جل شانہ کے اُتارے ہوئے مبارک علم کے لیے وقف کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نسبتوں والا بنائے اور ان کو ذریعہ بنائے سارے عالم کی ہدایت کا۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، ارشاد فرمایا کہ ''قرآنِ پاک پڑھا کرو وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا۔ قرآنِ پاک جھگڑے گا، اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے سفارش کرے گا۔ خاص طور پر یہ دو سورتیں (بڑی اہم اور نورانی سورتیں) سورۃ بقرۃ اور سورۃ آلِ عمران پڑھا کرو، یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سائے میں اس طرح لے کر آئیں گی جس طرح کہ وہ بادل کے دو ٹکڑے ہیں یا دو سائبان ہیں یا صف باندھے ہوئے پرندوں کے پَر ہیں، اس طرح یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں پر سایہ کریں گی''۔ جس دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا تو یہ سورتیں سایہ کر کے لے کے آئیں گی۔

آخرت کی کرنسی اعمالِ صالحہ ہے، نیک اعمال آخرت کی کرنسی ہے۔ اس لیے ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جنت میں ایک محل تعمیر ہو رہا ہوتا ہے، تعمیر ہوتے ہوتے اُس کی تعمیر رُک جاتی ہے اور تعمیر چونکہ فرشتے کر رہے ہوتے ہیں اس لیے اُن کے پاس سے گزرنے والے فرشتے پوچھتے ہیں کہ بڑا شاندار محل بن رہا تھا، تعمیر کیوں رُک گئی؟ تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ جس کا یہ محل تھا، اُس نے میٹریل بھیجنا بند کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ نیک اعمال کر رہا تھا، کرتے کرتے اعمال چھوڑ دیے تو ظاہر ہے جب کما نہیں رہا تو آگے جا نہیں رہا، اس لیے جتنا تھا اُتنا ہی رہے گا۔ ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ دارالعلوم کے بڑے بزرگوں میں سے تھے اور حکیم الامت مجدد ملت

حضرتِ تھانویؒ کے اُستادِ محترم تھے۔ ایک مرتبہ اُن کو کوئی حاجت پیش آ گئی تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! دس ہزار روپے چاہئیں اپنے خزانوں سے عطا فرما دے۔ کیوں جی! رب سے مانگنا ہے یا سب سے؟ رب سے مانگنا ہے۔ سب سے مانگنا سوال ہے رب سے مانگنا دُعا ہے۔ سب سے مانگیں تو خفا ہوتے ہیں اور رب سے مانگیں تو خوش ہوتے ہیں، سب سے نہ مانگیں تو خوش ہوتے ہیں، رب سے نہ مانگیں تو وہ ناراض ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم نے رب سے مانگنا ہے، سب سے نہیں مانگنا۔

مجھے یاد آیا کہ جب میں زکریا مسجد میں پڑھتا تھا تو ایک مرتبہ چلا قریب آ گیا، میں نے ارادہ کیا کہ گھر والوں کو خط لکھتا ہوں کہ کچھ خرچہ بھیج دیں۔ فارسی کا سال تھا اور تشکیل ہماری خضدار ہو رہی تھی، میں نے کاغذ اور قلم اُٹھا کر لکھنا شروع کیا۔ میرے اُستادِ محترم حضرتِ اقدس حضرت مولانا محمد خلیل صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے دیکھا تو فرمایا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی خط لکھ رہا ہوں۔ فرمایا کس کو؟ میں نے عرض کیا جی! والد صاحب کو۔ فرمایا کس لیے؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ برکت (رقم) منگوانی ہے گھر سے۔ فرمایا اچھا! آدھ گھنٹا تو لگے گا آپ کو خط لکھنے میں، آپکے دونوں ہاتھ بھی مصروف ہیں کہ ایک میں کاغذ اور دوسرے میں قلم ہے اور لکھ بھی رہے ہیں اپنے والد صاحب کو۔ اب ظاہر ہے انہیں فوراً تو نہیں پہنچے گا بلکہ کچھ دنوں میں پہنچے گا اور پہنچنے کے بعد اگر اُن کے پاس کچھ ہوگا تو آپ کو بھیجیں گے۔ ایسا نہیں کرتے کہ ہاتھ دونوں اُٹھے رہیں لیکن سب کے سامنے نہیں بلکہ رب کے سامنے لہٰذا قلم بھی چھوڑ دو اور کاغذ بھی چھوڑ دو اور دونوں ہاتھ اُٹھاؤ لیکن اُس کے سامنے جو دیکھ رہا ہے اور سُن رہا ہے اور جس کو اُٹھے ہوئے ہاتھ خالی لوٹاتے ہوئے حیا آتی ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کے ہاتھ میری طرف اُٹھتے ہیں تو خالی بھیجتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اس لیے میں اُن کے دامن رجھولیاں بھر دیتا ہوں"۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" یاابن آدم لا تخش من ضیق الرزق وخزائنی ملئٰن وخزائنی لا ینفد ا بداً" میرے بندے رزق کی تنگی سے مت ڈرنا جب تک میرے خزانے بھرے ہیں اور میرے خزانے تو کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔" یاابن آدم لا تخف من ذی سلطانِ وھذا سلطانی باقیا و سلطانی لاینفد ابداً" میرے بندے کسی بادشاہ سے مت ڈرنا جب تک تیرے رب کی بادشاہت قائم ہے اور یہ بادشاہت تو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے اور بچے بچے کا یہ ذہن بنانا ہے کہ بیٹا! جب بھی کوئی ضرورت اور حاجت پیش آئے تو سب کو نہیں بتانا بلکہ اپنے رب کو بتانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو میرے مولیٰ کو بتا دینا۔ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب فوت ہو گئے اور میں اُس وقت چھوٹا تھا، اب ضرورت تو پیش آتی تھی گھر میں تو میں کہتا کہ اے میرے ابا کے مولیٰ! فلاں ضرورت ہے پوری کر دے، تو پوری ہو جاتی اور میں یہ سمجھتا کہ میرے ابو کے کوئی دوست ہیں جن کا پتہ والد صاحب بتا کر گئے ہیں۔

ایک مرتبہ میرا غلام آیا اور آکر اُس نے بتایا کہ ہمارے کھیت میں پانی بالکل نہیں ہے، زمین بنجر ہو رہی ہے اور کوئی فصل اُس میں نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں اُس کے ساتھ چلا گیا اور وہاں پہنچ کر کہا کہ اے میرے ابا جان کے مولیٰ ہمارے کھیت میں پانی نہیں ہے جس کی وجہ سے بڑی دقت ہے۔ ابو تو چلے گئے اور آپ کا پتہ بتا کر گئے ہیں

پانی کی دِقت ہے پانی دے دے،فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک دم سے پانی کا چشمہ اُبھر آیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میرا بچپن تھا اس لیے میں یہ سمجھتا تھا کہ ابا جان کے کوئی دوست ہیں جن کا پتہ بتا کر گئے ہیں لیکن جب میں ذرا بڑا ہوا تو معلوم ہوا کہ ابا جان تو رب کا پتہ بتا کر گئے تھے، یہ مولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ہے۔ اس لیے ہم بھی اپنے بچوں کو سب کا پتہ نہ بتائیں بلکہ اپنے رب کا پتہ بتائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اُن کی پرورش کرتے ہوئے بتائیں کہ بیٹا! یہ سب کچھ اللہ جل شانہ نے پیدا فرمایا، زمین وآسمان بھی اور یہ پہاڑ و دریا و سمندر بھی۔ یہ مکان بھی بیٹا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، یہ زمین بھی اُسی ذات کی ہے اس لیے بیٹا کبھی اُس رب کو ناراض نہیں ہونے دینا ہے، اُسے کبھی خفا نہیں ہونے دینا اور اپنی ضرورتیں اور حاجتیں اُسی رب سے مانگنا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا واقعہ کتنا مشہور ہے کہ اُن کے والدین نے یہ نیت کی کہ اس بچے کی تربیت کرکے اس کا رب سے تعلق بنانا ہے تو چنانچہ کیا ہوتا تھا کہ جب یہ پڑھنے کے لیے مدرسہ جاتے تھے تو ماں پہلے سے ہی کھانا طاق میں رکھ دیتی تھی۔ جب وہ واپس آتے اور کہتے امی! بھوک لگی ہے تو ماں کہتی بیٹا! امی کو مت بتاؤ، امی کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کھلاتے ہیں آپ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو، میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتی ہوں۔ اچھا امی کیا کروں؟ ماں کہتی بیٹا! 2 نفل پڑھ کر دعا کرو پھر اللہ تعالیٰ آپ کو کھانا کھلائیں گے۔

اصل میں بچپن کی پچپن تک جاتی ہے۔ بچپن کا بگاڑ بھی پچپن تک جاتا ہے اور بچپن کا سدھار بھی پچپن تک جاتا ہے۔ بچے کی زندگی بالکل باریک سی ٹہنی کی طرح ہوتی ہے، اُس کو جس طرف موڑیں وہ مڑ جائے گی لیکن اگر غلط موڑیں گے تو غلط مڑے گی اور صحیح موڑیں تو صحیح مڑے گی۔ میں نے کتنے ایسے ساتھی دیکھے جنہوں نے کہا کہ جی ہم تو نیت کرتے ہیں

کہ اگر ہمارا بھتیجا ر بھانجا پیدا ہوا تو ہم اُس کو بائیں ہاتھ سے کھانا پینا سکھائیں گے۔ میں نے کہا بائیں ہاتھ سے تو شیطان کھاتا ہے، رحمٰن کے بندے دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں اور شیطان کے بندے بائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں۔

ایک موقع پر حضورﷺ کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احمعین بھی حاضرِ خدمت تھے اور کھانا تناول فرما رہے تھے، اتنے میں ایک بچی آئی اور بایاں ہاتھ کھانے میں ڈالا تو حضورﷺ نے اُسکا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا "شیطان نے کوشش کی کہ کھانے میں بے برکتی ڈالے، کوئی صورت نظر نہ آئی تو اُسنے بچی کا بایاں ہاتھ ڈلوا دیا، یہ بایاں ہاتھ شیطان کا ہاتھ ہے۔ میرے صحابہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دکھادوں، یہ میرے ہاتھ میں بچی کا نہیں شیطان کا ہاتھ ہے"۔ اسلئے بائیں ہاتھ سے پینا، بائیں ہاتھ سے کھانا اور بائیں ہاتھ سے لینا دینا، یہ شیطان کا کام ہے۔ شیطان کے بندے ایسا کرتے ہیں، رحمٰن کے نہیں کرتے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ کن کو ملے گا؟ جنت والوں کو اور بائیں ہاتھ میں کن کو ملے گا؟ جہنم والوں کو۔ اصحاب الیمین قرآنِ پاک نے جنتیوں کو کہا، اصحاب الشمال قرآن نے جہنمیوں کو کہا۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک آدمی جا رہا ہو آگ کی طرف اور وہ کہے مجھے ٹھنڈک نہیں آرہی اور بہت گرمی لگ رہی ہے تو ہم کہیں گے کہ بابا! آگ میں تو ٹھنڈک نہیں ہوتی، اس میں تو جلن ہی ہوتی ہے، ٹھنڈک چاہیے تو ٹھنڈے راستے کی طرف چلیے۔ جہنم کے راستے پر چل کر جنت کی خوابگاہیں تلاش کرنا حماقت ہے، جہنم والی زندگی گزار کر سکون واطمینان کی امید کرنا، یہ حماقت ہے۔ کوئی تعویذ، کوئی وظیفہ اللہ کی قسم سکون واطمینان نہیں دلا سکتا۔ ایک ہی راستہ

ہے کہ ہم اپنی ترتیب زندگی کو ٹھیک کرلیں۔

ہم جانا چاہتے ہیں اسلام آباد اور بیٹھ گئے بٹل ر بٹگرام کی گاڑی پر۔ مانسہرہ سے گزر کر جب شنکیاری پہنچے تو پھر خیال آیا کہ گاڑی تو بٹل ر بٹگرام جارہی ہے اور ہم نے اسلام آباد جانا ہے۔ گاڑی سے نہ اُتریں، صرف نیت کرلیں اور دعاؤں میں لگ جائیں، سوا لاکھ مرتبہ آیتِ کریمہ پڑھیں، کثرت سے وظائف پڑھیں تو کیا خیال ہے اسلام آباد پہنچ جائیں گے؟ اچھا! ہمیں پتہ چلا کہ عمرے پر بھی کچھ ساتھی گئے ہوئے ہیں اور اس وقت وہ طواف کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا بھئی خدارا! سب طواف کے چکر لگاؤ اور غلافِ کعبہ پکڑ کر رو رو کر دعا مانگو کہ اسلام آباد پہنچ جاؤں، تو کیا خیال ہے پہنچ جائے گا؟ اسی طرح مدینہ منورہ میں ریاض الجنۃ جو جنت کا حصہ ہے اور جہاں دعا قبول ہوتی ہے، وہاں جا کر کوئی روئے کہ ہمارا ایک ساتھی بٹگرام کی گاڑی پر بیٹھا ہے وہ کسی طرح اسلام آباد پہنچ جائے، پہنچ جائے گا؟ میں اس لیے عرض کرتا ہوں کہ ہم غلط رخ پر ہو کر رو رہے ہوتے ہیں کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ہم اپنا رخ ٹھیک کرلیں تو انشاء اللہ پھر سب کچھ قبول ہے۔ تعویذ کی نفی نہیں، دعا اور وظیفے کی نفی نہیں لیکن رُخ ٹھیک کرنا ضروری ہے، رُخ ٹھیک ہو تو یہ ساری چیزیں معاونت کر کے برکت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

سود کھانا ہم نہ چھوڑیں، رشوت لینا ہم نہ چھوڑیں، بہنوں کے حق ہم نے دبائے ہوئے ہوں، بھتیجوں ربھانجوں کو ہم نے دبوچا ہوا ہو، یتیموں کا مال ہم خوب ہڑپ کرتے ہوں، پڑوسیوں کو ہم ستاتے ہوں، زمین کے بنے ہم مارتے ہوں، حرام کمائیاں مشکوک کمائیاں خوب ہم لیتے ہوں، نامناسب ترتیبِ زندگی اختیار کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی زندگی گزارتے ہوں پھر چاہیں جنت والا سکون زندگی میں آجائے، آجائیگا؟

زندگی گزاریں ہم یہود ونصاریٰ والی، مدد مانگیں صحابہ کرام والی اللہ کی قسم نہیں ہوگا۔ زندگی گزاریں یورپ اور امریکہ والی اور مدد چاہیں مدینہ منورہ والی، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔ "ایں خیال است محال است و جنون" اللہ جل شانہ ہم سب کو رجوع نصیب فرمائے اور اپنے رُخ کو درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانا توی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں، مانگتے مانگتے اُونگھ آگئی اور سو گئے۔

خواب دیکھا کہ جنت ہے اور اُس میں بڑا شاندار محل ہے جس کے دائیں بائیں برقی قمقمے اور بڑی رونق ہے۔ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور آگے بڑھے اور پوچھا کہ کس کا محل ہے؟ بتانے والوں نے بتایا کہ ہندوستان کے ایک بزرگ ہیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، اُن کا ہے۔ فرمایا کہ میں ہی ہوں، کیا میں اندر جاؤں؟ تو بتایا گیا کہ نہیں! ابھی آپ زندہ ہیں، زندگی میں نہیں جاسکتے مرتے ہی اس میں آئیں گے انشاء اللہ۔ اُن کو خیال آیا کہ اچھا! میں باہر سے جا کر دیکھ تو لوں اپنا محل جنت کا سبحان اللہ! چنانچہ یہ چلے اپنا محل دیکھنے کے لیے تو دیکھا کہ تین کونوں میں تو بڑی روشنی ہے لیکن چوتھا کونہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی پریشان ہوئے کہ محل تو بڑا شاندار ہے لیکن ایک کونے میں اندھیرا کیوں ہے۔ اُنہی سے پوچھا جو قریب تھے کہ محل کے ایک کونے میں اندھیرا کیوں ہے؟ اُنہوں نے بتایا کہ جن کا یہ محل ہے اُنہیں دنیا میں دس ہزار روپے ضرورت پڑ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو اس کے اکاؤنٹ میں کیا ہے؟ ویسے ایک بات عرض کروں، ہمارے حضرت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپوری دامت برکاتہم العالیہ

نے مظفرآباد اجتماع میں دورانِ بیان یہ ارشاد فرمایا کہ ہم دُعا کے چیک کاٹتے رہتے ہیں لیکن پیچھے ہمارا اکاؤنٹ میں بیلنس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ رب سے تعلق بالکل نہیں ہوتا یعنی اکاؤنٹ خالی ہوتا ہے اور آگے دُعا کے چیک کاٹتے رہتے ہیں کہ یہ کردو، وہ کردو، یوں کردو۔ تو ایسے ہی خالی چیک کاٹنے سے تو کام نہیں بنتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو اس کے اکاؤنٹ (اعمال نامہ) میں کیا ہے؟ اب ظاہر ہے ہمارے یہاں کے عمل سے جنت بن رہی ہے یا نہیں؟ جنت بھی بن رہی ہے اور اللہ نہ کرے جہنم بھی بن رہی ہے۔ قبر جنت کے باغوں میں سے باغ بن رہی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا بن رہی ہے، تو اُن کے اعمال نامہ میں یہ شاندار محل تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِس محل کے ایک کونے سے برقی قمقمہ اُتار دو اور اُس کے بدلے میں انہیں دس ہزار روپے دنیا میں دے دو۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ایک دم چیخ مار کر اُٹھے اور عرض کی کہ اے اللہ! اگر میرے دنیا میں مانگنے سے آخرت سے کٹ کٹ کے دنیا میں مجھے ملے تو دنیا میں نہیں چاہیے یہاں میں گزارا کرلوں گا، اس لیے مجھے نہیں چاہیے دنیا میں، یہ دعا کرتے کرتے پھر سو گئے پھر وہی محل دیکھا اور وہی سوال و جواب ہوئے۔ اس مرتبہ جب باہر سے جا کر اپنا محل دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ چوتھا کونہ بھی خوب روشن ہے۔ تو پوچھا کہ کچھ دیر پہلے تو یہ اندھیرے میں تھا اور ابھی روشن کیسے ہو گیا؟ تو اُنہیں بتایا گیا کہ جن کا یہ محل تھا اُنہوں نے مطالبہ چھوڑ دیا اور کہا کہ مجھے نہیں چاہییں دس ہزار روپے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے محل کے چوتھے کونے میں پھر روشنی کر دو۔ تو ہماری جنت کٹ کٹ کے دنیا میں آئے، نہیں نہیں بلکہ دنیا کٹ کٹ کے آخرت بن جائے، یہ اصل ہے۔

دنیا میں ہم پردیسی ہیں یا نہیں؟ ہم پردیس میں ہیں اور وطن ہمارا جنت ہے۔ یہ ہماری منزل نہیں ہے بلکہ راستہ ہے، گزرگاہ ہے اور گزرگاہ میں کوئی گھر نہیں بناتا، پردیس میں کوئی اپنے ارمان پورے نہیں کرتا اور اللہ کی قسم اُٹھا کے کہتا ہوں کہ ہم ویزے پر آئے ہوئے ہیں، پچاس سالہ/ساٹھ سالہ/چالیس سالہ ویزہ اللہ جل شانہ نے لگا کے بھیجا ہے۔ ویزہ ختم ہوتے ہی ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے اور ویزے پر آنے والا عیش کرنے آتا ہے یا کمانے آتا ہے؟ کمانے آتا ہے اور کما کر واپس بھیجتا ہے اللہ جل شانہ ہمیں اسکی سمجھ عطا فرمائے۔ اس لیے آپ خود فیصلہ کیجیے کہ پلاٹ دنیا میں لینے ہیں یا آخرت میں؟ ظاہر ہے دنیا کے پلاٹوں کے پیچھے بھی صلاحیتیں تو خرچ ہوتی ہیں، دنیا کی کوٹھیوں اور بنگلوں کے پیچھے نمازیں بھی ضائع ہوتی ہیں، تکبیرِ اُولیٰ بھی چھوٹتی ہے، جماعت بھی فوت ہوتی ہے اور آپ نے سنا کہ ایک نماز جماعت سے رہ جائے تو کتنا نقصان ہوا؟ تین کروڑ چودن ہزار چار سو بتیس نمازوں کا نقصان ہو گیا اور جس کی پانچ نمازیں جماعت سے رہ گئیں تو 20/18 کروڑ کا اُس کا نقصان ہو گیا۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ 20/18 کروڑ روزانہ مال کا نقصان ہوتا تو ہم میں سے شاید ہی کوئی زندہ رہتا۔ ہارٹ اٹیک ہو جاتا، چیخیں نکل جاتیں، تعویذ کے لیے آتے۔ معاف کیجیے! مالی نقصان کی برکت کے لیے تو آتے ہیں لیکن کوئی ایک ساتھی تو ایسا ہو (اللہ تعالیٰ سب کو ایسا بنائے) جو اپنے اعمال کے نقصان کے لیے آئے۔ مال کے لیے آئیں گے کہ مال بڑھ جائے، ویزہ لگ جائے، بچوں کی نوکریاں لگ جائیں، ایک اور فیکٹری ملنی ہے اُس کی کوئی صورت بن جائے، وہ فلاں مارکیٹ میں دکان لینی ہے، وہ پلازہ خریدنا ہے۔ مال کے وظیفے تو پوچھنے آتے ہیں لیکن اعمال کے نقصان کا چونکہ صدمہ نہیں ہے،

اس لیے وظیفہ تو کیا پوچھیں، اُس کی کوئی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ جس کی پانچ نمازیں بغیر جماعت کے ہوتی ہیں اکیلے پڑھتا ہے دکان میں یا گھر میں تو اُس کا روزانہ 20/18 کروڑ کا نقصان ہے یا نہیں؟ اتنا بڑا نقصان وہ کتنی آسانی سے سہہ رہا ہے، اس سے زیادہ بے حسی اور دل کے زنگ کی علامت کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دل کے زنگ کو دور فرما دے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''قیامت کے دن قرآنِ پاک اور قرآنِ پاک والوں کو لایا جائے گا جو قرآنِ پاک پر عمل کرتے تھے۔ سورۃ بقرۃ اور سورۃ آلِ عمران جو قرآنِ پاک کی سب سے پہلی دو سورتیں ہیں، حساب میں پیش پیش ہوں گی۔ یوں محسوس ہوگا کہ وہ بادل کے دو ٹکڑے ہیں یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن میں نور کی چمک ہے یا صف باندھے ہوئے پرندوں کے پَر ہیں جو اپنے پڑھنے والوں پر سایہ کر کے آ رہی ہیں اور اُن کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے جھگڑا کریں گی''۔

حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''یہ اعمالِ صالحہ والا قیامت کے دن اُٹھے گا تو سبحان اللہ اس کے آگے آگے، الحمد للہ دائیں طرف، اللہ اکبر بائیں طرف، لا الٰہ الا اللہ پیچھے کی طرف اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ اس پر سایہ کرتے ہوئے اس کو اللہ کے عرش کے سائے تک پہنچائیں گے''۔ لہ معقبت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔ اس لیے اللہ جل شانہ سے رو رو کے مانگنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دل کا نور عطا فرمائے۔ آنکھوں کے نور کا نام بصارت ہے، دل کے نور کا نام بصیرت ہے۔ دل کا نور نہ ہو تو پھر حق و باطل کی تمیز بھی نہیں ہوگی، نفع اور نقصان کا پتہ نہیں ہوگا، اپنے پرائے کی پہچان نہیں ہوگی۔ دل کا نور نہ ہو تو پھر انسان شکلِ انسانی میں جانور بن جاتا ہے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جانور کو سبزہ چاہیے، اُسے اس چیز کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ حلال کا ہے یا حرام کا، اپنے مالک کا ہے یا پرائے کا۔ جانور اس کی تمیز کرتا ہے؟ کوئی تمیز نہیں کرتا۔ اُسے تو سبزہ چاہیے، کوئی کھیت نظر آئے بس اُس نے اُس میں منہ مارنا ہے۔ اسی طرح اگر بصیرت نہ ہو، دل کا نور نہ ہو تو پھر آدمی حرام میں بھی منہ مارے گا، حلال میں بھی، جائز میں ناجائز میں مارے گا۔ جب اس طرح کی کیفیت ہوگی تو پھر یہ شکلِ انسانی میں درندہ اور جانور بنے گا۔ یہ سانپ اور بچھو بنے گا اور یہ بھیڑیا بنے گا یا اور کوئی ایسی بلا بنے گا، پھر مرتے ہی قبر میں اللہ تعالیٰ اس کو خنزیر بنادیں گے۔

دنیا میں جو ایسی زندگی گزارتا ہے، اُس کے بارے میں حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جن کی غذا ایسی (ناپاک غذا) ہو جاتی ہے تو ایسی کیفیت والے دنیا میں ہی شکلِ انسانی میں جانور ہوتے ہیں اور مرتے ہی (اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے) اپنے اصلی روپ میں آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ایک بات یہ دیکھئے کہ فاصلہ تھوڑا ہے، زبان سے دل کا ایک بالشت کا فاصلہ ہے لیکن یہ اتنا تھوڑا فاصلہ بھی ابھی تک طے نہیں ہو رہا۔ زبان کچھ کہتی ہے اور دل کچھ کر رہا ہوتا ہے، یہ فاصلہ طے ہونا ضروری ہے۔

ہم نے بڑے فاصلے طے کر لیے، ہم نے ترقی کر کے دنیا کے دو کناروں میں بسنے والوں کو منٹوں میں قریب کر دیا، آج کے موبائل نے اور آج کے نظام نے قریب کر دیا۔ مخلوق کو مخلوق سے تو قریب کر دیا لیکن خالق سے دور کر دیا، سارے فاصلے سمٹ گئے لیکن جو فاصلہ سمٹنا تھا وہ نہ سمٹا۔ کیوں جی! مخلوق کو مخلوق سے قریب کرنا اصل ہے یا مخلوق کو خالق کے قریب کرنا اصل ہے؟ خالق کے قریب کرنا اصل ہے۔ مخلوق کو مخلوق کے قریب کرنا ترقی

نہیں ہے بلکہ یہ تنزلی اور پستی ہے، ترقی تو یہ ہے کہ خالق کے قریب ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کسی کی پنڈلیوں پر ورم آجائے یا کسی کو بھڑ کاٹ لے اور اُس کا چہرہ پھول جائے اور ہم کہیں کہ جی ماشاء اللہ! بڑی صحت ہے۔ یہ صحت ہے، ذرا آپ فرمائیے؟ ایسے ہی بھینس مر کر پھول جائے اور کوئی کہے کہ جی ماشاء اللہ! جب زندہ تھی تو بڑی دبلی پتلی سی تھی لیکن مرتے ہی پھول گئی، بڑی صحت مند ہوگئی۔ صحت مند نہیں ہوئی بلکہ یہ مردار کا پھولنا ہے ایسے ہی حرام راستے سے پیسہ پھول رہا ہے، حرام کے پیسے سے کوٹھی ر بنگلہ بن رہا ہے، حرام کی کمائی سے اگر پلازہ بن رہا ہے تو یہ ورم ہے، اس کو ترقی نہیں کہیں گے بلکہ یہ وہ ورم ہے اور یہ وہ بیماری ہے جو نسلوں کو تباہ کر کے چھوڑے گی۔

اس لیے ہر موٹاپا اور پھیلاؤ ترقی نہیں ہوا کرتی، بیماری بھی ہوا کرتی ہے اور ایسی بہت ساری بیماریاں لے کر ہم چل رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ظاہری باطنی سب بیماریوں سے شفاء عطا فرمائے۔ ہمارے جن ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا، اُنکے لیے بھی بہت مبارکباد ہے اور اس مبارک مجلس میں شریک ہونے والوں کے لیے بھی ہے اور ایک مجلس آخرت میں قائم ہونی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اُس میں بھی شریک کر دے لیکن ظاہر ہے اُس میں شرکت کے لیے وہ راستہ بھی اختیار کرنا ہوگا۔ صرف تمنا سے نہیں ہوگا بلکہ کرنے سے ہو گا، اُس راستے کو اپنانا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم جس کے لیے نہیں آئے اُس میں لگے ہوئے ہیں اور جس کے لیے آئے اُس میں نہیں لگے ہوئے۔

ناراض نہیں ہونا ہے، ہم میں سے اکثر حاضر سروس نہیں ہیں۔ نوکریاں ملی ہوئی ہیں لیکن جاتے ہی نہیں ہیں تو ایک آدمی کو نوکری ملے اور وہ دفتر ہی نہ جائے، کام ہی نہ کرے، پھر اُس کے خلاف نوٹس نکلے اور اُس کی تنخواہ رُک جائے۔ پھر وہ کسی تعویذ کے لیے آئے یا

حساب کرائے، اُس سے مسئلہ حل ہوگا یا دفتر میں حاضر ہونے سے ہوگا؟ جو میرے پاس آئے گا تو میں تو اُس سے کہوں گا کہ بھئی! نوکری پر تو تو جاتا نہیں ہے، اپنا کام کرتا نہیں ہے اور پھر کہتا ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہوا ہے۔ کسی کو کیا ضرورت ہے، تو نے خود ہی کیا ہوا ہے اپنے اُوپر۔ اس لیے تو خود ہی رجوع کر لے اور وہاں اپنا معاملہ ٹھیک کر لے کہ جی میں آئندہ آیا کروں گا، معاف کر دیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

اسی طرح میرا اور آپ کا مقصد تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جسکے لیے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو بھیجا ہے ساری اُمتوں کا امام بنا کر۔ ہمارے نبی ﷺ سارے نبیوں کے امام اور یہ اُمت ساری اُمتوں کی امام ہے۔ یہ اُمت سب کی ہدایت کی ذمہ دار ہے اور جس مقصد کے لیے آئی ہے اُسکو پھیلانا، پہنچانا اس اُمت کے ذمہ ہے لیکن یہ بیچاری اور بہت سے کاموں میں لگی ہوئی ہے، اضافی بڑے کام کر رہی ہے لیکن مقصد پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جسکے لیے بھیجا اُس پر نہیں ہے جسکی وجہ سے اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی نہیں ہے، برکتیں بھی رکی ہوئی ہیں، رحمتیں بھی روٹھی ہوئی ہیں۔ ایک ہی راستہ ہے ان ساری چیزوں کو بحال کرانے کا کہ ہم اپنی ڈیوٹی پر چلے جائیں۔ کون کون ساتھی اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوں گے؟ میں بھی اس کی نیت کرتا ہوں انشاء اللہ۔

ایک بوڑھے میاں تھے، اُنہوں نے توبہ کر لی، رو دھو کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لی تو ایک نوجوان نے کہا کہ بابا جی! بڑی دیر سے آئے۔ فرمانے لگے بیٹا! بڑی جلدی آ گیا ہوں، دیر تب ہوتی کہ جب موت آ جاتی اور توبہ نہ کرتا۔ موت سے پہلے پہلے جلدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کرنے والوں کے آنسو بڑے پسندیدہ ہیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا'' گناہ گاروں کے آنسو تسبیح کرنے والوں کی تسبیح سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو

پسند ہیں''۔ اسلیئے جب کبھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نکل آئیں تو اُن کو لے کر بدن پر مل لینا چاہیے جہاں جہاں ہاتھ پہنچتا ہو۔ اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آخرت میں جہنم کی آگ سے بچا دیں گے تو یہ آنسو پسندیدہ ہیں، اس لیے اپنے رب سے صلح کرنے کے لیے چپکے سے بہا دیئے چاہییں کہ اے اللہ! ہم اپنی ڈیوٹی پر آنا چاہتے ہیں اور جس مقصد کے لیے آپ نے ہمیں بھیجا، اُس پر آنے کے لیے تیار ہیں۔

اے اللہ! ہماری ساری غلطیاں اور پچھلی غیر حاضریاں معاف فرمادے اور ایک دفعہ ہی ساری حاضریاں لگ جائیں اور ہم حاضر شمار ہوں۔ اے اللہ! ہم حاضر ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام والے مقصد کے لیے ہم حاضر ہیں اور نیت کرتے ہیں کہ اب دین کی محنت کریں گے انشاء اللہ۔ جن کے چار ماہ لگ چکے ہیں وہ سال/سات مہینے اور اندرونِ سال کی نیت کریں اور جن کے نہیں لگے وہ چار مہینے کی ترتیب بنائیں۔ اسلام آباد اجتماع قریب ہے، اُس کے لیے جماعتیں بنا بنا کر نکلیں اور توبہ کی فضا بنائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے کی فضا بنائیں۔

جس طرح بچہ اپنی ماں کی طرف لپکتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا" اللھم واقیۃ کو اقیۃ الولید " اے اللہ! ہمیں ایسے آپ کی ضرورت ہے جیسے دودھ پیتے بچے کو ماں کی گود کی ضرورت ہے۔ اے اللہ! دودھ پیتا بچہ بھی بغیر ماں کی گود کے زندہ رہ سکتا ہے لیکن ہم آپ کی رحمت کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ دودھ پیتا بچہ بالکل معصوم ہوتا ہے، اے اللہ! اُسے کتنا سنبھالنے کی ضرورت ہے، اُس سے کہیں زیادہ ہمیں آپ کی رحمت کی ضرورت ہے۔ سب نیت کرتے ہیں کہ دعوت کی محنت کو مقصد بنائیں گے اور اللہ کے راستے میں نکلیں گے اور اسکی فضا بنائیں گے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے۔ جماعتوں کی نصرت بھی

ہواور شب جمعہ کا اہتمام ہو۔اپنا مقامی اور بیرونی گشت بھی ہو، مسجد کی تعلیم اور گھر کی تعلیم بھی ہو۔روزانہ کا مشورہ اور منگل کے مشورے کا بھی اہتمام ہو اور اسی طرح ہر مہینے کے 3 دن 10 دن، ہر سال کا چلہ/ تین چلے، اس کی بھی ترتیب بنائیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ساری زندگی اس مقصد کے لیے قبول فرمائے (آمین)۔

بیان سنی بینک مری، یوم والدین (20 مارچ 2008ء)

الحمد لله الحمد لله صاحب الجلالة والصلوة والسلام علی نبیه صاحب الرسالة اللهم صل علی محمد و اله بقدر حسنه وکماله اما بعد:
قال النبی ﷺ " علامة اعراض الله علی العبد اشتغاله بما لا یعنیه وان امرء ذهبت ساعته من غیر ما یخلق له لحری ان یکون علیه حسرة "
وقال النبی ﷺ " من جاوز الاربعین سنة ولم یغلب خیره علی شره فیتجهز الی النار " وقال النبی ﷺ " طوبی لعبد جعله الله مفتاحا للخیر ومغلاقا للشر وویل لعبد جعله الله مفتاحا للشر ومغلاقا للخیر " او کما قال علیه الصلوة والسلام

انسان پر جب موت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، پھر توبہ معتبر نہیں ہے۔ اُس سے پہلے پہلے کرنی ہے اور توبہ کے بارے میں بہت سے واقعات ہیں جس میں تاخیر کی وجہ سے اللہ جل شانہ توفیق سلب فرما لیتے ہیں۔ آدمی کہتا ہے کہ توبہ کے الفاظ ہی تو ہیں، میں ادا کرلوں گا لیکن ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ ابھی تو میں گناہ کرلوں، اپنے رب کو ناراض کرلوں، یہ حرام کمالوں، وہ جائیدادیں بھی حاصل کرلوں اور اللہ کو ناراض کر کے اپنے بچے بچیوں کی شادیاں نہیں بربادیاں کرلوں، رب کو ناراض کر کے پھر آخر میں توبہ کرلوں گا اور جب بندہ یہ سوچتا ہے تو پھر زندگی میں ہی، ابھی موت نہیں آئی ہوتی ہے، زندگی میں ہی اُسکی زبان سے

سب کلمات ادا ہوں گے لیکن توبہ کا لفظ ادا نہیں ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سب کچھ زبان سے ادا ہوتا ہے لیکن توبہ کی توفیق سلب ہوگئی ہے، اللہ جل شانہ ہم سب کو ان میں سے نہ بنائے۔

ہم کش مکش میں ہیں، اللہ جل شانہ کا خوف ہمیں کش کرتا ہے اور نفس اور شیطان ہمیں گناہ کی طرف کش کرتے ہیں، کھینچا تانی لگی ہوئی ہے، اس کھینچا تانی میں اللہ ہم سب کو ایسا بنائے کہ جو کش ہے یعنی اللہ کا خوف، اُسکا اللہ تعالیٰ غلبہ کردے اور جب موت کا وقت آئے تو ہم رحمٰن کی طرف ہوں، شیطان کی طرف نہ ہوں۔ یہ رحمانی اور شیطانی طاقتوں کی رسا کشی ہے، باہر نکل کے دیکھتے ہیں ایک دکان پر قرآنِ پاک، معارف الحدیث، فضائلِ اعمال، فضائلِ صدقات، حیاۃ الصحابہ، تحفہ خواتین، بہشتی زیور برکت والی کتابیں۔ اُسی بازار میں ایک دوسری دکان ہے اور وہ بھی مسلمان ہی کی ہے لیکن وہاں ڈائجسٹ ہیں، ناول ہیں، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے، وہاں بے حیائی کی تصاویر ہیں۔ ایک دکان ہے جس میں تلاوت کی کیسٹیں ہیں، نعتوں کی، بیانات کی کیسٹیں ہیں، دوسری دکان اُسی بازار میں جس میں گانے بجانے کی بے ہودگیاں ہیں۔ اب یہ خود بخود آدمی اپنے ہاتھوں سے جا رہا ہے، چونکہ اس کو مجبور تو کوئی نہیں کر رہا۔

ایک راستہ شریعت کا ہے، ایک راستہ طبیعت کا ہے، شریعت انسان بناتی ہے اور طبیعت حیوان بناتی ہے۔ شریعت جنت میں لے جاتی ہے اور طبیعت جہنم میں لے جاتی ہے یہ خیر اور شر ہے، اب یہ خیر کا ذریعہ بن رہا ہے، اپنی ذات سے بھی خیر میں ہے دوسروں کو بھی خیر پہنچا رہا ہے اور وہ دوسرا اپنی ذات سے بھی شر میں ہے، دوسروں کو بھی شر پہنچا رہا ہے۔ اِسکی کمائی میں وہ برکتیں ہیں کہ نسلوں کی نسلیں آباد ہوگئی ہیں اور اُسکی کمائی میں وہ لعنت اور نحوست ہے کہ نسلوں کی نسلیں برباد ہوگئی ہیں۔ یہ دونوں امتحان میں ہیں، ایک پاس ہوگیا

ہے اور دوسرا فیل ہوگیا ہے۔ایک کامیاب ہوگیا ہے، دوسرا ناکام ہوگیا ہے۔

یہ دنیا دار العمل ہے، دونوں عمل کررہے ہیں۔ایک رب کو راضی کرنے والا اور ایک سب کو راضی کرنے والا۔ایک کی پہلی نظر ہی رب پر پڑتی ہے کہ میرے رب مجھ سے کیا چاہتے ہیں اور دوسرے کی پہلی نظر ہی سب پر پڑتی ہے کہ یہ سب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ تو آپ دیکھئے کہ پرواز کتنی دھیمی ہوگئی ہے، سب کو دیکھ کے چلنا یہ پستی ہے، رب کو دیکھ کے چلنا یہ بلندی ہے اور بلندی کا زمانہ گزرا ہے کہ " خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم " سب سے رابطے اتنے جلدی نہیں ہوتے تھے چونکہ ہاتف (ٹیلیفون) اور موبائل کا تو تصور بھی نہیں تھا، ٹارچ کا بھی تصور نہیں تھا۔بس کسی سواری پر، کسی اونٹ یا گھوڑے پر خط بھیجنے کی صورت ہوتی تھی۔

سب تو سب سے دیر سے ملتے تھے لیکن سب اپنے رب سے جلدی مل جاتے تھے۔ پہلی اور آخری اُمید کا مرکز رب تھے، سب نہیں تھے، تو آپ بتایئے کہ یہ ترقی کا دور ہے یا ذلت و پستی کا دور ہے، تباہی بربادی کا دور ہے؟ مخلوق مخلوق کے بہت قریب ہوگئی ہے، خالق سے بہت دور ہوگئی ہے۔سب کو سب میں الجھایا ہے اور رب سے ہٹایا ہے، یہ تو ذلت ہے، رسوائی ہے، پستی ہے۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسمِ شاہبازی

اپنی پرواز تو وہ تھی کہ اللہ کی قسم! پہلی نظر ہی رب پر پڑتی تھی۔کوئی خوشی ہے تو رب کا شکر ادا کرنے میں، کوئی غم پہنچا ہے تو رب کے حکم پر صبر کرنے میں، دونوں موقعوں پر پہلی نظر اپنے رب پر پڑتی تھی کہ میرے رب مجھ سے راضی ہیں۔اللہ اکبر! اب دیکھئے، اِدھر سے

سلام آرہے ہیں، حضرت سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو سلام آیا ہے کہ اللہ جل شانہ آپ کو سلام فرما رہے ہیں اور حضرت صدیقِ اکبرؓ بے چین ہو گئے، فرمایا "او سمانی ربی" کیا واقعی میرے رب نے میرا نام لے کر سلام فرمایا ہے، اُم المؤمنین حضرتِ سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ کو رب سلام فرما رہے ہیں۔ جن کی پہلی نظر ہی رب پر پڑتی ہے تو رب بھی پھر اپنی محبت کی نظر اُن پر ڈالتے ہیں۔ ایک عمل بھی ہے، وظیفہ بھی، وہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اگر ایک مرتبہ سورۃ الفاتحہ پڑھ لی جائے، ایک مرتبہ آیت الکرسی پڑھ لی جائے اور سورۃ آلِ عمران کی 3 آیاتِ مبارکہ جو کہ الحمدللہ پہلے سے ہی آپ کے معمولات میں ہیں، اپنے فائدے کے لیے عرض کرتا ہوں، اللہ جل شانہ خود عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تو ایک مرتبہ سورۃ آلِ عمران کی تین آیاتِ مبارکہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم O شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو" آخر تک، دوسری آیتِ مبارکہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم O قل اللھم مٰلک الملک" آخر تک، پھر اگلی آیتِ مبارکہ متصل ہے، "یولج الیل فی النھار" آخر تک۔ جو ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ سورۃ الفاتحہ، ایک مرتبہ آیت الکرسی اور ایک مرتبہ سورۃ آلِ عمران کی یہ 3 آیاتِ مبارکہ پڑھ لیتا ہے، امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جل شانہ اُس کو 6 انعام عطا فرماتے ہیں۔

پہلا انعام، اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو جنت میں ٹھکانہ دوں گا، حظیرۃ القدس میں جگہ عطا کروں گا، روزانہ ستر مرتبہ رحمت کی نگاہ ڈالوں گا۔ بس ہمارا ہر عمل ایسا ہو جائے، بندے جو ٹھہرے رب کے، ہر عمل ایسا ہو کہ اللہ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو، لعنت متوجہ نہ ہو۔ رحمت والے کام کریں گے تو رحمتیں آئیں گی، لعنت والے کام کریں گے تو لعنت ہی آئے گے۔ اللہ جل شانہ حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں "انی اذا اطعت رضیت" جب

میری اطاعت وفرمانبرداری کی جاتی ہے تو میں راضی ہوتا ہوں،" واذا رضیت بارکت " جب میں راضی ہوتا ہوں تو برکتیں نازل کرتا ہوں،" ولیس لبرکتی نهایة " اور میری برکت کی پھر کوئی انتہا نہیں ہے۔

" وانی اذا عصیت غضبت " اللہ جل شانہ فرماتے ہیں جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو میں غصے ہوتا ہوں،" واذا غضبت لعنت " جب میں غصے ہوتا ہوں تو لعنت کرتا ہوں،" وان لعنة منی تبلغ سابعا من الولد" اور میری لعنت ساتوں پشتوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ کوئی روک نہیں سکتا ہے اللہ کی لعنت سے اور کوئی ہٹا نہیں سکتا ہے اللہ کی رحمت سے جب رحمت والے کام ہوں۔ ہم تو رحمت والے نبی کے رحمت والے اُمتی ہیں اور خیر والے نبی کے خیر والے اُمتی ہیں۔" اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ کنتم خیر امة اخرجت للناس " ہم تو ہیں ہی خیر اُمت میں اور نبی علیہ السلام خیر لے کے آئے اور ہم خیر والے نبی کے خیر والے اُمتی۔ تھوڑا مراقبہ کیجئے، سنا یہ ہے کہ سرپرست حضرات تشریف لائے ہیں جن کی اولاد اور جن کے بیٹے یہاں پڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے اور مستورات بھی ہیں، مائیں بھی ہیں اور طالبات کریمات بھی ہیں۔ یہ طالبات بھی اور طلباء کرام بھی، یہ تو برکتوں والی ہستیاں ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو قسم اُٹھالیں تو اللہ ان کی قسم کو پورا فرما دیں، اللہ پاک ان کی لاج رکھ لیں، ایسے برکت والے یہ لوگ، سب شریک ہیں۔

تھوڑا مراقبہ اور محاسبہ کرلیں کہ خیر والے ہیں تو ہمارے گھر، ہمارے دفتر، ہماری دکانیں یا جہاں ہم رہتے ہیں، وہاں خیر ہے یا شر ہے؟ ذرا یہ سوچنا پڑے گا کہ قول تو یہ ہے کہ ہم خیر والے، فعل یہ ہے کہ ہم شر والے۔ تو ظاہر ہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اگر تھوڑا سا بھی شر ہوگا یعنی اگر بھرا ہوا دودھ کا برتن ہو لیکن ایک قطرہ پیشاب کا سب کو خراب کر دے گا،

اس لیے بہت اچھے انداز سے نظافت اور صفائی کی ضرورت ہے۔ ذرا محاسبہ مراقبہ کر لیتے ہیں، میں جس دکان میں بیٹھتا ہوں، جس دفتر میں قلم چلاتا ہوں یا جس گھر میں زندگی گزارتا ہوں، وہاں خیر ہے یا شر ہے؟ آلاتِ خیر ہیں یا آلاتِ شر ہیں؟

وہاں رب کی چاہتیں ہیں یا سب کی ہیں؟ میں دکان پر سودا رب کی چاہت کو دیکھ کے رکھتا ہوں یا سب کی چاہت کو، رب کی ڈیمانڈ (Demand) پوری کرتا ہوں یا سب کی۔ تو بس فیصلہ ہو جائے گا کہ میں رب کا بندہ ہوں یا سب کا، فیصلہ خود ہی ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر محاسبہ کر لیتے ہیں، محاسبہ یہ اپنا حساب کرنا ہے، دوسروں کا تو بہت آسان ہے اپنا ذرا مشکل ہے۔ مشکل کام آدمی نہیں کیا کرتا ہے اور جو مشکل کرلے تو پھر اُسکے لیے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان مع العسر یسرا ○ ان مع العسر یسرا ○ ایک مشکل آئے گی، دو آسانیاں آجائیں گی، اللہ جل شانہ ہمیں استقامت کے ساتھ مشکل سوالات بھی حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آسان آسان سوال یہ چھوٹے درجے کے بچوں کے ہوتے ہیں، مشکل سوال یہ بڑے درجوں کے ہوتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کیا فرماتے ہیں

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت
مزاجِ تو از حالِ طفلی نگشت

بچپن کو پہنچ گئے لیکن بچپنا نہیں گیا، پوتوں نواسوں والے ہوگئے لیکن بچپنا نہیں گیا ہے۔ لہٰذا آسان آسان سوال وہ بچوں کی طرح، اُن کی تو ہم کوشش کرتے ہیں اور جو مشکل سوال ہیں، جن پر ترقی ملنی ہے اُدھر بالکل ہمت نہیں ہوتی۔ یہ بچپنا ہے یا نہیں؟ اور دیکھئے اسکے علاوہ بچپنا کیا ہے، روحانی بچپنا کیا ہے؟ بچہ گھسٹ کے چلتا ہے، وہ گھٹنوں کے بل چلتا ہے

اور کھڑا نہیں ہوسکتا ہے۔ ہم بھی اللہ نہ کرے گھٹنوں کے بل تو نہیں چل رہے ہیں، بہت گھسٹ کے تو نہیں چل رہے ہیں، وہ کس طرح کہ پرواز بہت دھیمی ہے۔ بچے کی نظر اپنی ماں پر ہوتی ہے، بچہ بھی مخلوق کو دیکھتا ہے، ہم بھی مخلوق کو دیکھتے ہیں۔ اُٹھے نہیں، چلے نہیں ہیں، آگے بڑھے ہی نہیں ہیں، نیت ہی نہیں کی ہے۔

جو ہچکچا کے رہ گیا سو رہ گیا
جس نے لگائی ایڑ وہ خندق کے پار تھا

کیسے موت کے اُس مرحلے کو ہم سَر کریں گے، جب زندگی میں ہی مخلوق میں گھسے ہوئے ہیں۔ نفع اس سے، نقصان اس سے، میرا کام اس سے ہوگا، میرا کام اس سے نہیں ہوگا، یہ آجاتا تو ہمارے کام کردیتا، نعوذ باللہ من ذلك۔ کتنے خطرے کی بات ہے، اب یہ اندر ہی اندر چھوٹے چھوٹے بت ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ ارشاد فرماتے تھے کہ دیکھیے مرکزِ ہدایت جو بیت اللہ شریف ہے، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدیً للعلمین ○ مرکزِ ہدایت ہے، سارے عالم کیلئے ہدایت کا مرکز لیکن اُسکے دائیں بائیں 360 بت ہیں۔ جو مرکزِ ہدایت ہے وہ خود دائیں بائیں بتوں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ اب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو پہلا حکم یہ نہیں ہوا کہ بتوں کو نکالو بیت اللہ سے، یہ فرمایا کہ سب سے پہلے انکے دلوں سے بتوں کی محبت کو نکالو۔ بتوں کی محبت کو اور بتوں کے یقین کو نکالا تو بعد میں بت بھی نکل گئے، باہر کے بت کو گرانا بڑا آسان ہے لیکن اندر کے بت کو گرانا اصل ہے

ہمارے حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بت بنایا جائے سونے چاندی کا، ہیرے جواہرات کا، منوں سونا اور منوں چاندی اُس پر لگی ہے اور کہا

جائے کہ اس سے ہوگا تو سارے موحد کیا کہیں گے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ، بت سے کچھ نہیں ہوتا اور اُسی میں سے ایک چھٹا نک سونا توڑ کر دیا جائے اور پوچھا جائے کہ اس سے ہوگا تو کہے گا ہاں! میرے سارے کام تو اسی سے بنیں گے۔ اسی سے تو بچے کی شادی ہو گی اور اسی سے تو میں پلاٹ خریدوں گا، اب یقین کہاں چلا گیا؟! اتنا بڑا بت تھا بت کی شکل کو دیکھ کے کہا نہیں ہوگا لیکن اُسی میں سے کچھ توڑ کے دیا تو کہا سارے کام اسی سے بنیں گے، اب اگر یہاں یقین نہ بنا تو ہمارے حضرت شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ سٹوڈنٹ (Student) سے لے کر پریزیڈنٹ (President) تک تقریباً سب میں ڈینٹ (Dent) ہی ڈینٹ ہیں۔ اگر یہاں موت سے پہلے پہلے ڈینٹنگ پینٹنگ (Denting-Painting) نہیں ہوگی تو پھر جو ڈینٹنگ ہوگی اس ٹیڑھے پن کو دور کرنے کے لیے، مزاج کا ٹیڑھا پن، عقیدے کا ٹیڑھا پن اور یقین کا ٹیڑھا پن، عمل کا ٹیڑھا پن۔

ہمارے حضرت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو بھئی! نماز کی مشق کرتے ہوئے ہتھیلیاں سیدھی رکھنی ہیں۔ اللہ اکبر کہتے ہوئے ہتھیلیاں سیدھی رکھنی ہیں قبلہ کی طرف، سمجھاتے تھے۔ چونکہ اس وقت طلباء کرام بھی تشریف فرما ہیں اور میں بھی طالبِ علم ہوں تو ایک طالبِ علم کا طلباء کرام کے ساتھ مذاکرہ ہے، بڑے بھی سُن رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے۔ تو فرماتے تھے کہ یہ ہتھیلیاں اگر نماز میں سیدھی ہوں گی، رب کے سامنے اگر ہاتھ سیدھے ہوئے تو سب کے سامنے بھی ان ہاتھوں سے سیدھے کام ہوں گے اور اگر یہ ہاتھ نماز میں سیدھے نہ ہوئے تو ان ہاتھوں سے زندگی میں کبھی سیدھا کام نہیں ہوگا۔ نماز میں قدم سیدھے، دونوں قدموں کا فاصلہ چار انگل کے برابر

ترچھے نہ ہوں بلکہ سیدھے ہوں۔ جو نماز میں رب کے سامنے سیدھا ہے، اللہ کی قسم! سب کے سامنے بھی سیدھے ہی کام کرے گا۔

آپ نے سنا تو ہوگا، اپنے بڑوں سے بھی اور گھروں میں جہاں تربیت ہے وہاں بھی کسی سے کوئی برتن ٹوٹا یا کسی کو کوئی ٹھوکر لگ گئی یا کسی سے کوئی پیالہ گر گیا تو ڈانٹتے نہیں تھے بلکہ فرماتے تھے کہ لگتا ہے نماز میں دھیان نہیں ہے۔ یہ بڑی عجیب تشخیص ہے، وہ تو نماز سے باہر چلتے پھرتے ہوئے اُس سے غلطی ہوئی ہے لیکن اُسکی وجہ یہ بتائی ہے کہ نماز میں دھیان نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ جتنی صلوٰۃ اچھی ہوگی، اتنی حیوٰۃ اچھی ہوگی۔ نماز اگر اچھی ہے تو زندگی میں اچھے کام ہوں گے اور نماز اگر ٹھیک نہیں ہے تو زندگی میں کام بھی ٹھیک نہیں ہوں گے۔ نماز میں جس کی نظریں محفوظ نہیں ہیں، بازار میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ یہ نماز زندگی پر پوری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ چھ نمبر تو تقریباً سب ہی کو یاد ہوں گے اور اب تو عربی میں یاد کرنے چاہییں، فارسی میں یاد کرنے چاہییں۔ دوسرا نمبر نماز ہے، اُس میں کیا فرمایا کرتے ہیں کہ نماز کا مقصد کیا ہے کہ چوبیس گھنٹے کی زندگی صفتِ صلوٰۃ پر آجائے۔ چوبیس گھنٹے کی زندگی نماز کی ترتیب پر آجائے۔

ہمارے حضرت مفتی زین العابدین صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نماز میں سب کچھ کو چھوڑ کے آئے، دکان سے نکلے، گھر سے نکلے، بیوی بچوں سے نکلے، اپنے اشتغال سے کاروبار سے نکلے، اپنی گاڑی سے نکلے اور نماز میں آئے۔ تو ہم کیا کہتے ہیں اللہ اکبر، کیا معنیٰ! کہ ہم نے نماز میں سب کچھ کو چھوڑا ہے، سب کچھ کے خیال کو بھی چھوڑنا ہے۔ اب یہ ہاتھ اُٹھاکے ہم کہاں چلے گئے؟ اپنے رب کے پاس چلے گئے، اللہ ہم سب کو قبول فرمالے اور اسی لیے تو سلام، سلام کیوں پھیرتے ہیں؟ یہ بیٹھے بیٹھے تھوڑا ہی کوئی ایک دوسرے کو سلام

کرتا ہے، کوئی سفر سے آئے تو تب ہی سلام کرتا ہے نا۔

اب یہ نمازی سلام کر رہا ہے تو گویا وہ یہ بتا رہا ہے کہ اے میرے بھائی! جسم میرا آپ ہی کے پاس تھا، ظاہر میں آپ کے پاس تھا لیکن اللہ کی قسم! درحقیقت میں رب کے پاس چلا گیا تھا، میں تو اپنے رب سے ہمکلام تھا، مجھے کوئی پتہ نہیں ہے۔ آپ تیر نکالنے آئے ہو تو حضرتِ علی المرتضیٰؓ سے عرض کیا حضرت! ہم تیر نکال بھی چکے۔ فرمایا اللہ کی قسم! مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ نماز میں ایسا انہماک ہے، نماز میں ایسا دھیان ہے اور چونکہ تیر پہلے لگ چکا تھا اور تیر کو نکالنا مشکل تھا تو فیصلہ کیا کہ یہ جب نماز شروع کریں گے تو ہم نکال لیں گے کہ یہ رب میں اتنے گم ہوں گے کہ سب کا ان کو پتہ ہی نہیں ہوگا۔ اس لیے طلباء کرام سے ہم عرض کرتے ہیں کہ نماز جتنی جاندار ہوگی، مطالعہ اتنا شاندار ہوگا، آپ کو ہوش ہی نہیں ہوگا۔

آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ بادشاہ کی سواری گزری اور بہت حشم و خدم اور بہت شور شرابا برے، ہٹو بچو کی فضائیں، ایک طالبِ علم مطالعہ کر رہا تھا۔ مطالعہ کر رہا ہے اور سواری گزر کے چلی گئی، بعد میں کسی نے آکے پوچھا کہ بادشاہ کی سواری گزری ہے تو وہ طالبِ علم ساتھی جواب دیتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم، میں تو مطالعہ کر رہا ہوں۔ مطالعہ بابِ مفاعلہ سے ہے، جانبین سے ہوتا ہے۔ میں کتاب کو دیکھتا ہوں، کتاب مجھے دیکھتی ہے۔ جب میں کتاب کو پوری توجہ سے دیکھتا ہوں، کتاب بھی پوری توجہ میری طرف کرتی ہے اور جب میں سرسری دیکھتا ہوں تو کتاب بھی مجھ سے خفا ہو جاتی ہے۔ تو مطالعہ اس کیفیت کا کب نصیب ہوگا، جب نماز پوری قوت کے ساتھ جاندار ہوگی، پھر زندگی بھی شاندار ہوگی۔ صلوٰۃ اچھی تو حیوٰۃ اچھی، تو نماز بنیاد ہے، نماز کو بنانا ہے۔

اس لیے ہمارے حضرت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر نماز میں ہتھیلیاں سیدھی ہیں تو زندگی میں ان سے سیدھے کام ہوں گے اور نماز میں قدم سیدھے ہیں تو زندگی میں بھی سیدھے ہوں گے اور فرماتے تھے کہ ہم قومے سے سجدے میں جاتے ہیں تو دوسرا رکوع کرتے ہوئے نہیں جانا بلکہ ایسے جانا ہے جیسے ڈرل مشین جاتی ہے اور ڈرل مشین کیسے جاتی ہے؟ سیدھا جاتی ہے اور پھاوڑے (کدال) کی طرح نہیں جانا، وہ کیسے جاتی ہے، وہ سیدھی جاتی ہے؟ نہیں وہ آگے سے ہو کے جاتی ہے۔ قومے سے سجدے میں جانا ہے تو کمر بھی بالکل سیدھی رہے جب تک گھٹنے زمین پر نہیں لگ جاتے، تو کمر بالکل سیدھی گھٹنے پہلے لگے، اب کمر جھکے گی۔ رب کے سامنے ہم سیدھے ہو گئے نا تو سب ہمارے سامنے سیدھے ہو جائیں گے۔ اب باپ رب کے سامنے سیدھا نہیں ہے، بچے کبھی اُسکے سامنے سیدھے نہیں ہوں گے جب تک وہ خود رب کے سامنے سیدھا نہ ہو جائے۔ رب کے ساتھ صلح ہے تو سب کے ساتھ صلح ہے" من اصلح ما بینہ و بین اللہ اصلح اللہ ما بینہ و بین الناس "۔

بڑا آسان ہے غصہ آتے ہی لگا دینا، غصہ آتے ہی ٹکا دینا لیکن غصے سے زیادہ اپنے پر قابو کرنا ضروری ہے۔ جو غصے پر قابو پالے وہ طاقتور ہے، غصے کی حالت میں غصے پر عمل نہیں کرنا، غصہ بہت آیا ہوا ہے بچے پر، غصہ بہت آیا ہوا ہے چھوٹے پر لیکن اُس سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ یہ کیوں میری بات نہیں مان رہا، کہیں یہ وجہ تو نہیں ہے کہ میں بھی اپنے بڑے کی نہیں مان رہا۔ تعویذ چاہیے، بہت ضد کرتا ہے یہ بچہ، چھوٹا سا ہے، ابھی اڑھائی سال بھی نہیں ہوئے، بہت تنگ کر دیا۔ ایسا تعویذ دیں کہ سیدھا ہو جائے تو اُس سے پوچھتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے، اولاد ماں باپ کی فوٹو کاپی ہوتی ہے۔ اصل میں اتنی اڑی تو نہیں ہے کہ جو

فوٹو کاپی میں بھی آ گئی بلکہ ایسی مشینیں اب آ گئی ہیں کہ فوٹو کاپی اصل سے بھی نکھر کے سامنے آ جاتی ہے۔

کوئی زائد چیز فوٹو کاپی میں نہیں آتی، جو اصل میں ہے وہی آئے گا، تو اولاد ماں باپ کی فوٹو کاپی ہے۔ دیکھئے! میں کہتی ہوں لیکن یہ سنتا نہیں ہے، میں اس کو بتاتا ہوں، یہ مانتا نہیں ہے۔ مہمانوں میں بیٹھ کے بھی شرمندہ کر دیتا ہے، اُلٹ پلٹ دیتا ہے چیزوں کو، کسی کے گھر جائے تو الامان و الحفیظ، تنگ کر دیتا ہے۔ میں کہتی ہوں تو سُنی ان سُنی کر دیتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ کا چھوٹا آپکی نہیں سنتا، آپ بھی اپنے بڑے کی نہیں سنتے۔ وہ کیسے؟ آذان ہوتی ہے، آذان ہو رہی ہے اور ہم نہیں سن رہے، جو نماز کے لیے آ رہے ہیں وہ بھی نہیں سُن رہے، آذان کا جواب نہیں دے رہے۔ جو آذان کا جواب نہیں دیتا اور آذان کے وقت خاموش نہیں ہوتا، اُسکے ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ ہے لیکن اس کو پرواہ ہی نہیں ہے کہ کون پکار رہا ہے، کس نے بلایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ " ان استطعت ان تکون انت المحدث و اذا سمعت الله عز و جل يقول يَا ايهالذين امنوا فارعها سمعك فانه خير يعمر به او شر ينهى عنه " حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو! سننے والا بن کے رہنا اور دیکھو! تلاوت کرتے کرتے جب " يَا ايهالذين امنوا" پر پہنچو تو ویسے نہیں گزر جانا، تھوڑا ٹھہر کے غور کرنا کہ کس نے پکارا ہے؟ يَا ايهالذين امنوا یہ کس کی پکار ہے؟ اللہ جل شانہ نے پکارا ہے، اے ایمان والو! ذرا ٹھہر جاؤ۔ فانہ خیرا اس سے آگے کوئی خیر ہے جس کا اللہ حکم دے رہے ہیں یا کوئی شر ہے جس سے اللہ تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔ خیر جس کا حکم دے رہے ہیں اُس کو پورا کر لو اور شر جس سے روکنا

چاہتے ہیں، ایک دم رک جاؤ۔تم رب کے سامنے اَڑی نہ کروتو سب کی جرأت نہیں کہ تمہارے سامنے اَڑی کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشریف لے جارہے ہیں، یہ وہ تعویذ ہے جو ہماری حفاظت کرے گا۔اُس تعویذ کی نفی نہیں کرتا ہوں جو کاغذ پر لکھا جاتا ہے،اُسکی برکتیں اپنی جگہ پر ہیں لیکن وہ تعویذ جس کو ہم سنبھالیں ،اُس سے زیادہ وہ تعویذ جو ہمیں سنبھالے۔کون سا تعویذ زیادہ اچھا ہے؟ جو ہمیں سنبھالے۔وہ کیسے ہوگا،ہمیں پتہ ہی نہیں لگے گا ورنہ تو ابھی غسل کرتے ہوئے اُتارااور گم ہوگیااور پھر کسی وجہ سے اُتارا، گم ہوگیا۔اسکو یہ کہنا بھی غلط ہے لیکن کہنے میں حرج بھی نہیں ہے،تسخیر کا عمل، تسخیر میں لوگ کیا کرتے ہیں کہ سب کو اپنا بناتے ہیں لیکن یہ وہ تسخیر ہے جسمیں رب کو اپنا بناتے ہیں،رب اپنے ہو جائیں تو سب اپنے ہو جاتے ہیں۔

حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ تشریف لے جارہے ہیں،مجمع لگا ہوا ہے لوگ رکے ہوئے ہیں۔حضرت نے فرمایا خیریت ہے کیا وجہ ہے، کیوں رُکے ہوئے ہو؟ عرض کیا کہ سامنے شیر ہے اور اُس نے راستہ روکا ہوا ہے، چنانچہ یہ سواری سے اُترے اور پوری جرأت کے ساتھ آگے تشریف لے گئے اور قریب جاکے اُسکے کان کو پکڑ کے تھپڑ لگایا، یہ حضرتِ ابن عمرؓ ہیں اور وہ حضرتِ سیدنا فاروقِ اعظمؓ ہیں۔آج موقع نہیں ہے ورنہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کی کیا شان ہے سبحان اللہ! اور دیکھئے کتنی محبت ہے،ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن تو بقیع میں آرام فرمارہی ہیں اور وہ ایک مقامِ صرف میں اور ایک معلّی میں آرام فرمارہی ہیں۔

اپنی صاحبزادیاں اُدھر آرام فرمارہی ہیں،اپنے صاحبزادے حضرتِ ابراہیمؓ وہ جنت البقیع میں آرام فرمارہے ہیں لیکن اپنے دونوں کو، پتہ تھا کہ بعد میں کچھ لوگ ان ہی دو کے

بارے میں بدبختی کا شکار ہوں گے، مغالطے ڈالیں گے کہ پہلے نمبر پر کون ہے اور دوسرا کس کا اس لیے ان کو میں ابھی سے اپنے ساتھ لے لیتا ہوں تاکہ ساری کائنات کو پتہ چلے کہ یہی افضل ہیں۔فرمایا ''ابوبکر اور عمر کو میں نے فضیلت نہیں دی ہے، انہیں تو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے''۔اب بتایئے سب جاکے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں یا نہیں۔آپ علیہ السلام نے بس اپنے ساتھ ہی رکھ لیا کہ یہ میرے پاس ہی رہیں گے تاکہ مسئلہ سب پر واضح ہو جائے، دلائل کی ضرورت ہی نہ پڑے۔اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اللہ اُن کو یقین عطا فرمائے اور کچھ لوگ جنہوں نے پھر بھی بد باطنی کا مظاہرہ کیا اور مختلف راستوں سے آگے حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی اور مدینہ منورہ سے دونوں کے اجسادِ مطہرہ کو نکالنے کی کوشش کی۔

واقعہ مشہور ہے، فضائلِ حج میں بھی حضرتِ شیخؒ نے لکھا ہے، تو خیر انداز یہ اختیار کیا کہ سب زیارت کر سکیں اگر دوسری جگہ تدفین ہو جائے، تو پھر اللہ تعالیٰ کا غضب بھی جوش میں آیا کہ جن کو میرے محبوب اپنے پاس سلائیں، کون بد بخت ہے جو ان کو یہاں سے اُٹھا سکے، اللہ سب کو اپنی آنکھوں سے دکھائے۔رمضان شریف میں جانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے لیکن خیر اب تو پورا سال ہی وہاں ترتیب بن گئی ہے کہ پورا سال مسجدِ نبوی شریف رات بھر کھلی رہے گی اور پچھلے کچھ عرصے سے یہی ہے کہ رمضان ہو یا نہ ہو، رات کو بھی اور دن کو بھی کھلی ہوتی ہے، مکہ مکرمہ کی طرح۔تو وہاں رات کو جب نظافت اور صفائی ہوتی ہے اور قالینیں اُٹھائی جاتی ہیں تو جہاں روضة من رياض الجنة کی حد ختم ہوتی ہے، جہاں منبر مبارک ہے اُسکے پیچھے جو باب (دروازہ) ہے، اُس دروازے کے بالکل ساتھ اللہ اکبر! ابھی بھی کالے کالے رنگ کے فرش پر نشان لگے ہوئے ہیں اور وہاں کالے رنگ کا ماربل لگایا ہوا ہے۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں 40 آدمی پھاوڑے کدالیں لیکر رات کو داخل ہوئے تھے، امیرِ مدینہ کی ساز باز سے حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے اجسادِ مبارکہ کو نکالنے کا منصوبہ تھا، تو اللہ جل شانہ نے زمین کو حکم دیا اور زمین پھٹی اور سب کے سب اپنے پھاوڑے کدالوں سمیت زمین میں دھنس گئے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ تشریف فرما ہیں، چونکہ رب سے صلح ہے تو سب کی گردنیں جھک رہی ہیں۔ سارے ملک فتح ہو رہے ہیں، وہ دور دور تک اسلامی فوجیں دستک دے رہی ہیں اور سب لرزہ براندام ہیں، چونکہ جو رب سے ڈرنے والے ہوں تو سب اُن سے ڈرا کرتے ہیں، اُن کے اسمِ گرامی پر ہی کپکپی طاری ہو رہی ہے۔

سارے عیسائی اور یہودی جمع ہوئے اور منصوبہ بنایا کہ جب تک عمر موجود ہیں، اُس وقت تک ہم مغلوب ہی رہیں گے، یوں ہی بھیڑ بکریوں کی طرح پکڑے جائیں گے، گرفتار ہوں گے اور ہماری شہزادیاں لونڈیاں بنیں گی، ہمارے شہزادے غلام بنیں گے اور ہمارا سارا مال و دولت اُن کے جوتوں کی ٹھوکروں پر ہوگا۔ لہٰذا جب تک عمر زندہ ہیں، اُس وقت تک ہم غالب نہیں آسکتے، مار ہی پڑتی رہے گی۔ چونکہ وہ رب کی صلح والے تھے اور رب سے صلح ہو تو سب سے صلح ہوتی ہے۔ اب کون ہے جو جا کے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت کا سر مبارک لے کے آئے۔

ایک بد بخت اُٹھا، اُس نے بڑے جوش سے کہا کہ میں جاتا ہوں، بڑا انعام و اکرام مقرر ہوا۔ وہ سفر پر سفر کرتا ہوا مدینہ منورہ آیا اور یہاں آکے سب کے ساتھ گھل مل گیا، حضرت علامہ واقدیؒ نے فتوح الشام میں یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے ساتھ کوئی دربان نہیں، کوئی پہرے دار نہیں، کوئی باڈی گارڈ نہیں، کوئی

ہٹو بچو کی فضا نہیں ہے، بس نماز ہے اور نماز کے بعد معمولات ہیں، پھر اُس نے دیکھا کہ قیلولہ کے لیے باغ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ روزانہ دیکھتا رہا، پتہ چلا کہ کوئی ساتھ نہیں ہوتا، اس نے سوچا کہ یہ مناسب ترتیب ہے، ایک دن یہ ذرا پہلے چلا گیا اور درخت پر چڑھ کر چھپ گیا۔

حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ تشریف لائے، بڑی شان کے ساتھ، ردا کندھے مبارک پر، عمامہ مبارک ہے اور قیلولہ فرمانے لگے، اللہ ہم سب کو سنتوں پر چلنے والا بنائے۔ دوپہر کو سو کے رات کو جلدی اُٹھنے سے قوت و مدد حاصل کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سے جو لینے کا وقت ہے، اُس وقت ہم اللہ تعالیٰ سے لے رہے ہوں اور دینے کے وقت سب کو دیں رہے ہوں لینے کے وقت ہی ہمیں ہوش نہ ہو تو ظاہر ہے پھر خالی ہاتھ کیا ہوگا، قلاش ہی ہوں گے، اللہ ہم سب کو دنیوی اُخروی سعادتیں نصیب فرمائے۔ اب وہ درخت کے اوپر چڑھا ہوا ہے، حضرت تشریف لائے اور اُسی درخت کے نیچے اپنی ردا (چادر) بچھائی اور وہیں مٹی پر ہی آرام فرمانے لگ گئے۔ اس نے سوچا کہ یہ مناسب موقع ہے اور جب کسی کی موت آتی ہے تو وہ خود ہی سامنے آجاتا ہے۔ اب میں کہاں کہاں تلاش کرتا اور اگر کسی اور درخت کے نیچے سوتے تب بھی آہٹ ہو جاتی، یہ تو بالکل وہیں پر آگئے ہیں۔

اب وہ کہتا ہے کہ میں آہستہ آہستہ اُترنے لگا تاکہ جلدی سے اپنا کام کر کے نکل جاؤں چنانچہ جب میں نے اُترنا شروع کیا تو ابھی تھوڑا اُترا ہی تھا کہ ایک دم سے ایسی آواز سنائی دی جیسے خشک پتوں پر جب کوئی چلے تو آواز آتی ہے۔ تو میں نے دیکھا کہ سامنے جھاڑیوں سے بھاری بھاری قدموں کی آواز آرہی تھی، میں ڈر گیا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ رہا ہو اور کوئی آنہ رہا ہو۔ میں غور کر رہا تھا کہ اچانک جھاڑیوں میں سے ایک قدِ آدم شیر نمودار ہوا اور سامنے کی

طرف بڑھا اور سیدھا آیا اور اللہ کے نبی علیہ السلام کے خلیفہ برحق حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے قدمین مبارکہ کی طرف ادب سے بیٹھ گیا، اللہ ہم سب کو ادب نصیب فرمائے۔ اُٹھانے کا بھی ادب ہے نا، جھنجھوڑ کے نہیں اُٹھانا ہے۔ کراچی اجتماع تھا، ہمارے حضرت مفتی زین العابدین صاحبؒ بھی تشریف فرما تھے، ہم لوگ بھی حاضر تھے۔ بیان سے فارغ ہوئے اور رات کو آرام فرمانا تھا، کچھ ساتھی آئے اور اُنہوں نے حضرت کو دبانا شروع کیا، یعنی دبانا کیا بلکہ حضرت کو تھکانا شروع کیا۔

دبانے کے بھی آداب ہیں تو حضرت نے فرمایا بھئی! دبانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک جگانے کے لیے، دوسرا سلانے کے لیے۔ ہم نے سونے کی نیت کی ہوئی ہے اور یہ ساتھی جو ابھی مجھے جگا رہے ہیں، اگر یہ صبح کو اُٹھانے کے لیے آجائیں اور ابھی سلانے کے لیے کوئی ساتھی ہو جائیں، چونکہ ایک دبانا سلانے کے لیے ہوتا ہے اور ایک جگانے کے لیے ہوتا ہے اب بعض اس طرح دباتے ہیں کہ ہڈیاں بھی چڑ چڑانے لگ جاتی ہیں، دبانے سے پہلے پوچھ لینا چاہیے اور ویسے دبانے کی عادت اچھی نہیں ہے۔

ہمارے حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس جگہ کو بھی دبایا جائے گا، وہ جگہ کمزور ہو جائے گی۔ مثلاً یہ جوڑ گیس ہیں، دبا دبا کے کمزور ہو جاتی ہیں، پھر آدمی جلدی معذور ہو جاتا ہے اور حضرت ماشاءاللہ چاق و چوبند تھے۔ اتنی عمر مبارک لیکن پھر بھی چاق و چوبند، فرماتے تھے کہ مجھے دبانے کی عادت نہیں ہے اور ویسے فرماتے تھے کہ ہم کسی سے دبنے والے کب ہیں بھئی۔ ہم تو دبنے والے بھی نہیں ہیں، خیر! ادب واحترام اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ تو شیر ادب سے آیا اور آ کے پاؤں مبارک کی طرف بیٹھا اور حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے تلوے اپنی زبان سے چاٹنے لگ گیا۔ حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی آنکھ

مبارک کھلی، شیر نے دیکھا تو گھبرا کے اُس نے اپنی نظریں نیچی کر لیں، حضرت سمجھ گئے کہ کوئی مسئلہ ضرور ہے تو اُس سے فرمایا کہ کیسے آنا ہوا؟ اُس نے اوپر نظر اُٹھائی۔

جب اُوپر دیکھا تو وہ واقعہ خود بیان کرتا ہے کہ پھر کیا تھا کہ سینکڑوں ہزاروں میل دور جن عمرؓ کا نام سن کر ہم کانپتے تھے، آج اس حالت میں دیکھ کر میری تو کیفیت ہی عجیب ہوگئی اور میری حالت خراب ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا! نیچے اُتر، میں نے کہا کہ اگر جان کی امان ہو تو نیچے اُتروں، فرمایا ہاں! ہم امان دیتے ہیں آپ کو۔ میں نیچے اُترا اور اُترتے ہی میں نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ اب شیر نے ادب سے اپنا سر جھکایا اور دم ہلانے لگ گیا، گویا اجازت مانگ رہا ہے اجازت بھی ادب سے مانگی ہے، زور سے نہیں مانگی اور ضد نہیں کرنی کہ میرا بیٹا یہاں پڑھتا ہے، آپ چھٹی کیوں نہیں دیتے ہیں؟ یہ کیا مسئلہ ہے شادی ہے بہن کی نہیں بھئی! ادب سے۔ آپ کو پتہ نہیں کہ اُستادِ محترم ہیں، آپ کو پتہ نہیں کہ یہ عام بات نہیں ہے، اللہ ہم سب کو ادب والا بنائے۔

اچھا دیکھئے! آپ نے اجتماعات میں شرکت تو کی ہوگی، وہاں مکبر ہوتے ہیں یا ایسی جگہوں پر جہاں صفیں زیادہ بن جائیں، وہاں تکبیرات کا انتقال کرنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا خیال ہے اُنہوں نے اپنی اپنی جماعت شروع کر دی ہے یا امام صاحب کی آواز سب تک پہنچا رہے ہیں؟ امام صاحب کی آواز سب تک پہنچا رہے ہیں۔ ایسے ہی اللہ کی قسم! یہ اساتذہ کرام، قراءِ عظام، علمائے کرام اپنی بات نہیں فرما رہے بلکہ یہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک آواز ہم تک پہنچا رہے ہیں۔ اس لیے ہم اصل میں مقتدی تو سب اُن ہی کے ہیں اور یہ بیچ میں وہ ہستیاں ہیں جو مبارک آواز ہم تک پہنچا رہے ہیں، لہٰذا بڑے ادب سے، اپنے دل کو تھام کے اور سر جھکا کر بہت سلیقے سے بات کرنی چاہیے اور اگر

ہم ایسا کریں گے تو ہماری اولاد کو بھی سلیقہ نصیب ہوگا، اللہ ہم سب کو ادب والا بنائے۔

بے ادبی سے آدمی محروم ہو جاتا ہے، اُستاد صاحب کی غیبت تو دور کی بات، زبان کو میلا کرنا تو دور کی بات، دل کو بھی میلا کرنا اللہ کو ناپسند ہے۔ پھر آدمی محروم ہو جاتا ہے، اللہ ہم سب کو ادب والا بنائے اور فون پر بات کرنی ہو تو وہ بھی ادب سے۔ میں نے اپنی بات عرض کر دی ہے، اب جیسے آپ ارشاد فرمادیں۔ کیا مریض اصرار کرتا ہے؟ نہیں نہیں! وہ تو اپنی مرض بتادیتا ہے، آگے معالج کی مرضی ہے۔ کوئی مریض ایسا ہو جو اپنی مرضی سے نسخہ تجویز کرے کہ مجھے یہ نسخہ لکھ کر دیں، مجھے یہ دوائی دیں تو وہ مریض کبھی مرض سے نجات نہیں پا سکتا۔ آپ کے ذمہ ہے اپنا مرض بتانا اور معالج کے ذمہ ہے دوائی بتانا۔

اس لیے اب خود ہی طے کر کے کہ میری رائے یہ ہے کہ یوں ہو جائے اور یہ ترتیب بن جائے، یہ سب باتیں غلط ہیں۔ آپ نے اپنی بات رکھ دینی ہے، آگے جیسے اُستادِ محترم، جیسے مدرسہ کے ذمہ دار جو فیصلہ فرمائیں اور جو تشخیص فرمائیں وہی مناسب ہوگی۔ بچوں کا ذہن تو یہ بنا ہو کہ جیسے فرمادیں گے بس ویسے ہی ہوگا اور سب سے پہلے بچوں کو خبر نہیں دینی ہے۔ اُن کو یہ نہیں بتانا ہے کہ بہن کی شادی ہے، ابھی تو چلے جاؤ مدرسے، میں آؤں گا اور آکے مہتمم صاحب سے بات کروں گا کہ ذرا آپ کو چھٹی دے دیں بس اُسکی تو اُسی وقت چھٹی ہو جاتی ہے، اُسکی سوچ، فکر تو اُسی وقت سبق سے اور مدرسے سے ہٹ جاتی ہے۔ اب اُسکا جسم مدرسہ میں ہے لیکن روح اُسکی کہیں اور ہے، یہ ماں باپ بہت زیادہ اپنے بچے کا نقصان کر رہے ہیں، اللہ ہم سب کو اچھے ماں باپ بنائے۔

بچے کو پہلے سے خبر دے دینا، یہ بھی غلط ہے۔ اب مدرسے میں پہنچے اور آکے پہلے بچے سے مل کر اُس کو بتادیا، یہ بھی غلط بات ہے۔ کوئی فوتگی ہوگئی تو پہلی خبر اُس کو نہیں کرنی، کوئی

خوشی کا موقع آیا تو پہلی خبر اُس کو نہیں کرنی بلکہ اُستادِ محترم سے عرض کرنا ہے جیسے مریض ہسپتال میں داخل ہو تو سیدھا ہی جو کچھ لیا جا کے اُسکے منہ میں ٹھونستے ہیں یا پہلے ڈاکٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ گھر سے ماں نے یہ کسٹرڈ تیار کر کے بھیجا تھا، اگر آپکی اجازت ہو تو دے دیں اور منع کریں تو نہ دیں؟ اگر کسی ہسپتال میں مکھیاں بھی اُڑ رہی ہوں، مریض بھی لیٹے ہوں اور ڈاکٹر کسی کو کچھ پوچھتا ہی نہ ہو اور جو لایا مریض کو کھلا دیا تو ایسی ہسپتال میں سب اپنے مریضوں کو داخل کریں گے نا؟ کیوں نہیں کریں گے، اتنی آزادی ہے یہاں کہ جب جسکا جی چاہے چلا جائے اور جو چاہے کھلا دے۔

سب کہیں گے کہ بھئی! یہ آزادی نہیں بربادی ہے اور ایک ہسپتال ایسا ہے جہاں ڈاکٹر صاحب بھی کھڑے ہیں اور اُن کے معاونین بھی کھڑے ہیں اور ہر چیز مکمل ترتیب کے ساتھ دیکھ کے دی جاتی ہے تو سب کہیں گے کہ جی! ہمیں تو اپنے مریض کو یہیں لے کے جانا ہے۔ اللہ کرے ہم روحانی اعتبار سے بھی ان چیزوں کی اہمیت کو سمجھ کے اس میں اساتذہ کرام کے ساتھ معاونت کرنے والے بن جائیں۔ تو براہِ راست کوئی بات نہیں جتانی اور براہِ راست کوئی خبر نہیں دینی ہے، بس بچے سے براہِ راست ہمارا تعلق ہی کوئی نہیں ہے۔ ہم معالج سے عرض کر دیں گے پھر جیسے ترتیب مشورے سے بنے گی۔ اچھا! یہ بورڈ بیٹھتا ہے، کہتے ہیں کہ جی! ہمارے مریض کو ڈاکٹروں کے بورڈ نے دیکھا ہے، یہ اساتذہ کرام تو اصل معالج ہیں اور یہ اساتذہ کرام کا مشورہ، یہ وہ بورڈ ہے جو روزانہ دیکھتا ہے، کتنے مشفق ہیں اللہ کی قسم۔ زندگی بھر اگر ہم سجدے میں پڑے رہیں تو شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ تو خیر! شیر نے ادب سے اجازت مانگی اور جب اجازت مل گئی تو پھر وہاں سے شیر واپس ہوا۔

وہ شخص کہتا ہے کہ مجھے خیال آیا اللہ جن کی یوں حفاظت فرماتے ہیں، اُنکا تو کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا تعلق نصیب فرمائے اور اللہ جل شانہ اپنی ذات سے صلح نصیب فرمائے۔ پھر کیا ہوتا ہے کہ جب بڑے اپنے بڑے (اللہ) کی مانتے ہیں تو پھر چھوٹے بھی اپنے بڑے کی مانتے ہیں، پھر فضائیں اچھی بن جاتی ہیں۔تو سارا زور بچوں پر ہی دینا ہے یا بڑوں پر بھی ہونا چاہیے۔آپ کہتے ہیں کہ بچے اچھے ہو جائیں، ہماری رائے ہے نہیں! بڑے بھی اچھے ہو جائیں۔آپکی چاہت یہ ہے کہ بچے جھوٹ نہ بولیں، ہماری چاہت ہے کہ بڑے بھی جھوٹ نہ بولیں۔آپ کہتے ہیں کہ بچے آوارہ نہ پھریں، ہم کہتے ہیں کہ بڑے بھی آوارہ نہ پھریں تو اگر بڑے اچھے ہو جائیں تو بچے خود بخود اچھے ہو جائیں گے اور بڑے اگر بگڑے ہوئے ہوں اور یہ خواہش کریں کہ بچے ٹھیک ہو جائیں تو یہ بظاہر ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ٹھیک بنادے۔

شروع میں جو احادیثِ مبارکہ پڑھی گئیں، اُنکا ترجمہ کرلیتے ہیں۔حضور علیہ الصلوۃ والسّلام نے فرمایا''جوکوئی بندہ غیر مفید کاموں میں مشغول ہوتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر سے اپنی نظرِ عنایت ہٹادی ہے''۔ جب کوئی لایعنی کاموں میں بے کار کاموں میں پڑ جاتا ہے تو یہ علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظرِ عنایت اُس سے ہٹادی ہے اور جس کام کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا، اگر اُسکے علاوہ کسی اور کام میں ایک لمحہ بھی اُسکا صرف ہوا تو یہ اُس کے لیے قیامت کے دن بڑی حسرت کی بات ہوگی۔حضور علیہ الصلوۃ والسّلام نے فرمایا''جس شخص کا حال چالیس سال کی عمر کے بعد بھی یہ ہو کہ اُسکی برائیوں پر بھلائیاں غالب نہ آئی ہوں (برائیاں ہی زیادہ ہوں، نیکیاں کم ہوں) تو اُسے پھر اپنے کو دوزخ میں جلنے کے لیے تیار کرلینا چاہیے''۔ چالیس سال

کے ہو گئے پھر بھی ہوش نہیں آیا۔

چہل سال عمرِ عزیزت گذشت
مزاجِ تو از حالِ طفلی نگشت

کوئی ذائقے میں تبدیلی نہیں ہے اور کوئی ذوق نہیں بدلا ہے، کوئی فکر نہیں پیدا ہوئی ہے اور کوئی احساس نہیں پیدا ہوا ہے، اللہ ہم سب کو حضور علیہ السلام کی کامل نسبتیں عطا فرمائے اور آپ علیہ السلام کی کامل اتباع جلوتوں خلوتوں میں نصیب فرمائے۔ اپنے گھروں کا ہم ضرور جائزہ لیں کہ وہاں خیر ہے یا شر ہے، آلاتِ خیر ہیں یا آلاتِ شر ہیں۔ ہر دفتر کا، ہر دکان کا جہاں ہم بیٹھتے ہیں، اپنی ذات سے بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اپنی ذات میں لگ کر اُمت کو بھول جانا بھی غلط اور اُمت میں مصروف ہو کے اپنی ذات کو بھول جانا بھی غلط ہے۔ اپنی ذاتی اصلاح کی فکر کے ساتھ ساتھ اُمت میں قیامت تک آنے والے آخری انسان تک کی فکر کرنی ہے اور اسی طرح اپنے گھر والوں کی بھی فکر کرنی ہے۔ روزانہ بچوں کو وقت دینا ضروری ہے، اپنی بیوی کو وقت دینا ضروری ہے۔

ہمارے حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ، اللہ جل شانہ صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے، بڑوں کے سائے ساری اُمت کے سروں پر سلامت فرمائے، حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ 3 دن کے لیے ہمارے ساتھ کوئی ساتھی چلا گیا تو اُس پر تو اتنی محنت کہ اُسے سب کچھ سکھا دیا لیکن جس بیوی کی زندگی بھر کی ساتھ تشکیل ہے، اُس پر کوئی محنت نہیں ہے۔ اجی! اس کو سہ روزہ کیوں نہیں لگوا رہے ہیں، گھر میں تعلیم کیوں نہیں ہو رہی اور اس کو چھ نمبر کیوں نہیں یاد ہو رہے ہے، یہ تلاوت کیوں نہیں کر رہی ہے، یہ تہجد میں کیوں نہیں اُٹھ رہی، اسکی زندگی میں نیکی کیوں نہیں آ رہی، سادگی اور تقوای

کیوں نہیں آیا اور یہ قربانی میں کیوں آگے نہیں بڑھ رہی؟ اس لیے ایک سہ روزہ مردوں میں اور ایک مستورات میں لگانا، تین سہ روزوں کے بعد 15 دن کے لیے لے کر جانا، پھر چلے کے لیے پھر ساڑھے چار ماہ کے لیے، قربانی میں آگے بڑھنا۔ اپنی بیٹی پر بھی محنت، داماد ایسا ہو جو بیٹی کو بھی قربانی میں آگے بڑھا کر اللہ کے قریب کرنے والا ہو اور بہو ایسی رکھنا جو بیٹے کے لیے بھی معاون ثابت ہو جائے۔

یہ گاڑی کے دو پہیے ہیں جو ٹھیک ہوں گے تو پھر سفر بھی ٹھیک رہے گا، یہ نہ ہو کہ وہ رسا کشی میں ہی لگے رہیں، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور بات یہ ہے کہ ہم سب کش مکش میں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سوءِ خاتمہ سے بچائے۔ پتہ نہیں کس سمت میں، کس طرف چلے جائیں۔ زندگی بھر جنت والے کام کیے اور بالکل قریب پہنچ کر کوئی ایسا کام ہو گیا کہ سیدھا جہنم میں اور زندگی بھر جہنم والے کام کیے اور قریب پہنچ کر کوئی ایسا کام ہوا کہ سیدھا جنت میں۔ خاتمے کا پتہ کوئی نہیں ہے، اسلئے ڈرتے ہی رہنا ہے اور سب سے اچھا گمان رکھنا ہے۔ کوئی نیکی نہیں چھوڑنی اور کوئی گناہ نہیں کرنا اور کسی کو حقیر نہیں سمجھنا ہے اور اللہ پاک سے مانگتے رہنا ہے۔ رسا کشی ہے، شیطان بھی اپنی طرف کھینچ رہا ہے، ایک شیطان کا راستہ ہے اور ایک رحمٰن کا راستہ ہے اور ہم بیچ میں ہیں، کبھی اِدھر کبھی اُدھر، اللہ کرے کہ سو فیصد ہی اُدھر ہو جائیں اور کبھی مشکل پیش آ رہی ہو تو ڈرنا نہیں ہے، نا امید نہیں ہونا ہے۔

جو نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

نیچا نہیں دِکھانا اپنے آپ کو، پڑے نہیں رہنا نیچے۔ اچھا! ایک مسئلہ بھی ہے، وہ یہ کہ کہتے ہیں جی! یہ نماز نہیں پڑھتا، فجر میں نہیں اُٹھتا تو ساتھی جاتے ہیں کشتوں میں اور متوجہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ جی! اصل میں کسی نے کچھ کیا ہوا ہے۔ کسی نے بتایا کہ اسکے ساتھ جن ہے، کوئی تعویذ ایسا دے دیں کہ یہ نماز پڑھنے لگ جائے۔

ابھی کراچی کے سفر میں جامعہ حمادیہ میں جمعہ کے دن بیانِ جمعہ پیر طریقت حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو سلسلہ قادریہ کے بڑے بزرگ ہیں وہ بھی تشریف فرما تھے۔ سارے اُن کے صاحبزادے سب بیٹھے ہیں، جمعہ کا بیان ہے تو دورانِ گفتگو مجھے خیال آیا، میں نے کہا نہیں نہیں اسکے ساتھ جن نہیں ہے۔ اچھا! یہ قرآنِ پاک پکڑتا ہے تو اس کو کچھ ہو جاتا ہے اور جب ناول پکڑتا ہے تو پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ کچھ ہے۔ تو میں نے کہا واقعی اسکے ساتھ جن نہیں بلکہ ابوالجن ہے۔ شیطان ابوالجن ہے یا نہیں؟ سارے جنوں کا باپ اس کو چمٹا ہوا ہے اور یہ تو حضور علیہ الصلوۃ والسّلام نے فرمایا کہ جو فجر میں نہیں اُٹھتا، شیطان نے اُس کو نیچے گرایا ہوا ہے، اب یہ نیچے پڑا ہوا ہے۔

دفتر کے لیے کوئی جن نہیں ہے، ناول رڈائجسٹ کے لیے اور اخباروں کے صفحے گرانے کے لیے کوئی اس کو نہیں گراتا لیکن قرآنِ پاک کو جونہی ہاتھ لگاتا ہے، بس اس کو کچھ ہو جاتا ہے۔ تو یہ شیطان کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے، کیوں نہیں کچھ ہوتا اس سے، ذرا ہمت کر کے وہاں سے نکلے تو رحمٰن اس کے انتظار میں ہے کہ میرا بندہ ہمت تو کرے، میری رحمت اس کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے بے تاب ہے، اللہ ہم سب کو ان جنوں سے بچائے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسّلام نے فرمایا دس مرتبہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لو، دن بھر شیطان سے بچ جاؤ گے اور پھر دس مرتبہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی

العظیم اور پھر دس مرتبہ جو سورۃ اخلاص پڑھتا ہے علی الصبح، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اُس دن کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہو گا خواہ شیاطین کتنا ہی زور لگا لیں۔ تو یہ ایک مشق (Exercise) بھی کیجیے نہ بھائی، باقی ساری جگہوں پر تو خوب کرتے ہیں اور شیطان کے نیچے پڑے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی! جن ہے اسکے ساتھ۔ جن نہیں ابوالجن ہے اور اُس کو ہٹانے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ترتیب بتائی ہے، اس لیے ساتھ ساتھ توبہ کر کے اپنے رابطے کو درست کرنا ہے۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہرحال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

عاشق سمجھتے ہیں آپ؟ یہ دنیا میں لوگوں سے جو کر رہے ہیں یہ عاشق نہیں فاسق ہیں، یہ عشق نہیں فسق کر رہے ہیں، یہ عشاق نہیں فساق ہیں۔ عاشق وہ ہے جو خالق پر مرتا ہے اور فاسق وہ ہے جو مخلوق پر مرتا ہے۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہرحال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

پھر بھاگے اللہ کی طرف کہ اے اللہ! میں آپ ہی کا ہوں، یہ شیطان نے مجھے نوچا ہے لیکن یا اللہ! میں پھر بھی آپ ہی کی آغوش میں آنا چاہتا ہوں۔ یہ وہ بندے ہیں جو رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہ اپنے کو چھڑاتے ہیں نفس و شیطان سے، ماں سے کہتے ہیں، باپ سے دوست سے کہتے ہیں کہ شیطان ابوالجن مجھے نیچے گرائے رکھتا ہے، خدا کے لیے مجھے اُٹھا

کے لے جانا، پھر فضا بناتے ہیں۔ سہ روزے میں، عشرے میں، چلے چار مہینے میں اور پھر سال رسات مہینے میں، ہر تقاضے پر چلتے ہیں ایک دوسرے کو لے کر تو رب کتنا اُن سے پیار کریں گے کہ مجھ تک آنے کے لیے کتنا زور لگا رہا ہے۔ جو بچہ اُٹھنے کی نیت کرے تو ماں لپک کر اُس کو ویسے ہی سینے سے لگاتی ہے، اللہ ہم سب کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے (آمین)۔

بیان سائنس ماڈل کالج مظفرآباد، رمضان المبارک (اکتوبر 2006)

الحمد لله الحمد لله الذی احسن ما خلق و بسط ما رزق وفتح واغلق واسکت وانطق خلق السموت فرتق ثم فتق مارتق والارضین فاطبق والجبال فاشهق والبحار فاعمق والیل فاغسق والصبح فافلق و الرعد فابرق والجنان فاحدق والاشجار فاورق سبحان الابدی الابد سبحان الواحد الاحد سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السمآء بغیر عمد سبحان من بسط الارض علی مآء جمد سبحان من خلق الخلق فاحصاهم عدد سبحان من قسم الرزق ولم ینس احد سبحان الذی لم یتخذ صاحبةوّلا ولد سبحان الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد اللهم صل علی محمد و اله بقد ر حسنه وکماله اما بعد

فاعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ٥ بسم الله الرحمن الرحیم٥ یاأیهاالذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ٥

وقال النبی ﷺ " لو یعلم العباد ما رمضان لتمنت امتی ان یکون سنة کلها "

وقال النبی ﷺ " انکم علی بینة من ربکم ما لم تظهر فیکم سکرتان، سکرة الجهل و سکرة حب العیش وانتم تأ مرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتجاهدون فی سبیل الله

فاذا ظهر فیکم حب الدنیا فلا تأمرون بالمعروف ولا تنهون عن المنکر ولا تجاھدون فی سبیل اللہ القائلون یومئذ بالکتاب والسنۃ کالسابقین الاولین من المہاجرین والانصار " او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام

اللہ جل شانہ نے اعمال میں تاثیر رکھی ہے،" ان خیراً فخیر وان شراً فشر " اعمال اچھے ہوں تو نتائج اچھے مرتب ہوتے ہیں، اعمال برے ہوں تو نتائج برے مرتب ہوتے ہیں۔ کچھ معروفات ہیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، کچھ منکرات ہیں جن سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمتی ہیں۔ ہمیں سب کو دیکھ کے نہیں چلنا ہے بلکہ اپنے رب کو دیکھ کے چلنا ہے۔ ہم نے سب کی چاہتوں کو پورا نہیں کرنا، اپنے رب کی چاہتوں کو پورا کرنا ہے۔ ہم نے یہ نہیں دیکھنا کہ ہم سب کو کیسے لگتے ہیں، ہم نے دیکھنا ہے کہ اپنے رب کو ہم کیسے لگتے ہیں۔ سب کی نگاہ میں ہم کیا ہیں، اسکی پرواہ ہم نے نہیں کرنی، اپنے رب کی نگاہ میں ہم کیا ہیں اس کی فکر کرنی ہے۔

یہ ایک بنیاد اور اساس ہے۔ اس بنیاد کو ہم لے کے چلیں تو جو معروفات ہیں کرنے کی چیزیں ہیں اور ہم سب نے کرنی ہیں، جو منکرات ہیں وہ چھوڑنے کی چیزیں ہیں اور ہم نے چھوڑنی ہیں۔ جو کرنے کے کام ہیں وہ ہم کرنے لگ جائیں اور جو نہ کرنے کے کام ہیں اُن کو ہم نہ کرنے والے بن جائیں تو اللہ کی پسند ہماری پسند بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسند ہماری ناپسند بن جائے گی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں سب کی مرضی تو معلوم ہے، اپنے رب کی مرضی معلوم نہیں ہے۔ ہمیں سب کا پتہ ہے، اپنے

رب کا پتہ نہیں ہے۔ ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اپنی مناجات میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے کہ

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اک خبردار تیرا
کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلبگار تیرا

اے اللہ! ہمیں سب کی خبروں سے بے خبر کر دے اور اپنی خبر نصیب فرما دے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں سب کی خبر تو ہے لیکن اپنے رب کی خبر نہیں ہے۔ پوری دنیا میں ایسا انتظام بن گیا ہے کہ کہیں کی بھی کوئی خبر ہو وہ جھٹ سے ہمیں پہنچ جاتی ہے اور خود سے بھی ہمیں سب کی خبریں معلوم کرنے کا خیال ہوتا ہے لیکن رب کی خبروں کو معلوم کرنے کا جذبہ ہمارے اندر نہیں ہے۔ ہماری بنیاد تو " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ " بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلا " او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ اُس میں بنیادی ستون لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا ہے اور پھر نماز کو قائم کرنا۔ صرف نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ نماز کو قائم کرنا ہے۔ پڑھنا صرف یہ ہے کہ نماز کو سر سے اُتار دینا اور نماز کے قائم کرنے میں دو باتیں ہیں۔ اپنی ذات سے خود بھی نماز پڑھنا اور دوسروں کو بھی نماز پڑھنے والا بنانا، یہ ہے اقامتِ صلوٰۃ۔ چونکہ یہ اُمت انفرادی نہیں ہے بلکہ اجتماعی سوچ رکھنے والی اُمت ہے۔

اس لیے ہمیں اپنی ذات سے بھی ٹھیک چلنا ہے اور دوسروں کو بھی صحیح راستے پر چلانا ہماری ذمہ داری ہے۔

امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا، اسی طرح آپ ﷺ کی اُمت بھی آخری اُمت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ والی ذمہ داری اس اُمت کے ہر ہر فرد کے ذمہ ہے۔ تو اپنی ذات سے بھی نماز کا اہتمام کرنا ہے اور معاشرے میں بھی نماز کو قائم کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ زکوۃ خود بھی ادا کرنی ہے اور ساتھ معاشرے میں زکوۃ دینے کی فضا بھی بنانی ہے۔ روزہ خود بھی رکھنا ہے اور روزہ رکھنے کی فضا بھی بنانی ہے۔ خود بھی حجِ بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہونا ہے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے کر اس پر آمادہ کرنا ہے، اس لیے کہ آدمی غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حجِ بیت اللہ کے حوالے سے کتنے ایسے ہیں کہ جن پر حج فرض ہے لیکن مختلف قسم کے حیلوں بہانوں کی وجہ سے اتنی بڑی سعادت سے ابھی تک محروم ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جی! گھر میں جوان بیٹیاں بیٹھی ہوئی ہیں، میں حج کو کیسے جا سکتا ہوں؟ بڑی عجیب بات ہے، جوان بیٹیوں اور حج کا آپس میں کوئی تعارض تو نہیں ہے۔

بیٹیاں تو اللہ کی بڑی رحمت ہیں، وہ حج میں کیسے مانع ہو سکتی ہیں؟ یہ بات تو سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میرے والدین ہیں، اس لیے میں حج کو نہیں جاتا ہوں۔ بھئی والدین کا ہونا تو اور زیادہ برکت کی بات ہے۔ آپ پر حج فرض ہے، آپ اُن سے اجازت بھی لے لیں اور اُن سے دُعا بھی کروائیں اور اُن کی دعاؤں کے ساتھ حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کریں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حکموں کو معلوم کرنا ہے کہ میرے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں۔

زکوۃ کی ادائیگی میں بھی کوتاہیاں ہیں۔گھر میں زیور موجود ہے اور بیوی استعمال بھی کر رہی ہے لیکن کبھی پلٹ کر پوچھنے کا خیال بھی نہیں آتا کہ آپ نے اسکی زکوۃ بھی ادا کی ہے یا نہیں؟ اپنی زکوۃ کی ادئیگی میں بھی اسکا خیال نہیں آتا کہ میری فیکٹری ہے، کارخانہ ہے، میری دکان ہے یا میرا فلاں کاروبار ہے یا میرا زراعت کا مسئلہ ہے اور اسکا عشر ادا کرنا میرے ذمہ ہے۔اس لیے کہ رب کا بندہ ہوں، سب کا نہیں ہوں۔ میں نے رب کی منشاء کو معلوم کرنا ہے اور رب کی منشاء معلوم ہوگی امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالی سے۔لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ دونوں ملیں گے تو ایمان کامل ہوگا۔ لا الہ الا اللہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں اور محمد رسول اللہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے حکم اللہ تعالیٰ کا ہوگا اور طریقہ حضور علیہ السلام کا ہوگا، یہ ہماری بنیاد ہے اور ہمیں اس بنیاد پر آنے کی ضرورت ہے۔

یہ اُمت ساری اُمتوں کی امام ہے اور اسکے نبی سارے نبیوں کے امام ہیں۔سارے نبیوں پر جنت حرام ہے جب تک نبی علیہ السلام جنت میں داخل نہ ہوں اور ساری اُمتوں پر جنت حرام ہے جب تک یہ اُمت جنت میں نہ چلی جائے۔یہ اُمت امام بن کر آئی ہے، مقتدی بن کر نہیں آئی۔اس لیے زمانے کے ساتھ نہیں چلنا بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ لے کر حضور علیہ السلام کے پیچھے چلنا ہے، زمانے کے ساتھ چلنے سے اِس اُمت کا کام نہیں بنے گا، یہ اس اُمت کا منصب نہیں ہے۔زمانے کے ساتھ تو تب چلے کہ اس کا اپنا کوئی نہ ہو، اس کے تو نبی ﷺ ہیں جو سرکارِ دو عالم، فخرِ موجودات، امام الرسل، ہادیٔ سُبل، محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ ﷺ ہیں، اس نے تو اُنہیں دیکھ کے چلنا ہے۔زمانہ کہیں بھی چلا جائے ہم نے زمانے کو نہیں دیکھنا۔

زمانہ نمرود کے ساتھ تھا، اللہ تعالیٰ کی مدد ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ زمانہ فرعون کے ساتھ تھا، اللہ تعالیٰ کی مدد موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی اور زمانہ قیصر وکسریٰ کے ساتھ تھا، اللہ تعالیٰ کی مدد حضور ﷺ کے ساتھ تھی۔ اس لیے زمانے کو دیکھ کر نہیں چلنا زمانے کو دیکھ کر چلنے کی مثال بھیڑ چال کی سی ہے کہ ایک بھیڑ کنویں میں تو باقی بھی کنویں میں پوچھنے والے نے پوچھا کہ آپ کیوں جا رہی ہو؟ تو کہنے لگی کہ یہ جو جا رہی ہیں۔ اس لیے ہم نے بھیڑ چال نہیں چلنی اور اللہ کی قسم!

افلت شموس الاولین وشمسنا

ابداً علی افق العلیٰ لا تغرب

سارے سورج غروب ہو گئے، اللہ کی قسم! ایک آفتابِ نبوت ہے جو قیامت تک کے لیے طلوع ہے اور کبھی غروب ہونے والا نہیں ہے۔ جب بھی روشنی کی ضرورت پڑے گی تو حضور ﷺ کی ذاتِ عالی سے لینی ہو گی۔ ہم یہ جو کہتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے نبی ہیں، یہ صرف سمجھانے کے لیے ہے ورنہ قیامت تک کے نہیں قیامت کے دن کے نبی بھی حضور ﷺ ہیں۔ آپ خود اندازہ فرمائیے کہ قیامت کے دن سارے انبیاء کن کا پتہ بتائیں گے؟

آدم علیہ السلام کے پاس ساری انسانیت جائے گی، اس کے بعد نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پھر ابراہیم علیہ السلام کے پاس، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو سارے انبیاء علیہم السلام کن کی طرف بھجوائیں گے؟ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں گے۔ اس لیے قیامت کے دن کے نبی بھی حضور علیہ السلام ہیں۔ سارے نبیوں کے نبی حضور علیہ

السلام اور جنت کے اندر بھی نبوت حضور علیہ السلام کی ہوگی۔ لہذا کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ماننے والا، کوئی ابراہیم علیہ السلام کا ماننے والا جنتی اُس کے جی میں آئے گا کہ میں دو رکعت نفل ادا کروں تو ظاہر ہے کہ وہ کسی طریقے پر قبول نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق ادا کرے۔ اس لیے کہ ساری نبوتیں آتی گئیں اور جاتی گئیں لیکن ایک حضور ﷺ کی نبوت ہے، جو ہمیشہ کے لیے ہے اور کبھی ختم نہیں ہوگی۔

ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا مقام اور اعزاز عطا فرمایا، اس لیے ہم نے زمانے کے ساتھ نہیں چلنا بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ لے کر حضور ﷺ کے ساتھ چلنا ہے۔ جس دین کو حضور ﷺ لے کر آئے، اُسے اپنی ذات میں بھی لانا ہے اور پھر ساری اُمت اور ساری انسانیت میں لے کر جانا ہے۔ یہ ذمہ داری حضور ﷺ کی نیابت میں اِس اُمت کے ہر ہر فرد (مرد وعورت) کے ذمہ ہے۔ معروفات کو ہم کرنے والے بن جائیں اور منکرات سے بچنے والے بن جائیں۔ جو کرنے کے کام ہیں، وہ کرنے لگ جائیں اور جو چھوڑنے کے کام ہیں وہ ہم چھوڑنے لگ جائیں۔ نیکی کرنے کی ہے، اس لیے نیکی کریں گے اور گناہ چھوڑنے کی چیز ہے، اس لیے اُسے چھوڑ دیں گے۔ نیکی آدمی کو لطیف بناتی ہے اور گناہ آدمی کو کثیف بناتا ہے۔ نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے کر جاتا ہے۔ نیکی آدمی کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہے اور گناہ آدمی کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے۔

حضرتِ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے تھے کہ جہنم میں جانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے، جنت میں جانے کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، اس لیے اوپر جانے کے لیے محنت ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، اس لیے نیچے جانے کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ آدمی اپنی طبیعت پر،

اپنے مزاج پر اور اپنی مرضی پر چلے تو سیدھا جہنم میں جائے گا۔

کیوں مجھ کو شکایت ہو کسی غیر سے چھوٹی
خود اپنی ہی تقصیر سے قسمت میری پھوٹی
اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی
افسوس تو یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے چھوٹی

اِس رسی کو ہم نے مضبوط پکڑنا تھا لیکن آج ہم نے یہ رسی چھوڑ دی ہے جس کی وجہ سے ہم اوپر نہیں جاسکتے اور ظاہر ہے کہ جہنم نے بھی یہیں نیچے قائم ہونا ہے تو اگر آدمی اپنی طبیعت پر چلے گا تو وہ بنا بنایا جہنمی ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بچے کو جاہل بنانے کی کوئی محنت نہیں ہے۔ بچے کو جاہل بنانے کے لیے کوئی مشورہ نہیں کرتا بلکہ ماں باپ بچے کی جہالت کو ختم کر کے اُسے زیورِ علم سے آراستہ کرنے کا سوچتے ہیں اور بچہ تو پیدائشی جاہل ہے، بنا بنایا جاہل ہے۔ اب اُس کی جہالت کو ختم کرنے کے لیے محنت ہے لیکن اُسے جاہل بنانے کی کوئی محنت نہیں ہے۔

زمین کو بنجر بنانے کی کوئی محنت نہیں ہے، بنجر پنے کو ختم کر کے اُسے سرسبز و شاداب بنانے کے لیے محنت ہے۔ ایسے ہی جہنم میں جانے کی کوئی محنت نہیں ہے، آدمی اپنی طبیعت پر، اپنے مزاج پر چلے تو سیدھا جہنم میں جائے گا اور یہی تو کُش مکش ہے۔ کُش اور مکش دونوں فارسی کے الفاظ ہیں۔ کُش امر کا صیغہ ہے اور مکش نہی کا صیغہ ہے۔ اچھا! یہ لفظ خودکشی نہیں ہوتا بلکہ خود کُشی ہوتی ہے یعنی اپنے کو مار ڈالنا اور خود کَشی کا مطلب ہے اپنے کو گھسیٹنا اور اپنے کو تو کوئی بھی نہیں گھسیٹتا بھئی، چنانچہ کُش کا مطلب کھینچ اور مکش کا مطلب مت کھینچ۔ اب نفس گناہ کی طرف کُش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو آ کے مکش کرتا ہے اور کہتا ہے

کہ دیکھ تو اللہ کا بندہ ہے۔ ایسا نہ کر، اپنے رب کو ناراض نہ کر۔ اپنے اتنے پیارے رب کو کیوں ناراض کرتا ہے، جس نے تجھے پیدا کیا اور کھلایا پلایا۔ اُس وقت تجھے کھلایا پلایا کہ جب کوئی بھی تجھے پوچھنے والا نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "یا ابن آدم جعلت لك في بطن امك قرارا وجعلت وجهك الى ظهر امك لكيلا توذيك رائحة الطعام وجعلت لك متكئين عن يمينك وعن يسارك واذا تمت مدتك اخرجتك على جناح ملك" اے میرے بندے! میں نے تجھے ماں کے پیٹ میں رکھا اور تیرے چہرے کو ماں کی پشت کی طرف کیا تاکہ کھانے کی بدبو تجھے پریشان نہ کرے۔ اے میرے بندے! میں نے ماں کے پیٹ میں تیرے لیے دو تکیے بنائے، دائیں بھی اور بائیں بھی (جگر اور تلی)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تکیوں سے میں تیری کروٹیں خود بدلا کرتا تھا اور جب تیری مدت پوری ہو گئی تو ایک فرشتے کے پَر پہ تجھے بٹھا کر باہر لایا۔

قتل الانسان ما اكفره ○ من اى شيء خلقه ○ من نطفة ط خلقه فقدره ○ ثم السبيل يسره ○ ثم السبيل يسره کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ راستہ کتنا تنگ اور اتنے پونڈ کا بچہ، کون اس کو نکال رہا ہے؟ اللہ جل شانہ نکال رہا ہے۔ ثم اماته فاقبره ○ ثم اذا شآء انشره ○ كلا لما يقض ما امره ○ فلينظر الانسان الى طعامه انا صببنا المآء صبا ○ ثم شققنا الارض شقا ○ فانبتنا فيها حبا ○ وعنبا وقضبا ○ وزيتونا ونخلا ○ وحدآئق غلبا ○ وفاكهة وابا ○ متاعا لكم ولانعامكم ○

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں "اخرجتك على جناح ملك" فرشتے کے پَر پہ تجھے بٹھا کر باہر لایا ہوں اور بچہ جب باہر آتا ہے تو سجدہ کرتا ہے، شاعر کہتا ہے کہ

یادِ داری کے وقتِ زادن تو
ہمہ خندہ بودن و تو گریاں
جنازے کہ وقتِ مردن تو
ہمہ گریہ بود و تو خنداں

اے انسان! تو اپنے بچپن کو سوچ کہ جب تو دنیا میں آیا تھا، سارے تیری آمد پر خوش تھے لیکن تو رو رہا تھا۔ زندگی ایسی گزارنا کہ سارے تیری جدائی پر رو رہے ہوں اور تو خوش خوش جا رہا ہو۔ نیک آدمی کے لیے آسمان بھی روتا ہے اور وہ جگہیں بھی روتی ہیں جہاں سے اُس کے نیک اعمال اوپر جاتے تھے۔ مسجد کی وہ جگہیں بھی روتی ہیں جہاں وہ نماز ادا کرتا تھا۔ وہ گلیاں بھی روتی ہیں جہاں سے وہ گزر کے نماز کے لیے آتا تھا۔ گھر کا وہ کونہ روتا ہے جہاں وہ بیٹھ کے اللہ کا کلام پڑھتا تھا، اسکی یاد میں سب روتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی بچے کے لیے سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ اُس کو پاک صاف کرنے کے بعد فوراً اس کے دائیں کان میں آذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ آذان دے کر اُسے یہ بتایا جا رہا ہے کہ دیکھ تو رب کا بندہ ہے اور تو نے مسلمان کے گھر میں آنکھ کھولی ہے، اس لیے اپنے رب کو بھلانا نہیں ہے۔

الله اکبر الله اکبر، اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی گئی، اشهد ان لا الٰه الا الله کی گواہی ڈالی گئی۔ اشهد ان محمدا رسول الله کا تعارف کرایا گیا کہ دیکھ تو نبی ﷺ کا اُمتی بن گیا ہے۔ حی علی الصلوٰة حی علی الفلاح، ابھی تو چند لمحے ہی گزرے ہیں اور ابھی تو اس کو پیدا ہوئے ایک گھنٹہ ہی ہوا ہے، ابھی سے کیا اسکو نماز کے لیے بلانا نہیں نہیں، ابھی سے اسکے اندر یہ شعور پیدا کرنا ہے کہ نماز کا حکم بھی تیری طرف متوجہ ہوگا۔

الله اکبر الله اکبر لا الہ الا الله دوسری طرف بائیں کان میں اقامت ہو رہی ہے جس میں قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ کے الفاظ کا اضافہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی۔ اب محدثین کرام فرماتے ہیں کہ آذان واقامت ہو جائے تو اس کے بعد نماز ہونی چاہیے۔ یہاں آذان واقامت تو ہو چکی ہے لیکن اب نماز کون سی ہوگی؟ فرماتے ہیں کہ اس آذان واقامت کی نماز، نمازِ جنازہ ہے۔ اُس وقت تو سمجھ نہیں آتی لیکن اس آذان واقامت کا مطلب یہ ہے کہ اے انسان! اب تجھے غفلت میں نہیں پڑنا ہے، اب تو تیاری میں لگ جا، اس لیے کہ تو مسافر ہے، پردیس میں آیا ہے۔ دیکھ بچے! یہ تیرا وطن نہیں ہے، وطن تیرا جنت ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور حضور ﷺ کا دیدار ہوگا ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتیں ہوں گی، وہ تیرا وطن ہے۔

دنیا پردیس ہے، یہ راستہ ہے، یہ بڑا جنکشن ہے۔ عالمِ ارواح سے تو چلا، باپ کی پشت میں آیا، پھر وہاں سے ماں کے پیٹ میں آیا، وہاں سے دنیا کے پیٹ میں آیا، پھر دنیا سے قبر کے راستے ہمیشہ کے سفر پر تو نے روانہ ہونا ہے۔ اس لیے ابھی تو رستے میں ہے، منزل تیری جنت ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ " الکیس من دان نفسه وعمل لمابعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنیٰ علی الله " او کما قال علیه الصلوۃ والسلام۔ عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کی تیاری میں لگ جائے اور بیوقوف آدمی وہ ہے جو نفس کے تابع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھنے لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے تجھے ماں کے پیٹ سے فرشتے کے پَر پہ بٹھا کے نکالا میں نے، " لا لك سن تقطع ولا لك ایدی تبطش ولا لك رجل تمشی لا

بناماًن حتی ترکد ، ولا یا کلاًن حتی تشبع ، اسلت لك عرقین رقیقین فلما اشتد عضدك ، بارءتنی بالمعاصی "۔ اُس وقت کو یاد کر کہ جب تیرے دانت نہیں تھے کہ تو کاٹ سکتا، تیرے ہاتھ تھے پکڑنے کی طاقت نہیں تھی، تیرے پاؤں تھے چلنے کی طاقت نہیں تھی۔ یہ سب چیزیں نہیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے دو نرم نرم دل بنائے، ماں اور باپ کا دل۔ وہ دونوں سوتے نہیں تھے جب تک کہ تو نہ سو جائے اور وہ کھاتے نہیں تھے جب تک کہ تو سیر نہ ہو جائے۔

میں نے تیری ماں کے سینے میں دو نہریں چلا دیں، دو باریک باریک دودھ کی نہریں، جب تک تو دنیا میں آیا نہیں تھا وہ نہریں خشک تھیں اور جونہی تو آیا تو وہ نہریں بھی دودھ سے میں نے بھر دیں اور پھر اُس میں مزے کی بات یہ ہے کہ وہ دودھ گرمیوں میں ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم ہے۔ یہ سب کچھ کون کر رہا ہے؟ اللہ جل شانہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں میں نے عطا کی ہیں۔ پھر جب تو جوانی کو پہنچا، تو تُو نے گناہ کر کے میرا مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ سب کچھ تو میں نے تجھے عطا کیا تھا اور منعمِ حقیقی بھی اللہ جل شانہ ہی کی ذاتِ عالی ہے، اب منعمِ حقیقی کی نعمتوں کا شکر کیا ہے؟

حضرتِ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ نعمت کا حقیقی شکر یہ ہے کہ اُس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے۔ آنکھ کی روشنی نعمت ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے۔ زبان کی گویائی نعمت ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بول نہ بولا جائے۔ کان کی شنوائی نعمت ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں استعمال نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے اور آزمائش کی جگہ ہے۔ نفس اور شیطان گناہ کی طرف کشش بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف مکش بھی کرتا ہے لہٰذا آدمی دونوں کے بیچ بیچ

چلتا ہے اور یہ وہ کشتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو بڑی پسند ہے، اس کے علاوہ کوئی کشتی نہیں پسند۔ ماں باپ سے، بہن بھائیوں سے اُلجھنا بالکل پسند نہیں ہے، یہ بڑے درجے کی حماقت اور بے ادبی کی بات ہے۔ جو مقابلہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے وہ نفس اور شیطان سے مقابلہ ہے۔

جو نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

ہم نے نفس اور شیطان کو اپنا دشمن سمجھنا ہے اور یہ نفس کیا ہے؟ نفس طبیعت ہی کا نام ہے کہ فلاں کام کو میری طبیعت نہیں چاہتی اور میرا جی نہیں چاہتا، یہ جی اور طبیعت ہی نفس ہے۔ آدمی اگر اپنے نفس کے تابع ہو گیا تو عاجز بن گیا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "بے وقوف اور احمق آدمی ہے وہ جو نفس کے تابع ہو جائے اور عقلمند آدمی وہ ہے جو نفس کو اپنے تابع کر لے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔ اپنے آپ کو ان ساری چیزوں سے نکالنا ہے، اس دلدل سے نکالنا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ "اگر خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کے حکم (نماز) کے لیے اُٹھیں گے تو روح بھی خوشی خوشی نکلے گی اور اگر اللہ کے حکم کے لیے خوشی خوشی نہیں اُٹھیں گے تو پھر روح بھی خوشی خوشی نہیں نکلے گی۔ آج ہم جب دکان سے نماز کے لیے خوشی خوشی نہیں نکلتے، دفتر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، ایئر کنڈیشن کمرے سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا، کل جب روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو پھر بڑی اذیت ہوگی، اُس کا بھی پھر نکلنے کو جی نہیں چاہے گا، وہ بھی پریشان ہوگی۔

حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ”جب بدعمل کی روح نکلتی ہے تو اُسے اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنا زندہ بکری کو آگ پر بھونا جائے یا زندہ بکری کی کھال اُتاری جائے“۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ”جنت میں جانے کے لیے تو محنت ہے جہنم میں جانے کے لیے کوئی محنت نہیں ہے۔ آدمی اگر اپنی طبیعت پر، اپنے مزاج پر اور اپنی منشاء پر چلے تو وہ سیدھا جہنم میں جائے گا“۔ آج ہم دائیں بائیں اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی فضائیں بنی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقوی سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تقوی کیا ہے؟ تقوی یہ ہے کہ مثلاً خاردار جھاڑیاں ہیں اور آپ نے وہاں سے گزرنا ہے تو دامن کو بچاتے ہوئے گزر جانا ہے۔

جس گلی میں گل ہوں تقوی کے چراغ
اُس گلی سے آنا جانا چھوڑ دے

اپنے تقوی کو کبھی نہیں آزمانا چاہیے، روزے میں یہ خاصیت ہے کہ وہ تقوے کو پیدا کرتا ہے۔ ”کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون روزہ اس لیے ہے تاکہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو جائے۔ اب روزے میں آپ نے حلال کھانا چھوڑا، اپنی حلال کمائی کا کھانا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا تو سحری کے وقت سے لے کر افطار تک آپ نے حلال چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے جو حلال ہے، اُس کو بھی آپ نے چھوڑ دیا تو جو چیزیں ہر حال میں حرام ہیں، اُن کو کیوں نہیں چھوڑتے؟ جھوٹ ہر حال میں حرام ہے، غیبت ہر حال میں حرام ہے، بدنظری ہر حال میں حرام ہے، ہر وقت حرام ہے۔ الغرض یہ جتنے بھی گناہ ہیں، یہ سارے گناہ ہر حال میں ہر

وقت حرام ہیں، یہ حلال چیزیں تو تھوڑی دیر کے لیے ہم نے چھوڑی ہیں لیکن حرام چیزیں تو ہر حال میں ہمیں چھوڑنے کی ضرورت ہے۔30 دن مشق ہوتی ہے،30 دن اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے کی خاطر ہم روزہ رکھتے ہیں تو30 دن کے اس مجاہدے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں عید کی خوشیاں دکھاتے ہیں۔ایسے ہی اگر ہم 30 سال کا روزہ رکھ لیں حرام سے، جھوٹ سے، غیبت سے، بہتان باندھنے سے اور حرام کھانے سے، کسی پر ناجائز تہمت لگانے سے، جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہیں، سب سے روزہ رکھ لیں تو مرتے ہی اللہ تعالیٰ ہمیں جنت کی خوشیاں نصیب فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں اپنی زیارتیں نصیب فرمائیں گے اس لیے ہم فانی فی اللہ بھی بن جائیں اور باقی باللہ بھی بن جائیں۔

حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! فانی فی اللہ اور باقی باللہ کا مقام کیا ہوتا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ "نیکی اور گناہ معاشرے میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں،اس لیے جب کوئی گناہ سامنے آئے تو آدمی مردہ بن جائے اور مردہ گناہ نہیں کرسکتا،اگر نیکی سامنے آئے تو آدمی زندہ بن جائے، زندہ آدمی نیکی کرسکتا ہے۔تو ہر گناہ کے سامنے مردہ بن جائے اور ہر نیکی کے سامنے زندہ ہوجائے۔فنافی اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر فنا ہوجائے۔

ایک اللہ والے بیٹھے ہوئے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ تو میرا خدا نہیں اور میں تیرا بندہ نہیں، تیری بات کیوں مانوں؟ ایک نوجوان پاس سے گزرا، اُس نے جب اُن بزرگ کی یہ بات سُنی تو اُسے بڑا افسوس ہوا کہ یہ لگتے تو بزرگ ہیں لیکن کیسا کفریہ جملہ زبان سے ادا کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے کہہ رہے ہیں کہ تو میرا خدا نہیں میں تیرا بندہ نہیں، تیری بات کیوں مانوں۔اُس نوجوان نے پوچھا کہ باباجی! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بزرگ فرمانے لگے کہ بیٹا! میں اللہ تعالیٰ سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں تو اپنے نفس کو سمجھا رہا ہوں، میرا نفس مجھے گناہ

کی دعوت دے رہا ہے، میں اُس سے کہہ رہا ہوں کہ تو میرا خدا نہیں اور میں تیرا بندہ نہیں، تیری بات کیوں مانوں؟

کیا خیال ہے ہم بھی تو اپنے نفس کو سمجھا سکتے ہیں۔ نفس کو تو ہم فاقے میں رکھیں اور اپنی روح کو غذا دیں۔ اب نماز روح کی غذا ہے، روزہ روح کی غذا ہے، زکوٰۃ روح کی غذا ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر روح کی غذا ہے، اس لیے کہ روح عرش سے آئی ہے اور اسکی غذا بھی عرش سے آئی ہے جو امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ لے کے آئے ہیں۔ یہ رمضان المبارک کا برکتوں والا مہینہ ہے اور رحمت کے دس دن شروع ہیں۔ آج ہم یہ عزم کرتے ہیں کہ اپنی روح کو کبھی فاقہ زدہ نہیں ہونے دیں گے، اگرچہ روح کو بھوک نہیں لگ رہی، جس طرح بیمار آدمی کو لذیذ کھانے اچھے نہیں لگتے اسی طرح روحانی بیمار کو پھر عبادت میں لذت نہیں آتی۔

ہم روحانی بیمار ہیں، ہمیں عبادت کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا۔ تلاوت کی لذت، تہجد کی لذت، دُعا کی لذت کا ہمیں کوئی پتہ نہیں ہے۔ ہمارا سب سے باتیں کرنے کو تو جی چاہتا ہے اپنے رب سے باتیں کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اب تو مختلف قسم کی موبائل کمپنیاں آگئی ہیں، کوئی موبی لنک (Mobilink) ہے تو کوئی یوفون (U-Phone) ہے، مجھے تو زیادہ نام بھی نہیں آتے۔ ایک مرتبہ مظفر آباد سے ایبٹ آباد جا رہے تھے، راستے میں جو صاحب گاڑی چلا رہے تھے وہ کسی سے فون پر بات کر رہے تھے، بات کرتے کرتے اُنہوں نے کہا کہ اچھا! اب آپ بند کیجیے، میں دوسری سم (SIM) ڈالتا ہوں۔

میں حیران ہوا، میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ نے کیا کہا؟ وہ کہنے لگے اصل میں وہ جس نمبر سے بات کر رہے تھے وہ U کا نمبر تھا اور میں نے موبی لنک (Mobilink) کی سم

ڈالی ہوئی تھی، اس لیے اُن سے بند کرنے کو کہا تا کہ اُن کا نقصان نہ ہو جائے۔ ایک طرح کی سم ہوگی تو خرچ بھی کم ہوگا۔ پھر اُنہوں نے جلدی سے دوسری سم ڈالی اور باتیں کرنی شروع کر دیں۔ میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ گئے، اُنہوں نے کہا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں؟

میں نے کہا مجھے اس بات سے صدمہ ہوا کہ آپ کو کتنی فکر ہے کہ ایک دوسرے سے رابطے کے دوران کہیں اُس کے مال کا نقصان نہ ہو جائے لیکن اعمال کا جو نقصان ہو رہا ہے، اُس کا کوئی صدمہ نہیں ہے، کوئی غم نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ ایک جگہ میں آپ کو ایسی بتاتا ہوں، جہاں آپ گھنٹوں باتیں کریں، پوری رات باتیں کریں، پورا دن باتیں کریں، جتنی مرضی باتیں کریں، آپ کا کوئی خرچ نہیں ہوگا بلکہ آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا جائے گا اور وہ رب سے باتیں کرنا ہے۔ ہمارا سب سے باتیں کرنے کو تو جی چاہتا ہے، اپنے رب سے باتیں کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

جتنی ہمیں ایک دوست سے محبت ہے، جتنی اپنے کسی ساتھی سے محبت ہے، اتنی بھی ہمیں رب سے محبت نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے رو رو کے مانگنے کی ضرورت ہے کہ اے اللہ! ہمیں مناجات کی لذت عطا فرما، اپنے سے باتیں کرنے کی توفیق عطا فرما، چونکہ اپنے معاملات سب سے ڈِسکس (Discuss) کریں تو سب خفا ہوتے ہیں، اپنے رب سے ڈِسکس کریں تو رب خوش ہوتے ہیں۔ سب کو اپنے مسائل بتائیں تو سب ناراض ہوتے ہیں، رب کو بتائیں تو خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے صدمے، اپنے دُکھڑے اور اپنے رنج و غم کی فریاد بھی صرف رب ہی سے کرنی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

روزہ تقوے کو پیدا کرتا ہے، ان اعمال کا جو نتیجہ ہے وہ ہم نے حاصل کرنا ہے، اس کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔ حضور ﷺ کی مبارک محنت دین کو زندہ کرنے کی محنت ہے، ہر ہر حکم زندہ ہوگا تو پھر اُن کا نتیجہ بھی ظاہر ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے دین کو لے کر سارے عالم میں پھرنا اور سب تک پہنچانا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

بیان حضرتِ اقدس دامت برکاتہم العالیہ، پی ایم ہاؤس (24مارچ 2008ء)

الحمد للہ الحمد للہ صاحب الجلالۃ والصلوۃ والسلام علی نبیہ صاحب الرسالۃ اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی الہ وسلم تسلیما، یارب صل وسلم دائما ابداعلی حبیبک خیر الخلق کلھم ھو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ لکل ھول من الاھوال مقتحم دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ مستمسکون بحبل غیر منفصم اما بعد:

فاعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیمoبسم اللہ الرحمن الرحیمo قد جآء کم من اللہ نور وکتب مبین o یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلم ویخرجھم من الظلمت الی النور باذنہo

وقال النبی ﷺ " انا رحمۃ مھداۃ ". او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام بارک اللہ لنا ولکم فی القرآن العظیم ونفعنا وایاکم بالایت والذکر الحکیم استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین فاستغفروہ انہ ھو الغفور الرحیم

اللہ جل شانہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں "تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک نورِ ہدایت اور ایک روشن کتاب آئی ہے جسکے ذریعے سے اللہ جل شانہ ایسے شخصوں کو ہدایت فرماتے ہیں جو اللہ جل شانہ کی رضا کے طلب گار ہوں اور اپنی توفیق سے اُن کو ظلمتوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے آتے ہیں"۔ امام الانبیاء حضرتِ

محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' میں اللہ جل شانہ کی وہ رحمت ہوں جو اللہ جل شانہ نے تمہیں ہدیے کے طور پر دے دی ہے''۔ مکہ مکرمہ میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ کچھ عورتیں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئیں، وہاں کا مزاج تھا کہ بچوں کو ولادت کے بعد قرب و جوار میں بھیجتے تھے اور رضاعت (دودھ پلانا) کا جو مرحلہ تھا، وہ دایا کے ذریعے ہوتا تھا۔ اب جو عورتیں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی تھیں جب وہ واپس لوٹیں تو اُن کی گودوں میں بچے موجود تھے۔

ایک عورت ایسی تھی کہ جسے کوئی بچہ نہ ملا تھا اور ایک بچہ ایسا تھا جسے کسی عورت نے نہ اُٹھایا۔ اس لیے کہ وہ عورتیں سمجھتیں تھیں کہ یہ یتیم ہے حالانکہ اللہ کی قسم! وہ تو دُرِ یتیم ہے۔ وہ سمجھتیں تھیں کہ ہمیں انکی وجہ سے کوئی حق الخدمت نہیں ملے گا، اُنہیں کیا پتہ تھا کہ انکی خدمت کے صلہ میں اللہ جل شانہ جو خالق و مالکِ کائنات ہیں، انکی خدمت کے صلہ میں تو وہ خود ملنے والے ہیں۔ جو اِن کو اُٹھائے گا وہ رب کو پائے گا لیکن اللہ کی قسم! قسم اُٹھا کے کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے نہیں چھوڑا بلکہ اُنکے مقدر میں ہی نہیں تھا اور ایک عورت ہیں حضرتِ حلیمہ سعدیہؓ جنہیں کوئی بچہ نہیں ملا اور گھر کی کیا حالت تھی کہ گھر میں غربت ہے، افلاس ہے اور فقر و فاقہ ہے۔

جس اُونٹنی پر سوار ہو کے آئی ہیں وہ بھی دُبلی پتلی اور مریل سی ہے کیونکہ فاقے کی وجہ سے گھر میں گزر بسر نہیں ہے اور انتہائی تنگی اور فقر و فاقے کا عالم ہے چنانچہ یہ خیال آیا کہ میں خود آگے بڑھ کے اس بچے کو لے لوں۔ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوا تو اپنے خاوند سے کہنے لگیں'' واللہ لاذھبن الی ذلك اليتيم فلا خذنه، قال ! لا عليك عسى الله ان يجعل لنا فيه بركة '' اللہ کی قسم! میں تو ضرور اِس دُرِ یتیم کو حاصل کروں گی، ضرور لیکر اپنے گھر جاؤں گی۔ شوہر نے کہا کہ اگر تو ایسا کرے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے،

میں بھی تیرے ساتھ ہوں ۔اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خیر و برکت کے دروازے کھول دے۔حضرتِ حلیمہ سعدیہؓ نے امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی گود میں لیا اور اللہ جل شانہ نے حضور علیہ السلام کے گود میں آتے ہی خیر و برکت کے دروازے کھول دیے۔وہ سواری جو آتے ہوئے سب سے پیچھے رہ گئی تھی،اب جاتے ہوئے سب سے آگے بڑھ گئی تو عورتیں پوچھنے لگیں کہ حلیمہ سواری بدلی ہے تو فرمانے لگیں کہ نہیں سواری نہیں بدلی،سوار بدل گیا ہے۔

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیعِ عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہیں ہے رات آج تک
وہاں وہاں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

قدمِ اطہر جہاں جہاں لگتے چلے گئے،برکتیں ہی برکتیں آتی چلی گئیں۔گھر مبارک پہ تشریف لے گئے،اب وہ گھر جو ظلمتوں سے،تاریکیوں سے اور افسردگیوں سے عبارت تھا،ایک دم اُس میں رونقیں آگئیں،بہاریں آگئیں اور وہ بکریاں جو دُبلی پتلی تھیں اور سوکھ چکی تھیں،دائیں بائیں اُنکے لیے چراگاہیں صحیح نہیں تھیں،امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے قدمِ اطہر کا لگنا تھا کہ وہ سب دودھ سے بھر گئیں۔حضرتِ حلیمہ سعدیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں دودھ کے برتن ختم ہو جاتے تھے لیکن دودھ ختم نہیں ہوتا تھا۔اس لیے اِک بات چلی ہے اور یہ بات عشاق میں چلی ہے،عشاق وہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے نبی علیہ السلام کو چاہنے والے ہوں اور جو اسکے علاوہ لگے ہوئے ہیں،وہ فاسق ہیں عاشق نہیں ہیں،وہ فساق ہیں عشاق نہیں ہیں۔

اب یہ عاشقوں کا مرحلہ آیا تو یہ بات چلی کہ دودھ کس نے پلایا حضور ﷺ کو، ابتداء میں تو جو باندی تھیں ابولہب کی جن کا نام ثُویبہ تھا، اچھا! ہم ثوبیہ پڑھتے ہیں جو غلط ہے، اُنکا نام ثُویبہ تھا، اُنہوں نے دودھ پلایا اور سید الشہداء حضرتِ حمزہ ؓ کو بھی اُنہوں نے دودھ پلایا۔ آپ علیہ السلام کے سگے چچا ہیں لیکن اُس اعتبار سے رضائی بھائی بھی بنتے ہیں، اس لیے کہ ایک ہی دایا نے دونوں کو دودھ پلایا جن کا نام ثُویبہ تھا اور اُدھر حضرتِ حلیمہ سعدیہ ؓ ہیں۔ اب یہ بات چلی ہے کہ دودھ کس نے پلایا لیکن جب غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دودھ تو تھا ہی نہیں، وہ پلاتی کہاں سے؟ حلیمہ سعدیہ ؓ نے دودھ نہیں پلایا بلکہ آقا ﷺ نے سب کو دودھ پلایا، یہ دودھ تو آپ علیہ السلام کی برکت سے آیا ہے۔ اُن کا گھر دودھ سے بھر گیا اور برتن دودھ سے بھر گئے اور رحمتیں ہی رحمتیں اللہ کی طرف سے آ گئیں۔

آپ علیہ السلام کا تبوک کا سفر مبارک ہے، لمبا سفر، گرمی کا سفر اور مشقت کا سفر اور سینکڑوں میل کا سفر ہے۔ حضور ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ساتھ ساتھ ہیں۔ راستے میں دِقت پیش آنے لگ گئی، پانی نہیں ہے اور کھانے پینے کے لیے زادِ راہ بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ عرض کی یارسول اللہ! پانی کے بغیر ہمیں خود بھی مشقت کا سامنا ہے اور سواریوں کو بھی دِقت ہو رہی ہے تو ارشاد فرمایا جو پانی موجود ہے وہ لے آؤ۔ مشکیزوں کو نچوڑا تو تھوڑا سا پانی نکلا، لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔

امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اُس میں ڈالا اور جب باہر نکالا تو پانچوں مبارک اُنگلیوں سے پانی کے فوارے چھوٹ رہے تھے اور سارے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سیر ہو کے پانی پیا، اپنے مشکیزوں کو بھرا، برتنوں کو بھرا، جانوروں نے استعمال کیا لیکن پانی ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اس میں بھی ایک بات

چلتی ہے کہ سب سے افضل پانی کون سا ہے؟ اب ظاہر ہے حوضِ کوثر بھی ہے، جنت کا پانی بھی ہے، آبِ زمزم بھی ہے۔ اس پر تو سب محدثینِ کرام کا اتفاق ہے کہ زمزم کا پانی جنت کے پانیوں سے افضل ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جب حضورِ اکرم ﷺ کا سفرِ اسراء تھا، سفرِ معراج تھا، مکہ مکرمہ سے لے کر بیت المقدس تک، اس کو اسراء کہتے ہیں اور بیت المقدس سے آسمانوں تک اللہ جل شانہ کی بارگاہ تک معراج کا سفر ہے۔ اس سفر سے پہلے سینہ مبارک کو چاک کر کے قلب مبارک کو دھویا گیا۔

جبرئیلِ امین حاضرِ خدمت ہوئے اور آ کر سینہ مبارک کو چاک کیا تو برتن، طشتری اور باقی سب چیزیں جنت سے لائیں لیکن پانی زمزم کا استعمال کیا۔ اس لیے اس سے افضل پانی کوئی ہوتا تو جنت کا ہوتا لیکن زمزم سے افضل پانی تھا کوئی نہیں جس کی وجہ سے پانی زمزم کا استعمال ہوا، تو جنت کے پانیوں سے بھی افضل پانی زمزم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قدردانی کی توفیق عطا فرمائے لیکن اُس سے بھی افضل پانی وہ ہے جو امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک سے نکلا ہے۔ جس کو آپ علیہ السلام کے دستِ مبارک کی نسبت لگ گئی، اُس سے افضل پانی کون سا ہوسکتا ہے۔ وہ پانی زمزم کا حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے نکلا اور یہ پانی امام الانبیاء، سرکارِ دوعالم، فخرِ موجودات، امام الرسل، ہادیٔ سبل، محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ ﷺ کے دستِ مبارک سے نکلا ہے۔

صلح حدیبیہ کے لیے رُکنا پڑ گیا، عمرے کا احرام باندھا، صلح کی بات چل رہی ہے جس میں کچھ دن زیادہ لگ گئے۔ اب وہاں پانی کا مسئلہ بن گیا، وہاں ایک کنواں تھا، اُس میں سے پانی ختم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ بار بار جانے کی سعادت ہم سب کو نصیب فرمائے، حدیبیہ بھی ضرور جانا چاہیے، شمیسیہ نیا نام ہے اُسکا۔ مکہ مکرمہ سے جدہ جاتے ہوئے جو پرانا راستہ ہے،

اُس پر حدیبیہ ہے اور وہاں وہ کنواں بھی موجود ہے۔ اُس کنویں میں امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعابِ مبارک ڈالا تو ایک صحابی فرماتے ہیں کہ اتنی تیزی سے پانی اُوپر آیا کہ میں اپنی چادر چھوڑ کر بھاگا کہ کہیں یہ پانی مجھے بہا کر نہ لے جائے۔ ایک دم سے پانی میں اتنی برکتیں آئی ہیں اور جعرانہ جس کو حدیثِ پاک میں تو جعرانہ کہتے ہیں مگر وہاں کے لوگ جعرانہ کا لفظ بولتے ہیں، یہ طائف کا پرانا راستہ ہے، وہاں واپسی پر حضور علیہ السلام نے پڑاؤ ڈالا ہے۔

وہ کنواں اب بھی موجود ہے اور اسکی مٹھاس اب بھی محسوس ہوتی ہے، اس کے پانی کی برکتیں اب بھی نظر آتی ہیں۔ آپ علیہ السلام کا لعاب مبارک اُس میں بھی ڈَلا ہے، کنواں خشک تھا بالکل، لعاب مبارک کا ڈلنا تھا کہ پانی جوش مارنے لگ گیا۔ آج تک اُس پانی کی مٹھاس ختم نہیں ہوئی ہے، اللہ ہم سب کو وہاں جانے کا موقع عطا فرمائے۔ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جو عمرہ کرنے کے لیے جاتے ہیں، کچھ تو تنعیم چلے جاتے ہیں مسجدِ عائشہ صدیقہؓ میں اور کچھ جعرانہ چلے جاتے ہیں، وہاں بھی جانا چاہیے۔ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبتیں موجود ہیں، تو مٹھاس آج تک ختم نہیں ہوئی ہے۔

بیرِ عثمان مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے بائیں طرف کو سڑک جب نکلتی ہے، عصفان لکھا ہوا آتا ہے، وہاں بھی وہ کنواں موجود ہے جس میں اُس وقت لعابِ مبارک ڈَلا ہے تو آج تک اُسکی مٹھاس ختم نہیں ہوئی ہے۔ حضرتِ جابرؓ فرماتے ہیں، خندق کھودی جا رہی ہے اور خندق کھودتے ہوئے ہم سب کے علم میں ہے کہ بھوک، فاقہ اور افلاس کتنی شدت سے تھا۔ اُدھر سے سارے قبائل اور مشرک حملہ آور ہونے کی ترتیب بنا چکے تھے، پیٹ مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے، تمام جاں نثاروں کے پیٹ پر بھی پتھر بندھے ہیں۔

حضرتِ جابرؓ کو خیال آیا، گھر پہنچے اور اپنی بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کیا! تھوڑے سے جو ہیں، فرمایا ان کو پیسو۔ اس کے علاوہ کچھ ہے؟ عرض کیا! چھوٹا سا بکری کا بچہ ہے، فرمایا! میں اُس کو ذبح کرتا ہوں اور تم سالن تیار کرو اور جو کو پیس کر روٹیاں تیار کرو، میں حضورﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر اجازت لیکر آتا ہوں۔ حاضرِ خدمت ہوئے یارسول اللہ! ثلثۃ عشر وانت رابع عشر، اربعۃ عشر وانت خامس عشر۔ تیرہ صحابہ کرام آپ کے ساتھ ہو جائیں یا چودہ صحابہ کرام ہو جائیں، تھوڑا سا کھانا ہم نے تیار کیا ہے، آپ تشریف لائیے۔ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا "یا اھل خندق! ھلموا الی غداء جابر" اے خندق کھودنے والو سنو! جابر نے دعوت کی ہے، چلو اُسکے ہاں کھانا کھانا ہے۔ حضرتِ جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں چودہ کا انتظام کر کے آیا تھا اور وہاں چودہ سو صحابہ کرام تھے جن کو دعوت دی گئی۔ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا، تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا گھر آیا۔

حضورﷺ سمجھ گئے، ارشاد فرمایا جابر! "ہنڈیا کو ابھی نیچے نہیں اُتارنا"۔ میں نے آ کے اپنی بیوی سے کہا، (اللہ ہم سب کی بیویوں کو بھی ایسا بنائے، برکتوں رحمتوں والا بنائے) میں نے کہا کہ اللہ کی بندی چودہ کا انتظام ہے اور آقا علیہ السلامﷺ نے تو چودہ سو کو دعوت دے دی ہے تو اہلیہ نے کہا کہ آپ نے عرض کر دیا تھا کہ کھانا اتنا ہے؟ فرمایا ہاں! عرض کیا تھا۔ بیوی نے کہا کہ جب حضورﷺ خود اُن کو لا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ برکتیں بھی عطا فرما دیں گے اور اللہ جل شانہ اُن ہی کی برکت سے سب کو کھلائیں گے۔ تشریف آوری ہوگئی اور ہانڈی کا ڈھکن اُٹھا کے لعابِ مبارک ڈالا اُس میں، اللہ اکبر! کیا برکتیں ہوں گی اُس کھانے میں اور کیا برکتیں ہوں گی اُن کھانے والوں میں۔ لعابِ مبارک ڈالا اور تشریف فرما ہوگئے، دسترخوان لگائے

گئے۔فرمایا! بیٹھتے چلے جاؤ ایک بات کا اگر ہم بھی اہتمام کرلیں۔

ہمارے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت ہوجائے،کوئی وظیفہ تو ارشاد فرمادیجیے؟ آپ صاحبِ حضوری ہیں، صاحبِ حضوری وہ ہوتا ہے کہ جسے ہر رات دیدار نصیب ہوتا ہے تو آپ کو دیدار نصیب ہوتا ہے، ہم پر بھی کرم ہوجائے۔فرمایا! بڑا آسان نسخہ ہے، تم دن کو جاگتے ہوئے اپنے آقا ﷺ کو نہ بھلاؤ، سوجاؤ گے تو وہ تمہیں نہیں بھلائیں گے۔تم جاگتے ہوئے اُنہیں یادرکھو، سوجاؤ گے وہ تمہیں یادرکھیں گے۔جاگتے ہوئے یادرکھنے کا مطلب کیا ہے کہ قدم قدم پر ایک ایک عمل اللہ کے نبی علیہ السلام کے طریقے کے مطابق ہو۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے

اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

اب یہ بیٹھ کے کھانا، آج گھروں میں یہ چیزیں ختم ہوگئیں جس کی وجہ سے برکتیں بھی اُٹھ گئی ہیں۔ایک کمانے والا تھا، سارے گھر والے کھاتے تھے، رشتہ دار بھی کھا رہے ہیں، پڑوسی بھی کھا رہے ہیں اور مہمان بھی کھا رہے ہیں لیکن کھانا ختم نہیں ہوتا تھا۔ اب سارے کمانے والے ہیں لیکن پتہ ہی نہیں چلتا۔وجہ کیا ہے کہ وہ برکت والے اعمال ہم نے چھوڑ دیے، وہ رحمت والے اعمال کہ بیٹھ کے کھانا، دسترخوان بچھا کے کھانا اور پھر ایک رکابی میں کھانا مجھے دیکھنے میں تو سعودیہ میں عربوں میں نظر آیا لیکن سنا ہے کہ ہمارے کشمیر میں جسے مقبوضہ کشمیر کہتے ہیں، وہاں بھی کچھ خاندانوں میں اکٹھے کھانے کا مزاج ہے۔تو آقا ﷺ کی سنت مبارک یہ ہے کہ بیٹھ کے کھایا جائے، دونوں ہاتھ دھو کے کھایا جائے۔

ایک اللہ والے کے پاس ایک مرید آئے، اُن سے بیعت تھے۔ عرض کیا کہ حضرت! گزارش یہ ہے کہ مجھ پر قرض زیادہ ہوگیا ہے، کوئی عمل ارشاد فرما دیجیے؟ اُنہوں نے ایک تو جو مشہور دعا ہے قرض اُتارنے کی وہ ارشاد فرمائی، دوسرا یہ فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولیا کرو، کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھویا کرو۔ کچھ دن بعد حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جب سے میں نے کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کا اہتمام کیا، اللہ تعالیٰ نے سب قرضے اُتار دیے ہیں۔ یہ وہ تعویذ ہے جو ہماری حفاظت کر رہے ہیں، یہ وہ وظیفے ہیں جو ہماری حفاظت کر رہے ہیں اور دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے، صرف اُنگلیوں کو نہیں بھگونا ہے بلکہ پونچوں تک دونوں ہاتھوں کو دھونا، کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی۔

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا! بیٹھ جائیے، دسترخوان بچھائے گئے اور سب ہاتھ دھو کر بیٹھے۔ حضور علیہ السلام اپنے دستِ مبارک سے نکال کر کھلاتے جا رہے ہیں، روٹیاں بھی تقسیم ہو رہی ہیں، سالن بھی تقسیم ہو رہا ہے، سب نے خوب سیر ہو کے کھایا، اچھی طرح کھایا کہ کئی دن کا فاقہ تھا۔ اُسکے بعد آپ علیہ السلام نے خود تناول فرمایا، پھر فرمایا! ہڈیوں کو پھینکنا نہیں ہے، اِنہیں میرے قریب کردو۔ ہڈیاں قریب کیں تو آپ ﷺ نے دُعا فرمائی یا اللہ! اس کو آپ قیامت میں بھی زندہ فرمائیں گے، آپ نے اپنے خزانوں سے ہمیں کھلایا ہے اور آپ اس پر قادر ہیں کہ اس کو زندہ فرما دیں۔ حضرتِ جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ دعا ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ بکری کا بچہ اُچھلتا ہوا وہ جا رہا ہے، پھر سالن کو اُٹھا کے دیکھا تو ذرا کم نہیں ہوا تھا۔

چودہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کھا چکے اور سالن میں ذرا کمی نہیں ہوئی اور سب کھا چکے لیکن روٹیوں میں ذرا کمی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا لو جابر! اپنی روٹیاں بھی سنبھالو اور سالن بھی سنبھالو، یہ بکری کا بچہ بھی واپس لے لو، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کھلایا ہے۔ حضرتِ ابوھریرہؓ اصحابِ صفہ میں سے ہیں، آپ علیہ السلام کے قدمِ مبارک میں رہتے تھے اور شاگرد تھے۔ علم حاصل کرتے تھے، ایک مرتبہ عرض کیا یارسول اللہ! بھوک کی شدت ہے۔ فرمایا اچھا! پتہ کرتے ہیں گھر میں، پتہ کروایا تو ایک دودھ کا پیالہ مل گیا۔ مشہور روایت ہے کہ دودھ کا پیالہ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے، فرمایا جاؤ! اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ۔

حضرتِ ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں پریشان ہو گیا کہ دودھ کا پیالہ چھوٹا سا ہے، مجھے بھی مشکل سے کفایت کرتا، اصحابِ صفہ اَسی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ہیں، اُنہیں بلا کے لایا تو میرے لیے کیا بچے گا۔ خیر! میں بلا کے لے آیا، جب سب آ گئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ خود اپنے ہاتھ سے تم ان کو پلاؤ۔ کہتے ہیں کہ اب پلانا بھی میرے ذمہ لگ گیا، میں پلاتا جا رہا ہوں اور سب سیر ہو کے پیتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ اَسی کے اَسی صحابہ سیر ہو کے پی گئے لیکن دودھ کے پیالے میں ذرا کمی نہیں آئی۔ فرمایا! ابوھریرہ اب تم پیو، تو میں نے پیا، پھر پیا۔ فرمایا اور سیر ہو کے پیو، میں اتنا سیر ہو گیا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اب مزید گنجائش نہیں ہے تو فرمایا اچھا! اب میں پیتا ہوں، تو ہم سب نے سیر ہو کے پیا لیکن ذرا بھی اُس میں کمی نہیں آئی ہے۔

جب اتنی برکتیں ہیں کہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک میں برکت، لعابِ مبارک میں برکت، قدم مبارک میں برکت ہے تو آپ علیہ السلام کی

مبارک زندگی سے نکلنے والے اعمال میں کتنی برکتیں ہوں گی۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو کتے کی تربیت کرتا ہے، کتا تیری تربیت کی قدر کر کے شکاری کتا بن جاتا ہے اور تیرے اشاروں پر چلتا ہے، یاد رکھ! تیری تربیت کے لیے تو امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، یہ بتا تو نے اُن کی تربیت کی کتنی قدر کی ہے۔ کتا تو تیرے اشاروں پر چلے، کیا تو اپنے نبی علیہ السلام کے اشاروں پر چلتا ہے۔ کتا تو اپنے مالک کو نہ بھلائے، کیا تو نبی علیہ السلام کی تعلیمات کی قدر کرتا ہے۔

جو وہ حکم دے وہ حلال ہے

جو وہ روک دے وہ حرام ہے

ہم نے زمانے کو نہیں دیکھنا ہے، زمانے کے ساتھ نہیں چلنا ہے۔ زمانے کے ساتھ تو وہ چلے جسکا اپنا کوئی نہ ہو اور جسکے امام امام الانبیا ﷺ ہوں جو سارے زمانوں کے امام، سارے نبیوں کے امام ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! میں اُن درختوں کو پہچانتا ہوں، اُن پہاڑوں کو، اُن چٹانوں کو کہ ابھی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا تھا اور میں اپنے آقا ﷺ کے ساتھ چلا کرتا تھا تو جہاں سے آقا ﷺ گزرتے تھے تو الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، جھک جھک کر سلام کرتے تھے، قدموں پہ نچھاور ہوتے تھے۔ تو سب پہچانتے تھے اپنے آقا ﷺ کو، اللہ کرے ہم بھی پہچاننے والے بن جائیں، وہ تو شجر و حجر کے نبی تھے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ قیامت تک کے نبی ہیں، یہ صرف سمجھانے کے لیے ورنہ قیامت کے دن کے نبی بھی تو ہمارے آقا ﷺ ہی ہیں بلکہ جنت کے بھی نبی ہیں، ہمیشہ کے نبی ہیں۔ آپ سچ بتایئے قیامت کے دن سب کی نظریں کس پر لگی ہوں گی، سارے نبیوں کی نظریں کس پر، سارے انسانوں کی نظریں کس پر؟ وہ

ہمارے آقا ﷺ ہی ہیں جن پر لگی ہوں گی۔ تین جگہیں ارشاد فرمائیں، فرمایا میری اُمت! مجھے تلاش کرنا ہو تو حوضِ کوثر پر ملوں گا، میزانِ عدل پر ملوں گا یا پُل صراط پر ملوں گا۔

حوضِ کوثر پر اپنے دستِ مبارک سے پانی پلا رہا ہوں گا تو مجھے اپنی اُمت کا خیال آئے گا تو میزانِ عدل پر جہاں اعمال نامے تل رہے ہیں، وہاں پہنچ کر اپنی اُمت کو دیکھوں گا اور کبھی گزرتے ہوئے اپنی اُمت پل صراط پر مجھے فکر مند کرے گی، میں وہاں پہنچ کے اُن کو دیکھوں گا، آقا ﷺ تو ہمارے لیے تڑپ رہے ہیں۔

سرکار تو اُمت کی بخشش کے لیے روئیں
اُمت ہے کہ ہنس ہنس کر جیتی ہے گناہوں میں

وہ تو ہمیں بخشوانے کے لیے رو رہے ہیں اور ہم اُنہیں خفا کر کے خوش ہو رہے ہیں۔

ہفتے میں دو مرتبہ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اُمت کے اعمال پیش ہوتے ہیں روضہ اقدس میں، اللہ ہم سب کو بار بار کی حاضری نصیب فرمائے،

بارگاہِ سیدِ کونین ﷺ میں آ کر نفیس
سوچتا ہوں، کیسے آیا؟ میں تو اس قابل نہ تھا

ہمارے شیخ و مُربی حضرت شاہ صاحبؒ اللہ جل شانہ سے عرض کرتے ہیں

تیری رحمت تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبدِ خضراء کا سایہ میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہِ سیدِ کونین ﷺ میں آ کر نفیس
سوچتا ہوں، کیسے آیا؟ میں تو اس قابل نہ تھا

اللہ تعالیٰ بار بار کی حاضری نصیب فرمائے، تو روضہ اقدس پر دو مرتبہ اعمال پیش ہوتے

ہیں اُمت کے۔ کوئی باپ نہیں چاہتا اور کوئی ماں نہیں چاہتی کہ میرے بیٹے کی، میری اولاد کی کوئی غلط خبر مجھ تک آئے، کوئی شکایت مجھ تک آئے، ہم نہیں برداشت کر پاتے۔ اللہ کی قسم! ساری محبتیں قربان، ساری مائیں، سارے باپ اور ساری نسبتیں قربان ہو جائیں امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک نسبت پر۔ نبی ﷺ کی خدمت میں جب ہماری بداعمالیاں، ہماری بغاوتیں پیش ہوتی ہوں گی تو آپ علیہ السلام کے قلبِ اطہر پر کیا گزرتی ہوگی، اللہ جل شانہ ہم سب کو صحیح معنوں میں متبع بنائے اور اپنے آقا ﷺ کا فرمانبردار بنائے۔ اس لیے ایک اللہ والے شاعرِ معرفت حضرتِ تائب صاحب دامت برکاتہم العالیہ، پیرِ طریقت رہبرِ شریعت ہیں، بڑے اللہ والے ہیں، وہ خود اپنا کلام پڑھتے ہیں، ہمارے ہاں اُنکی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بڑے بزرگوں میں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ

چاند پر کوئی پہنچتا ہے بلا سے پہنچے
ہم کو سرکار کے قدموں سے سروکار رہے

ہم کیا جانیں کوئی چاند پر جاتا ہے۔

تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

اللہ ہم سب کو آپ علیہ السلام کے مبارک قدموں سے چمٹے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ زمانے کے ساتھ تو وہ چلے جسکا اپنا کوئی نہ ہو اور جسکے نبی سارے زمانوں کے امام ہوں، اُسے زمانے کے ساتھ کیا چلنا بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ لے کر اپنے آقا ﷺ کے پیچھے چلنا ہے۔ مجھے کبھی کبھی خیال آتا ہے، کیونکہ بہت سارے حالات اس طرح کے ہو گئے

کہ مسلمان اُمت پر اور مسلمانوں پر اس طرح کی صورتِ حال تو کبھی اشکال ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھنے والوں، نماز پڑھنے والوں پر اتنے مصائب کے پہاڑ کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟ غیر اتنے کیوں ان پر مسلط ہو گئے، اتنا کیوں ان کو گاجر مولی کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے، انکا خون اتنا ارزاں کیوں ہو گیا؟ تو اگر غور کریں تو ساری بات خود سمجھ میں آجاتی ہے کہ

کیوں مجھ کو شکایت ہو کسی غیر سے جھوٹی
خود اپنی ہی تقصیر سے قسمت میری پھوٹی
اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی
افسوس تو یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے چھوٹی

ہم نے اُس برکت والی رسی کو خود چھوڑا ہے، وہ جو وحی الٰہی کی رسی ہے قرآنِ پاک اللہ اکبر! احادیثِ مبارکہ ہیں، ان سب کو ہم نے خود چھوڑا ہے، اس رسی کو ہم نے چھوڑا۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اُوپر ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے تو ظاہر ہے اُوپر جانے کے لیے تو محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح بچے کو جاہل بنانے کی کوئی محنت نہیں، کوئی نہیں مشورہ کرے گا کہ میں نے اپنے بچے کو جاہل بنانا ہے، کس سکول میں داخل کروں؟ اور کتنے عرصے میں جاہل بنے گا اور فیس کیا ہو گی؟ نہیں نہیں، کوئی بھی جاہل بنانے کا مشورہ نہیں کرتا۔ آپ بچے کو چھوڑ دیں، بچہ بنا بنایا جاہل ہے لیکن اُسکی جہالت کو ختم کر کے زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔

ایسے ہی زمین کو بنجر بنانے کے لیے کوئی محنت نہیں ہے، اُس کو چھوڑ دیں تو بنجر ہو جائیگی اور گھاس پھوس اُس میں اُگے گا، خودرو جھاڑیاں اُگیں گی، سانپ بچھو بسیرا کریں

گے لیکن زمین کو سرسبز وشاداب بنانا ہے تو اُسکے لیے محنت ہے۔ مٹی سے مٹی ہونا پڑتا ہے، پسینہ بہانا پڑتا ہے، سردی گرمی کو برداشت کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کے وہ کھیتیاں لہلہاتی ہیں اور باغ سرسبز وشاداب نظر آتے ہیں، پھل پھول لگتے ہیں۔ جس طرح زمین کو بنجر بنانے کی کوئی محنت نہیں اور جیسے بچے کو جاہل بنانے کی کوئی محنت نہیں، ایسے ہی حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جہنم میں جانے کی بھی کوئی محنت نہیں۔ چونکہ جہنم نیچے ہے نا اور جنت اُوپر ہے تو نیچے جانے کے لیے کوئی محنت نہیں ہوتی۔

ایک آدمی چاہتا ہے کہ میں ساری زندگی میٹرک میں ہی رہوں تو محنت کرکے رہے گا؟ نہیں نہیں، محنت چھوڑ دے تو بس اُسی کلاس میں رہے گا البتہ ترقی کے لیے محنت ہے، اگلے درجے میں جانے کے لیے محنت ہے اور جو ساری زندگی پہلی کلاس میں رہنا چاہے، اس کو دن رات محنت کرنی پڑے گی؟ نہیں نہیں، وہ محنت چھوڑ دے تو خود بخود اُسی کلاس میں ہے۔ اُسکی زندگی گزر جائے گی لیکن وہ آگے نہیں بڑھ سکے گا، آگے بڑھنے کے لیے محنت ہوتی ہے اب آپ خود فرمائیے کہ جنت تو اُوپر ہے اور اُس تک جانے کے لیے کتنی محنت کی ضرورت ہو گی؟ اُس کے لیے اُٹھنا پڑتا ہے۔

نیکی اُوپر لے جاتی ہے، نیکی آدمی کو لطیف بناتی ہے، گناہ کثیف بناتا ہے۔ نیکی میں لطافت ہے، گناہ میں کثافت ہے گناہ سے آدمی گدلا ہو جاتا ہے، نیکی سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ اب دیکھئے! آقا ﷺ کیا فرماتے ہیں" باہر تشریف لائے سردی کا موسم ہے، درختوں سے پتے گر رہے ہیں، دستِ مبارک سے ٹہنی کو پکڑا تو باقی پتے بھی گرنے لگ گئے، فرمایا سلمان! پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے فرمایا! جس طرح میرے ہاتھ لگانے سے سارے پتے گر گئے، ایسے ہی نماز پڑھنے سے

سارے گناہ بندے کے معاف ہو جاتے ہیں۔

فرمایا! کسی کے دروازے کے سامنے پانچ نہریں ہوں، اپنے کارخانے ردفتر سے آتے ہوئے ہر نہر پر غسل کرتا ہوا آئے، پانی گہرا بھی ہے، صاف وشفاف بھی ہے تو پانچ نہروں پر جو نہا کے آئے، میرے صحابہ بتاؤ کوئی میل کچیل باقی رہے گا؟ عرض کی یارسول اللہ کوئی میل باقی نہیں رہے گا۔ فرمایا! یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، جو پانچ نمازیں پڑھے گا تو اسکے گناہ بھی دُھل جائیں گے اور آپ کو پتہ ہے کہ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے۔ دنیا میں جو نہاتا رہے، ہر نماز کے وقت جو اللہ کی رحمتوں میں نہاتا ہے، یہ تو اُجلا ہے اور دُھلا ہوا ہے، یہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور اللہ نہ کرے ہم اگر میلے کچیلے رہ گئے اور گدلے ہو گئے اور واقعی ہم روحانی اعتبار سے ناپاک ہو گئے تو ناپاک کپڑوں پر تو بہت محنت ہوتی ہے۔ جتنی ناپاکی ہوتی ہے، اتنا اُس پر محنت زیادہ، اُسکی دھلائی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے کافروں کو جہنم میں ڈالا جائے گا تادیب کے لیے اور مسلمانوں کو ڈالا جائے گا تہذیب کے لیے، ان کو نکھارنے سنوارنے کے لیے۔

میرے شیخ و مربی میرے پیر و مرشد فرمایا کرتے ہیں کہ سٹوڈنٹ (Student) سے لے کر پریزیڈنٹ (President) تک تقریباً سب میں ڈینٹ (Dent) ہیں۔ اب یہاں اگر ڈینٹنگ پینٹنگ (Denting-Painting) نہیں ہو گی تو پھر موت پر ڈینٹنگ ہو گی، اللہ ہم سب کی ڈینٹنگ دنیا میں ہی کر دے۔ ڈینٹنگ کا مطلب اصلاح ہو جائے، یہ جو ٹیڑھا پَن پیدا ہو گیا کہ نماز رہ گئی، تلاوت رہ گئی، ذکر رہ گیا، اللہ کی ذاتِ عالی سے غفلت ہو گئی یہ دور ہو جائے۔ سچ میں لطافت ہے اور جھوٹ میں کثافت ہے، امانت میں لطافت ہے خیانت میں کثافت ہے، نماز میں لطافت ہے نہ پڑھنے میں کثافت ہے، نیکیوں میں لطافت

ہے گناہوں میں کثافت ہے۔اب ظاہر ہے یہاں اگر ہم اُجلے اُجلے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دخولِ ازلی جنت میں نصیب فرمائیں گے، اُدھر آنکھیں کھلیں گی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دنیا میں بسنے والے انسان سوئے ہوئے ہیں، سویا ہوا آدمی خواب دیکھتا ہے، خواب میں کبھی کیا اور کبھی کیا لیکن آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو خواب تھا۔خوشی کی حالت ہے تب بھی خواب، صدمے کی حالت ہے تو تب بھی خواب، اس لیے فرماتے تھے کہ جب موت پر آنکھ کھلے گی تو پھر پتہ چلے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت پر آنکھ بند نہیں ہوتی بلکہ کھلتی ہے، حقیقی آنکھ کھل جاتی ہے۔فرعون کی آنکھ بھی کھلی موت پر، شداد و نمرود کی بھی کھلی، قارون کی کھلی، ابوجہل وابولہب کی کھلی لیکن اُس وقت آنکھ کے کھولنے کا کوئی فائدہ نہیں، آج ہمیں آنکھیں کھول لینا ہے۔

امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تو بیدار کرنے ہی تشریف لائے ،تو میں عرض کر رہا تھا کہ زمانے کے ساتھ نہیں چلنا ہے بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ لیکر اپنے آقا ﷺ کے پیچھے چلنا ہے۔ہم نہیں جانتے زمانے کو، اللہ کی قسم! جب سے اپنے آقا ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے اور جب سے اُنہیں پہچانا ہے، مجھے کتنے ہی غیر مسلم جو اسلام میں داخل ہوئے یاد آتے ہیں، اُن میں سے ایک فرانس کا عبدالحکیم ہے جس کے کچھ دن میرے ساتھ گزرے ہیں۔ابھی چار ماہ ہوئے تھے کہ اسلام قبول کیا لیکن چہرے پر اتنا نور تھا کہ نگاہ ٹکتی نہیں تھی۔ میں نے پوچھا تو اُس نے کہا کہ جب سے اپنے آقا ﷺ کو پہچانا ہے، ہر رات خواب میں دیدار نصیب ہوتا ہے اور اُس نے کہا کہ کوئی عمل میرا سنت کے خلاف نہیں ہوتا ہے۔میں آپکے ساتھ اس لیے آیا ہوں کہ آپ عالم ہیں، مسلمانوں کے بڑے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ سے سیکھ سیکھ کے چلوں تاکہ میرا کوئی قدم بھی سنت کے خلاف نہ اُٹھے۔ ہمارے حضرت تائب

صاحب فرماتے ہیں

سنت کے آئینے پہ تائب جو جمی نگاہ

کرتا رہا سنگھار سنورتا چلا گیا

سنورنا تو سنت کے آئینے سے ہے، آج ہم نیت کرلیں کہ سب آئینے توڑ کے صرف سنت کا آئینہ سامنے رکھیں گے اور اُسی کو دیکھ دیکھ کر سنورنا ہے۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں

حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

اپنے ظاہر کو ایسا بنائیں گے تاکہ رب کو پیار آجائے۔ جو محبوب جیسا بنے گا تو اللہ بھی اُسے محبوب بنائیں گے۔ اس لیے زمانے کے ساتھ نہیں چلنا بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ لے کر اپنے آقا ﷺ کے پیچھے چلنا ہے، تو

چاند پر کوئی پہنچتا ہے بلا سے پہنچے

ہم کو سرکار کے قدموں سے سروکار رہے

یہی ہماری اصل ہے، تو میں عرض کر رہا تھا کہ

کیوں مجھ کو شکایت ہو کسی غیر سے جھوٹی

خود اپنی ہی تقصیر سے قسمت میری پھوٹی

اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی

افسوس تو یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے چھوٹی

آج ہم یہاں پی۔ایم ہاؤس کے اندر ہیں، اگر اس جگہ پر ہم ایک عہد کرلیں صدقِ دل سے کہ یہاں کا قلم سارے ملک پر اثر انداز ہوتا ہے، یہاں کی نیت بھی برکتوں والی بن

جائے گی۔آج ہمارے آقا علیہ کی خدمت میں یہ سلام پہنچے گا، یہ پیغام پہنچے گا کہ آپکی اُمت کے لوگ آج اس جگہ پر جمع ہیں، مرد بھی جمع ہیں، مستورات بھی جمع ہیں اور سب نے آپ ﷺ سے وفا کا عہد کیا ہے کہ آپ کی ہر ہر ادا پر مرمٹیں گے، آپکی ہر ہر سنت کو زندگی میں لائیں گے۔میں عرض کرر ہا تھا کہ قدم قدم پر اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوں گی، مجھے وہ کلام بھی یاد آ گیا کہ اگر اللہ روضہ اقدس پر پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے تو وہاں یوں عرض کرے کہ

لبوں پہ مہرِ سکوت ہو ادب کا یہ مقام ہے
یہاں دھڑکنوں کے درود ہیں اور آنسوؤں کا سلام ہے

وہ جگہ کتنی عظمت والی ہے، اللہ جل شانہ بار بار کی حاضری نصیب فرمائے۔

نازاں ہو جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروانِ شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے
میرے لیے ہر گلشنِ رنگیں سے بھلی ہے
کانٹے کی وہ نوک جو طیبہ میں پلی ہے
جو اُن کی گلی ہے وہ دراصل ہے جنت
دراصل جو جنت ہے وہی اُن کی گلی ہے

اللہ ہم سب کو مدینہ پاک جیسی زندگی نصیب فرمائے، آپ علیہ السلام جیسی ادائیں نصیب فرمائے۔وہ سارے (غیر مسلم) قدموں میں آئیں گے، اُس وقت ہم سردار تھے اور آج سرِ دار ہو گئے، اللہ پھر ہمیں ساری اُمتوں کا سردار بنائے۔فرمایا! میں سارے نبیوں کا

سردار ہوں اور میری اُمت ساری اُمتوں کی سردار ہے۔فرمایا! جنت میں کوئی نبی نہیں جائیں گے جب تک میں نہ جاؤں اور جنت میں کوئی اُمت نہیں جائے گی جب تک میری اُمت نہ چلی جائے۔ہم تو ساری اُمتوں کے امام بن کے آئے، ساری اُمتوں کے امام تھے

قیصرو کسرٰی کے تاج ہمارے قدموں میں تھے، ساری دنیا سے سب ہمارے قدموں میں آرہے تھے۔اُن کے شہزادے غلام بن گئے اور اُنکی شہزادیاں لونڈیاں بن گئیں اور سب کو اللہ نے قدموں میں لایا، تو جب ہم رب کے ساتھ تھے جو بچپن میں ہم سنا کرتے تھے کہ رب راضی تو سب راضی۔رب سے صلح ہے تو سب سے صلح ہے چنانچہ جو اس نسخے کو لے کر چلے اپنے آقا ﷺ کی وفاؤں کے ساتھ تو نیل کے نام صرف خط لکھا ہے، نیل نہیں بہہ رہا تھا خط لکھا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں اللہ کی طرف سے کہ تجھے چلنا پڑے گا، تو خط کا ڈالنا تھا کہ وہ دریا چل پڑا ہے اور حکم کا دینا تھا کہ "یا ایها السباع والکلاب نحن اصحابُ رسول الله ﷺ اخرجوا من هذا البر" افریقہ کے جنگلوں میں یہ غلام چلے گئے، یہ آقا ﷺ کے غلام تھے نا، ساری دنیا ان کی غلام تھی۔

افریقہ کے جنگل بہت خوفناک ہیں اور خطرناک قسم کے درندے ہیں وہاں لیکن جا کے تعارف کرایا ہے کہ اے جنگل کے درندو اور وحشی جانورو! ہم اپنے آقا ﷺ کے غلام آئے ہیں، جنگل خالی کردو۔حکم کا سننا تھا کہ آناً فاناً جنگل خالی ہوگیا۔حضرتِ سفینہؓ غلام ہیں، آپ علیہ السلام کے صحابی ہیں۔فرماتے ہیں کہ دریا میں طغیانی آگئی جس سے کشتی ڈوبی اور ایک تختے پر تیرتا ہوا میں ساحل پر پہنچا۔آگے جنگل تھا، میں نے دیکھا کہ سامنے ایک خوفناک شیر آنکھیں کھولے کھڑا ہے اور ابھی حملہ آور ہونے کو ہے تو میں نے اُسے اپنا تعارف کرایا، اللہ کرے کہ یہ تعارف ہمارے پاس بھی ہو۔

میں نے کہا انت اسد البر تو جنگل کا بادشاہ ہے، میں تجھے جانتا ہوں، ذرا میرا تعارف بھی ہو جائے کہ انا مولیٰ رسول اللہ ﷺ میں اپنے آقا ﷺ کا غلام ہوں۔ فرماتے ہیں اللہ کی قسم! یہ سننا تھا کہ شیر ادب سے پیچھے ہٹ گیا اور دُم ہلانے لگ گیا اور ادب سے سر جھکایا اور جب میں ساحل پر پہنچا تو میرے سامنے آکے بیٹھ گیا، میں اُس پر سوار ہو گیا اور وہ مجھے قافلے تک پہنچا کے آیا۔ آج اگر ہم اپنے آقا ﷺ کا دامن تھام لیں تو اللہ کی قسم یہ کائنات کیا، ہوائیں ہمارے پیغام لے کے چلیں، یہ پرندے ہماری بات مانیں۔ آج اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے کہ بیٹے بھی ہماری بات نہیں مانتے، بہو بھی ہماری نافرمان، پوتے نواسے بھی نافرمان، اس لیے کہ ہم رب کی نہیں مانتے تو سب بھی ہماری نہیں مانتے۔ آج اس جگہ پر ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ رب کے غلام بنیں گے اور اپنے آقا ﷺ کے غلام بنیں گے، اللہ ہم سب کی ساری نسبتوں میں کمال نصیب فرمائے۔

شیخ سعدیؒ بوستاں میں فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں جا رہا تھا تو دیکھا سامنے سے ایک اللہ والے شیر پر سوار ہو کے آ رہے ہیں، ہاتھ میں اُن کے سانپ پکڑا ہوا ہے تو میں ڈر کے پیچھے ہٹا۔ فرمایا سعدی! ڈرے کیوں؟ میں نے کہا ڈرنے کی بات تو ہے کہ شیر بھی دشمن ہے اور سانپ بھی دشمن لیکن دونوں آپ کے قبضے میں تو فرمایا سعدی! بڑا آسان نسخہ ہے۔

تو گردن از حکمِ داور مپیچ

کہ گردن نپیچد ز حکمِ تو ہیچ

تو رب کی نافرمانی چھوڑ دے، سب تیرے فرمانبردار بن جائیں گے۔

آج اگر اس نسخے پر ہم عمل کر لیں تو اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائیں گے۔ ہر حکم کی حفاظت، اللہ کے نبی علیہ السلام کی ہر نسبت کی حفاظت اگر کریں تو اللہ ہم سب کی بھی

حفاظت فرمائیں گے۔اسی پر ہم دُعا کرتے ہیں، اللہ جل شانہ ہم سب کی حاضری کو قبول فرمائے (آمین)۔

بیان اقراء روضۃ الاطفال 2008ء

الحمد لله الحمد لله الذی احسن ما خلق وبسط ما رزق وفتح واغلق واسکت وانطق خلق السموت فرتق ثم فتق مارتق والارضین فاطبق والجبال فاشهق والبحار فاعمق والليل فاغسق والصبح فافلق و الرعد فابرق والجنان فاحدق والاشجار فاورق سبحان الابدیّ الابد سبحان الواحد الاحد سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السمآء بغیر عمد سبحان من بسط الارض علی مآء جمد سبحان من خلق الخلق فاحصاهم عدد سبحان من قسم الرزق ولم ينس احد سبحان الذی لم يتخذ صاحبةوّلا ولد سبحان الذی لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد

اللهم صل علی محمد و اله بقدر حسنه و کماله اما بعد:

وقال النبی ﷺ " انا رحمة مهداة " وقال النبی ﷺ " ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال حب نبيكم وحب ال بيته و تلاوة القران فان حملة القران فی ظل عرش الله يوم القيمة لا ظل الا ظله مع انبيائه و اصفيائه "

وقال النبی ﷺ " الدنيا مزرعة الا خرة " او کما قال عليه الصلوة والسلام

یہ دنیا جہاں اس وقت ہم سب موجود ہیں، یہ دار العمل ہے اور ہمارے قدم جس طرف کو اُٹھتے چلے جارہے ہیں، وہ دار الجزا ہے۔ جو بھی یہاں آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا

ہے، پھر جانا ہی نہیں بلکہ اُس نے یہاں کے پَل پَل کا وہاں حساب بھی دینا ہے۔ اس لیے کہ وہ بدلے اور جزا سزا کا دن ہے۔ یہ دنیا آخرت کے اعتبار سے کھیتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو یہاں ہم بیجیں گے، آخرت میں وہی کاٹیں گے، نیکی بیجیں گے تو نیکی جنت میں جاکے اُگے گی۔ روح کی غذا نیکی ہے اور نفس کی غذا گناہ ہے، جنت ہیڈ آفس (Head Office) ہے اور روح اُس کی برانچ (Branch) ہے اور اسی طرح جہنم ہیڈ آفس ہے اور نفس اُسکی برانچ ہے اور جو چیز برانچ میں ڈالی جائے تو وہ ہیڈ آفس میں پہنچ جاتی ہے۔

روح ہم سے نیکی کا تقاضا کرتی ہے تو اگر ہم روح کو غذا دیں گے تو برانچ میں ہم نے ڈالا تو ہیڈ آفس جنت میں پہنچ جائے گا اور اگر ہم نے نفس کو گناہ کی غذا دی تو پھر یہ برانچ میں ہم نے ڈالا تو ہیڈ آفس جہنم میں پہنچے گا اور خود بھی ہمیں وہاں جانا پڑے گا، اس لیے یہ دارِ عمل ہے، دارِ فرار ہے۔ موت کے بعد سے لے کر قیامت میں اُٹھنے تک دارِ انتظار ہے اور قیامت کا دن دار القرار ہے۔ اس دارِ فرار میں ہم میں سے ہر ایک کے قدم روزانہ اُٹھ رہے ہیں، کسی کے دفتر کو، کسی کے دکان کو لیکن حقیقت میں وہ قبر کی طرف جارہا ہے۔ ایک ایک قدم جو اُٹھتا جارہا ہے وہ ایک ایک قدم اُسکی زندگی کا کم ہوتا جارہا ہے۔

امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب صبح ہوتی ہے اور سورج طلوع ہوتا ہے تو اعلان کرتا ہے کہ جس نے نیک عمل کرنا ہے آج کر لے، آج کے بعد میں کبھی واپس لوٹ کر نہیں آؤں گا"۔ کل کبھی نہیں آتی ہے اور لفظِ کل یہ بڑا دھوکا ہے اور اس دھوکے میں آ کر کتنے لوگ سست ہو گئے، کتنے ہی لوگ غفلتوں میں پڑ گئے۔ کل دو ہی ہیں، ایک گزشتہ کل جو گزر گئی اور اس گزشتہ کل میں آدمی کچھ نہیں کر سکتا کہ وہ تو ہاتھ سے نکل گئی اور

آئندہ کل وہ تو ایک ہی ہے اور وہ قیامت کی کل ہے۔ اُس سے پہلے پہلے صرف آج ہے، آج جو کچھ کرلیا سو کرلیا نہیں کیا تو کل تو دارِ جزا ہے، دارِ عمل نہیں ہے۔

امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جنت میں دو جنتی داخل ہوں گے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی وہاں تک پہنچا دے) ایک جنتی کو نیچے کی جنت ملے گی اور دوسرے کو اُوپر کی جنت، تو نیچے والے کو اشکال پیدا ہوگا کہ دنیا میں ہر نیکی ہر بھلائی میں ہم ساتھ ساتھ تھے تو یہاں بھی ساتھ ہونا چاہیے تھا، یہاں نیچے اور اُوپر کا فرق کیوں ہوگیا۔ اللہ جل شانہ سے عرض کریں گے کہ یا اللہ! آج تو عدل و انصاف کا دن ہے لیکن وہ اُوپر میں نیچے، یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اللہ جل شانہ فرمائیں گے کہ بندے آج جزا کا دن ہے، انصاف کا دن ہے اور آج کسی پر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ہم نے تم دونوں کے نامہ اعمال کو دیکھا تو باقی سب چیزیں تو برابر تھیں لیکن اس کے نامہ اعمال میں ایک مرتبہ سبحان اللہ تجھ سے زیادہ ہے، جب ایک مرتبہ سبحان اللہ زیادہ ہے تو اس کا درجہ بھی زیادہ ہے۔

فردا کہ بازارِ نیکو نہند
منازل باعمالِ نیکو دہند

آخرت کی کرنسی اعمال صالحہ ہے، اسی لیے تو اللہ والے اوورٹائم (OverTime) بھی لگاتے ہیں اور یہ اولیاء کرام، بزرگانِ دین اور دیندار لوگ بڑے عقلمند ہیں۔ پانچ نمازیں جو ہم پر فرض ہیں وہ تو ہماری ڈیوٹی (Duty) ہے لیکن یہ لوگ اوورٹائم بھی لگاتے ہیں۔ تہجد میں بھی اُٹھتے ہیں، اشراق بھی پڑھتے ہیں، چاشت واوابین بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ہر فرض نماز کے بعد نوافل بھی پڑھتے ہیں، دیر تک تسبیحات پڑھتے ہیں۔ ہمارے سلسلہ قادریہ راشدیہ کے بہت بڑے بزرگ شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرتِ لاہوریؒ صرف ایک

رات میں ساڑھے دس لاکھ مرتبہ اللہ کا ذکر فرماتے تھے، اُن حضرات کی کمائیاں تو دیکھئے۔

مجھے اپنے اُستادِ محترم یاد آئے، فقیہ العصر حضرتِ اقدس حضرت مفتی عبدالستار صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، فرمانے لگے کہ ایک موقع پر میں فیصل آباد اپنے سسرال والوں کے ہاں گیا، میری اہلیہ کی چھ بہنیں اور اُن کے خاوند سب وہاں جمع ہوگئے۔ اُن میں سے کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی انجینئر، کوئی بڑی مِل والا ہے اور حضرت مفتی صاحب مدرسہ میں پڑھاتے ہیں۔ حضرت فرمانے لگے کہ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ اُنہوں نے پہلے سے منصوبہ بنایا ہوا تھا کہ آج مفتی صاحب کو ذلیل و رسوا کرنا ہے، چنانچہ آمدنی کے تذکرے شروع ہوگئے۔ ایک نے کہا کہ میری آمدنی پچاس ہزار ہے، دوسرے نے کہا میری ساٹھ ہزار ہے، اب بتا بھی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ حضرت کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ حضرت کی تنخواہ اُس وقت غالباً ساڑھے سات سو روپے ماہانہ تھی۔

اُنکا خیال تھا کہ جب حضرت کی باری آئے گی تو آمدنی کے تذکرے سے ہی ان کے چہرے کا رنگ فق ہو جائے گا۔ جب سب بتا چکے اور حضرت کی باری آئی تو حضرت نے فرمایا کہ آپ آمدنی کی بات کرتے ہو کہ آمدنی کس کی زیادہ ہے تو ذرا موت کا انتظار کرنا پڑے گا، مرتے ہی پتہ چل جائے گا کہ آمدنی کس کی زیادہ ہے۔ اللہ کی قسم! دنیا تو پردیس ہے، یہاں ہم سفر میں ہیں اور سفر میں کوئی اپنے ساتھ پونجی نہیں رکھتا۔ یہ تاجر بیٹھے ہیں، یہ پیسے اپنے ساتھ شاپر (بیگ) میں نہیں لے کر جاتے بلکہ ڈرافٹ بنا کر پہلے آگے بھیج دیتے ہیں۔ اپنے پاس گزارے کے لیے رکھتے ہیں کہ کرایہ کتنا لگے گا، کھانے میں کتنا خرچ ہوگا، بس اُتنا تو جیب میں رکھ لیتے ہیں اور باقی سب آگے بھیج دیتے ہیں جہاں جانا ہوتا ہے۔ وہ تو بڑے احمق لوگ ہوں گے جو نمائش کرتے ہوئے جا رہے ہوں کہ

شاپر (کیــس) بھرے ہوئے ہوں، دس لاکھ ایک میں اور پندرہ لاکھ دوسرے میں، گاڑی والے کو بھی پتہ ہو، سواریوں اور چوروں کو بھی معلوم ہو، اس طرح سے جو نمائش کرتے ہوئے جائے۔ اس کو حضور ﷺ نے 'العاجز' فرمایا اور 'الکیس' اُسے فرمایا جو آگے بھیج دے۔ دنیا پردیس ہے اور اللہ کی قسم ہم سب پردیس میں ہیں لیکن ہم ایسے پردیسی ہیں جو اپنے وطن کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ ہم سب کا وطن کون سا ہے جی؟ جنت ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارتیں ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے" حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا" اذا دخل اهل الجنة الجنة فيقو ل الله عز وجل يا اهل الجنة! هل تريدون شيئا ازيدكم، جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ جل شانہ ارشاد فرمائیں گے کہ اے جنتیو! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری نعمت میں اضافہ کروں۔ وہ کہیں گے یا اللہ" الم تدخلنا الجنة، الم تنجينا من النا ر، الم تبيض وجوهنا " یا اللہ جل شانہ! آپ نے ہمیں جنت میں داخل فرما دیا، دوزخ سے بچا دیا، ہمارے چہروں کو نورانی بنا دیا، اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی تو حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ" فيكشف الحجا ب فما او تو ا شيئا احب اليهم من النظر الى ربهم" سارے پردے اللہ تعالیٰ ہٹا دیں گے، پھر اللہ کے دیدار سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار کرائیں گے۔

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا' جیسے یہاں جمعہ ہے ایسے ہی جنت میں بھی جمعہ کے دن میدان مزید قائم ہوگا۔ سارے نبیوں کی کرسیاں رکھی جائیں گی، منبر رکھے جائیں گے اور پھر سارے نبی منبروں پر تشریف فرما ہوں گے، اُن کے اُمتی اُن کے قریب ہوں گے، آپ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے منبر کے قریب وہ بیٹھے گا جو جمعہ کے

دن منبر کے قریب آ کے بیٹھتا ہے۔ جو جمعہ کے دن منبر کے قریب بیٹھتا ہے وہ وہاں بھی میرے قریب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر والا بنائے، تو جہاں ہمیں رب دیکھنا چاہتے ہیں وہ میدان تو خالی ہو گئے اور جہاں سب دیکھنا چاہتے ہیں وہ میدان ہم نے بھر دیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رب کی چاہتوں پر چلنے والا بنائے، ہم رب کے بندے ہو کر سب کی چاہتیں پوری کرتے ہیں حالانکہ جب رب کے بندے ہیں تو رب ہی کی چاہتوں کو پورا کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سب میں رہیں گے تو بڑی پستی میں رہیں گے اور رب کے ساتھ جڑیں گے تو بڑی بلندیوں میں پہنچ جائیں گے۔

ترقی کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ آج ترقی کا زمانہ نہیں ہے، آج تو ذلت و پستی کا زمانہ ہے۔ مسلمان کی ترقی تب تھی جب یہ رب کے قریب تھا اور اپنے نبی ﷺ کے قریب تھا۔ حضرتِ شاعر معرفت جناب خالد اقبال تائب صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ

چاند پر کوئی پہنچتا ہے بلا سے پہنچے
ہم کو سرکار ﷺ کے قدموں سے سروکار رہے

اللہ کی قسم ہماری تو معراج یہی ہے۔ آپ ﷺ کی معراج تو یہ ہے کہ آپ ﷺ لوح و قلم پہ پہنچے ہیں اور میری معراج یہ ہے کہ میں آپ ﷺ کے نقشِ قدم تک پہنچا ہوں۔ جب یہ امت آپ ﷺ کے نقش قدم پر تھی تو ساری دنیا ان کے قدموں میں تھی اور اللہ کی قسم جب یہ رب کے غلام تھے تو سب انکے غلام تھے۔ آج ہم نے رب کی غلامی چھوڑی ہے تو سب کے غلام بن گئے ہیں۔ اُس وقت ہم سردار تھے اور آج سرِ دار ہیں، سرِ دار میں زیر ہے جس کا مطلب ہے نیچے ہونا، اگر زیر ہٹا دی جائے یعنی نیچے سے ہم نکل آئیں تو پھر آج بھی ہم

سردار ہیں ۔ ہمارے نبی ﷺ سارے نبیوں کے سردار ہیں اور یہ اُمت ساری اُمتوں کی سردار بن کے آئی تھی لیکن آج غلام بن چکی ہے اور غیروں کے اشاروں پر چل رہی ہے۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

اقراء روضۃ الاطفال ہے، اللہ کرے یہاں پڑھنے والے سب بچے بھی جنت والے بن جائیں ۔ابھی میں نے بچوں کا عمامہ اور کُرتا دیکھا تو ایمان تازہ ہوگیا، یہ بڑی مبارک نسبتیں ہیں ۔حضرتِ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب میری عمر تین سال کی تھی تو میری والدہ صاحبہ نے میرے سَر پر عمامہ باندھا اور پاکیزہ وضع قطع کے ساتھ مجھے مدینہ طیبہ کے بڑے امام حضرت ربیعۃ الرائےؒ کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔

تاریخ سے پوچھو کہ وہ دیتی ہے گواہی
ہم فوجِ محمد ﷺ کے سپاہی ہیں سپاہی

لیکن ہم وہ سپاہی ہیں جو بغیر یونیفارم کے ہیں ۔اس لیے اگر کوئی انسپکٹر جنرل پولیس بھی یونیفارم کے بغیر ہو تو کوئی اُسکے اشارے پر نہیں چلے گا، ہم بھی اپنی یونیفارم اُتار کے پھر رہے ہیں حالانکہ جب ہم یونیفارم میں تھے تو رب کی مدد بھی آتی تھی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حضرتِ واثلہؓ فرماتے ہیں ہم ملکِ شام میں پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور کفار کے ممالک ہمارے قدموں میں آرہے تھے ۔اُن کے شہزادے غلام بن رہے تھے اور اُنکی شہزادیاں لونڈیاں بن رہی تھیں اور اُن کے مال و دولت قدموں میں

نچھاور ہورہے تھے۔ علامہ واقدیؒ 'فتوح الشام' میں لکھتے ہیں کہ حضرتِ واثلہؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس لشکر کے امیر حضرت عمر بن العاصؓ تھے، ایک موقع پر ہم کافروں کے نرغے میں آگئے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین اس وقت وطن سے بہت دور تھے لیکن رب کے بہت قریب تھے، قدم قدم پر رب کی مددیں اُن کے ساتھ تھیں۔ حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں کہ " کالنقطۃ البیضاء فی جلد الثور الاسود " ایسے جیسے کالے رنگ کا بیل ہو اور اُس پر سفید دھبہ، سفید دھبے کی کالے رنگ کے بیل کے سامنے کیا حیثیت ہے!! اتنی کثیر تعداد میں کافروں نے ہمیں گھیر لیا اور ہماری تعداد بہت تھوڑی تھی۔

اب کافر دانت پیس رہے ہیں کہ ابھی ہم ان کو کاٹ کھائیں گے لیکن رب راضی تو سب راضی، رب سے صلح ہے تو سب سے صلح ہے۔ ایسا ہی منظر حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا کہ آگے دریا کی موجیں ہیں اور پیچھے فرعون کی فوجیں، دو موتوں کے درمیان آگئے۔ قوم نے جب دیکھا تو کہا کہ 'یا موسیٰ انا لمدرکون' اے موسیٰ علیہ السلام ہم تو پکڑے گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ 'کلا ان معی ربی سیھدین' ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ فرعون اپنے پورے لشکر سمیت اُسی دریا میں غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُنکے ساتھی پار ہوگئے۔ ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے اور 100 قبیلوں کے 100 شجاع و بہادر نوجوان اپنی ننگی تلواروں کے ساتھ گھر کا معاصرہ کیے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو اپنے محبوب ﷺ کو ایک دم سے اُوپر اُٹھاتے اور مدینہ طیبہ پہنچا دیتے یا اللہ تعالیٰ چاہتے تو معاصرے سے پہلے ہی آپ علیہ السلام کو وہاں سے نکال لیتے لیکن ایسا نہیں کیا، اس لیے کہ کافروں کی بے بسی اور اپنی طاقت کو ظاہر کرنا تھا۔

حضرتِ جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، وہ آئے اور آ کر نبی پاک ﷺ کو اُٹھایا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہاں سے ہجرت کرنی ہے۔ اُٹھا کر نہیں لے گئے بلکہ اُن محاصرہ کرنے والوں کے بیچ میں سے گزار کر دکھایا اور آپ علیہ السلام سفر کرتے ہوئے غارِ ثور پر پہنچے، صبح کو کافر تلاش کرتے ہوئے بالکل غار کے قریب پہنچ گئے۔ آپ علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار میں موجود ہیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُن کافروں کو دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر وہ ذرا نیچے دیکھیں گے تو ہم اُن کو نظر آ جائیں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! تیرا کیا خیال ہے اُن دو کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ ہو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔ کیا خیال ہے بیک (Back) مضبوط ہونی چاہیے اور رب ساتھ ہوں تو پھر بیک مضبوط ہوتی ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ کے نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی اکیلے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اکیلے اور حضرت محمد ﷺ بھی شروع میں اکیلے تھے لیکن بیک اتنی مضبوط تھی کہ اُن کے مقابلے میں فرعون و نمرود اور ابوجہل و ابولہب، قیصر و کسریٰ سب کو اللہ نے ذلیل و رسوا فرما دیا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ سب ہمارے ساتھ ہیں لیکن رب ہمارے ساتھ نہیں ہیں جسکی وجہ سے ہم کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوا کے جھونکوں کے حوالے ہیں اور وہ ہمیں پتہ نہیں کہاں کہاں گڑھوں میں لے جا کر پھینکتے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلاظتوں سے نکلنے اور ہدایت والے راستے پر آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں کسی سے شکوہ نہیں ہونا چاہیے، شکوہ کرنا ہے تو اپنے آپ سے کرنا ہے۔

کیوں مجھ کو شکایت ہو کسی غیر سے جھوٹی
خود اپنی ہی تقصیر سے قسمت میری پھوٹی

اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی
افسوس تو یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے چھوٹی

یہ چیزیں ہم نے خود چھوڑی ہیں اس لیے آج ذلت و رسوائی میں ہیں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں کہ کافروں نے ہمیں گھیر لیا اور ہم بیچ میں پھنس گئے، اُن کی پوری کوشش تھی کہ آج انکو ختم کر دیں گے لیکن رب سے تعلق تھا، پہلی نظر بھی رب پر تھی اور آخری نظر بھی رب پر۔" وما كان شعارنا الا يا رب محمد انصر امة محمد "۔ حضرت سیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولیدؓ ساٹھ ہزار کی فوج سے اکیلے مقابلے کے لیے چلنے لگے تو پوچھا گیا کہ آپ اکیلے کیوں جا رہے ہیں، فرمایا! جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو نہیں کرتا، وہ مردہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہوں، اس لیے میں زندہ ہوں اور یہ سب کافر مردہ ہیں، اس لیے ساٹھ ہزار تو کیا، ساٹھ لاکھ ساٹھ کروڑ مردے بھی ہوں تو اُن کے لیے ایک زندہ کافی ہے یا نہیں؟ لیکن زندگی بھی اللہ تعالیٰ اُن جیسی نصیب فرمائے تب بات بنے گی، تو فرمایا کہ" وما كان شعارنا الا يا رب محمد انصر امة محمد " ایک ہی پکار تھی کہ اے محمد ﷺ کے رب! ہم آپ کے نبی ﷺ کی اُمت ہیں، ہماری مدد فرما۔

حضرت واثلہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے دیکھا" انفرجت من السماء فرجا خرجت منه خيول شعب " آسمان پھٹا، اُس میں سے چمکتے ہوئے گھوڑے اُتر رہے ہیں جن کے اُوپر گھڑ سوار ہیں اور اُن کے نیزوں کی انیاں سورج میں چمک رہی ہیں۔ اُن کے آگے آگے ایک گھڑ سوار ہے جو یہ کہہ رہا ہے کہ" يا امة محمد ابشروا فقد اتاكم الله بالنصر "اے اُمتِ محمد ﷺ! تمہیں خوشخبری ہو تمہارا اللہ مقابلے پر خود آ رہا ہے۔ فرماتے ہیں

کہ ہم حیران ہو گئے، پشتوں کے پشتے لگ گئے، ہم اِدھر کھڑے ہیں اور تلواریں ہماری ہمارے ہاتھ میں ہیں اور اُدھر گردنیں کٹ کٹ کے گرتی چلی جارہی ہیں اور آن کی آن میں فتح ہو گئی۔ اسلئے کہ رب ساتھ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ جب ہم یونیفارم میں تھے تو پہچان ہوتی تھی، آج ہم کہتے ہیں کہ اللہ کہاں ہے؟ عراق میں فلسطین میں ہم مر گئے، یا اللہ آپکی مدد کہاں ہے؟ اللہ فرماتے ہیں میرے بندے کہاں ہیں، میرے بندے نظر نہیں آرہے۔

تجھ کو شکوہ ہے کہ تیرا مدعا ملتا نہیں
دینے والے کو گلا ہے کہ گدا ملتا نہیں
بے نیازی دیکھ کے بندے کی کہتا ہے کریم
دینے والا دے کسے دستِ دُعا ملتا نہیں

اللہ کی قسم! رب تو وہی ہے جن کا تعارف حضور ﷺ نے کروایا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ بھی وہی ہیں، قیامت تک کے نبی نہیں بلکہ قیامت کے دن کے بھی نبی ﷺ وہی ہیں اور جنت کے نبی بھی وہی ہیں۔

نازاں ہو جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ ﷺ کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروانِ شوق یہاں سَر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

اور روضہ اقدس پر حاضری کے وقت

لبوں پہ مہرِ سکوت ہے ادب کا یہ مقام ہے
یہاں دھڑکنوں کے درود ہیں اور آنسوؤں کا سلام ہے

میرے لیے ہر گلشن رنگیں سے بھلی ہے
کانٹے کی وہ نوک جو طیبہ میں پلی ہے
جو اُن کی گلی ہے، دراصل ہے وہ جنت
دراصل جو جنت ہے، وہی اُن کی گلی ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں اُنہی گلیوں اور راستوں کا راہرو بنائے اور اِدھر اُدھر کی بھول بھلیوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

نقش قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

قیامت میں سب کی نظریں ہمارے آقا ﷺ پر لگی ہوں گی لیکن ہم وہ بے وفا اُمتی ہیں جو اپنے آقا ﷺ کو چھوڑ کر دوسروں کی گود میں جا بیٹھے ہیں اور یہ ذلت و رسوائی جو آج ہم پر چھائی ہوئی ہے، یہ کبھی دور ہو نہیں ہوگی جب تک ہم پلٹ کر اپنی اصل بنیادوں پر نہیں آئیں گے، اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن پاک کی پہلی وحی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہمیں قرآن ہی پڑھنا چاہیے اور جو رسی اللہ تعالیٰ نے اُوپر سے ڈالی ہے اُسے مضبوطی سے تھامنا چاہیے۔ اس لیے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اُوپر ہے اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے۔ اُوپر جانے کے لیے تو محنت ہوتی ہے، نیچے جانے کے لیے کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی۔ مثلاً ایک بچہ ہے، اُسکی یہ کوشش ہے کہ میں ساری زندگی پہلی کلاس میں رہوں تو اس کے لیے اُسے کوئی محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ جس نے رہنا ہی پہلی کلاس میں ہے وہ آوارہ ہی پھرے گا۔ ہاں اگر اُس نے ترقی کر کے آگے جانا ہے تو پھر اُسے محنت کرنا ہوگی۔ اگر ہم نے جنت میں جانا ہے تو اُسکے لیے ہمیں

اُٹھنا پڑے گا، نماز کیلئے اُٹھنا پڑے گا، حق کیلئے اُٹھنا پڑے گا اور یہ ہلکا ہلکا بوجھ اُٹھانا پڑے گا

اُن کے غموں کا بوجھ خوشی سے اُٹھایئے
ہلکی رہے گی زیست میری مان جایئے

بس یہ غم اُٹھایئے جو کہ عصائے موسوی ہے، پھر سارے غم ختم ہو جائیں گے۔ اگر ایک رب کی رضا کا غم، آپ ﷺ کی رضا کا غم نصیب ہو گیا تو پھر سارے غم ہلکے ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ غم عصائے موسوی ہے جو سارے غموں کا ایک ہی لقمہ بنا کر سب کو ہڑپ کر جائے گا، اللہ تعالیٰ یہ غم ہم سب کو نصیب فرمائے۔ اقراء روضۃ الاطفال، روضہ کا معنی جنت اور اطفال کا معنی بچے یعنی بچوں کی جنت۔ یہاں ان کا عمامہ اور کرتا دیکھ کر مجھے حضرتِ امام مالکؒ یاد آئے کہ ان کی والدہ نے اُن کو تیار کیا، اللہ تعالیٰ ایسی مائیں ہم سب کو عطا فرمائے۔ حضرتِ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ماں، حضرتِ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی ماں، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی ماں، یہ ان اولیائے کرام کی مائیں تھیں کہ جن کی پاکیزہ گودوں میں ان حضرات نے پرورش پائی تھی۔

اس لیے حضرتِ لاہوری فرمایا کرتے تھے کہ

تعلیم یافتہ بھی ہوں نیک بخت بھی ہوں
تم سے رہیں ملائم شیطاں پہ سخت بھی ہوں
قرآن ہی کرے گا ان بیبیوں کو پیدا
پاکیزہ تخم جب ہوں تو عمدہ درخت بھی ہوں

سانچہ اچھا ہو تو مال بھی اچھا تیار ہوتا ہے، سانچہ ٹیڑھا ہو تو مال بھی بگڑا ہوا تیار ہو گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد اچھی ہو تو اولاد فوٹو کاپی ہے اور ماں باپ اصل ہیں۔ اس لیے

فوٹو کاپی تو اصل کے مطابق ہی ہوا کرتی ہے، اگر اصل میں کمی ہو تو فوٹو کاپی میں بھی آئے گی بلکہ بعض مشینیں ایسی ہیں کہ جن میں فوٹو کاپی مزید نکھر کے آتی ہے۔ ماں باپ میں تھوڑی کمی ہے لیکن اولاد میں زیادہ نظر آتی ہے۔ ماں باپ بچے سے کہتے ہیں کہ بیٹا جھوٹ مت بولو تو ہم کہیں گے اے بڑے! آپ بھی جھوٹ مت بولو۔ دیکھو میرے بیٹے جھوٹ بولنا بری بات ہے تو ہم کہیں گے اے والد/والدہ جھوٹ بولنا آپ کے لیے بھی بری بات ہے۔ ہماری کوشش تو یہ ہے کہ بچے اچھے ہو جائیں لیکن بڑوں کو بھی اچھا ہونا چاہیے، اس لیے کہ بڑے اچھے ہوں گے تو بچے خود بخود اچھے ہو جائیں گے۔

بڑے اصل ہیں اور پھر اُن کو دیکھا دیکھی آگے بات چلتی ہے، خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر ہر گھر میں اچھی فضا ہو اور ہر ماں کی گود پاکیزہ ہو تو اُن گودوں میں پل کر نکلنے والے بھی اللہ کی قسم حضرتِ پیرانِ پیرؒ بنیں گے، صلاح الدین ایوبیؒ بنیں گے، محمد بن قاسمؒ بنیں گے، اپنے وقت کے اکابر اولیاء بنیں گے اور آسمانِ ہدایت کے چمکتے سراج بنیں گے۔

ہمارے حضرت مولانا جمشید علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ رائے ونڈ کے بڑے بزرگوں میں ہیں، حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ کھانڈ کی روٹی جہاں سے توڑو، وہیں سے میٹھی اس سے کوئی چھوٹا ملے گا تب بھی یہ شفقت والا معاملہ کرے گا اور اگر کوئی بڑا ملے گا تو اُن کے ساتھ بھی یہ ادب سے پیش آئے گا۔ ماں سامنے آئے گی تو اسکی گردن جھک جائے گی، باپ سامنے آئے گا تو اُن کا بھی ادب واحترام کرے گا۔ اس کی زندگی کے جس صفحے کو کھولیں گے وہاں محبت ہی نظر آئے گی، ادب ہی ادب نظر آئے گا لیکن یہ برکتیں تب ملیں گی جب سانچے اچھے ہوں گے، پھر مال بھی اچھا تیار ہوگا۔

آج ہماری پوری کوشش ہے کہ پیکنگ اچھی ہو جائے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مال اچھا تیار ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ سواری اچھی ہو جائے، رب چاہتے ہیں کہ سوار اچھا ہو جائے۔ سوار اچھا ہو تو اُس کے بعد اچھی سواری بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مکان اچھا ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکین اچھا ہونا چاہیے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا محل ہے جس کے کھربوں کمرے ہیں اور پوری روئے زمین پر اُس سے قیمتی محل کوئی نہیں ہے لیکن اُس میں رہنے والے فرعون، نمرود، شداد، ابولہب وابوجہل ہیں، آپ بتایئے ہر وقت وہاں اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے یا نہیں؟ اور اُس کے مقابلے میں ایک کمرہ ہے جس کی چھت بھی ٹوٹی ہوئی ہے، دیواریں بھی کچی ہیں فرش بھی ٹوٹا ہوا ہے، بارش ہو تو وہ ساری اندر آ جاتی ہے لیکن اُس میں رہنے والے حضرتِ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں تو آپ بتایئے ساری روئے زمین فخر کرے گی یا نہیں؟ اس لیے کہ پیکنگ اچھی نہیں لیکن اندر مال بڑا اچھا ہے۔ مکان اچھا نہیں لیکن اندر مکین بڑا عمدہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسا بنائے۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جو کارخانہ رفیکٹری پیکنگ اچھی کرے اور مال گھٹیا دے تو وہ بددیانت ہیں یا امانت دار ہیں؟ بددیانت ہیں، اس لیے کہ لیبل کچھ لگا رکھا ہے اور مال کچھ دے رہے ہیں اور اگر پیکنگ سادہ سی ہو لیکن مال اچھا ہو تو یہ بڑی عمدگی کی بات ہے۔

حضرتِ مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادہ خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں کہ ''اے انسان! تو اپنے ظاہر کو بنانے میں لگا ہوا ہے جسے اللہ تعالیٰ دیکھتے نہیں، تو اپنے باطن کو کیوں نہیں بناتا جسے اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں'' اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔ ہم چیزوں سے قیمت لگاتے ہیں، اللہ کی قسم! چیزوں سے آدمی قیمتی نہیں بنتا۔ خود آدمی اتنا قیمتی بن جائے کہ چیزیں اس

کو لگیں تو وہ بھی قیمتی بن جائیں لیکن یہ اتنا بے قیمت ہے کہ بالکل زیرو میٹر گاڑی پر بیٹھ کر جب یہ سڑک پہ آیا تو گاڑی کی قیمت گر گئی، لقمہ اس کے منہ میں گیا تو اسکی قیمت گر گئی، کپڑا جب سلا ہوا نہیں تھا تو قیمتی تھا لیکن جب سل کے اس کے بدن پر آیا تو قیمت گر گئی۔ اس لیے کہ وہ مستعمل ہو گئی، تو یہ انسان اتنا بے قیمتی ہے کہ جو چیز بھی اس کے ساتھ لگتی ہے، بے قیمت ہو جاتی ہے۔ اللہ کی قسم آدمی تو وہ ہوتا ہے کہ جس کو جو چیز لگ جائے وہی قیمتی بن جائے، وہ یثرب میں جائے تو مدینہ منورہ بن جائے۔

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیعِ عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہیں ہے رات آج تک
وہاں وہاں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

اللہ کی قسم اُس نعل مبارک کی کوئی قیمت نہ تھی جب تک نبی پاک ﷺ کے قدم اطہر کو چھوا نہیں تھا لیکن جیسے ہی وہ آپ ﷺ کے قدم مبارک میں آئی تو ساری کائنات سے قیمتی بن گئی۔ اس لیے ہم بھی جتنا اپنے نبی ﷺ کے قریب ہوں گے، اتنا ہی قیمتی بن جائیں گے، دور ہوں گے تو ردی ہو جائیں گے اور ردی چیز کو تو پھر آگ میں ہی جلایا جاتا ہے۔ سارا باطل سارے یہود و نصاریٰ سب جہنم کے راستے کی طرف جا رہے ہیں اور ہمیں بھی ساتھ لے کر جا رہے ہیں، اللہ کرے کہ ہم اُن میں نظر نہ آئیں۔

ہم نے زمانے کے ساتھ نہیں چلنا، یہ جملہ بڑا غلط ہے کہ جی زمانہ کہاں پہنچ گیا ہے اور ہم کہاں ہیں۔ ہم نہیں جانتے زمانے کو، ہم نے زمانے کے ساتھ نہیں چلنا بلکہ زمانے کو اپنے ساتھ لے کر اپنے آقا علیہ السلام کے پیچھے چلنا ہے۔ اس لیے کہ ہم زمانے کے مقتدی بن کے

نہیں آئے ، ہم تو امام بن کے آئے ہیں ۔ جنت میں داخلہ حرام ہے ہر نبی کا ، جب تک ہمارے نبی ﷺ داخل نہ ہو جائیں اور ہر اُمت کا داخلہ بھی حرام ہے جب تک یہ اُمت داخل نہ ہو جائے ۔ یہ تو سردار اُمت ہے لیکن آج سرِ دار ہو چکی ہے ۔ اگر زیر کو ہٹا کر اسکی جگہ زبر لگا دیں تو پھر ہم سردار ہو جائیں گے ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سرداری کے لیے قبول فرمالے ۔

کیوں مجھ کو شکایت ہو کسی غیر سے جھوٹی
خود اپنی ہی تقصیر سے قسمت میری پھوٹی
اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی
افسوس تو یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے چھوٹی

اللہ تعالیٰ کی رسی تو موجود ہے ، یہ وحیِ الٰہی ، قرآن پاک ، احادیثِ مبارکہ سب خیر کے سلسلے موجود ہیں ۔ مسجدیں جنتی باغ ہیں اور مدرسے محمدی باغ ہیں ۔ طلباء کرام ان باغوں کے پودے ہیں ، علمائے کرام ان باغوں کے مالی ہیں اور ہر ہر مدرسہ صفہ کی شاخ ہے اور ہر طالبِ علم اصحابِ صفہ کا ساتھی ہے اور ہر عالمِ دین حضور ﷺ کی نسبت والا ہے ۔ اس لیے یہ برکتوں والے لوگ ہیں ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے ۔

میں نے کیا عرض کیا کہ جنت اُوپر ہے اور جہنم نیچے ہے ۔ اُوپر جانے کے لیے محنت ہے اور نیچے جانے کے لیے کوئی محنت نہیں ۔ کون ایسا آدمی ہوگا جو یہ کہے کہ میں اپنے بیٹے کو جاہل بنانا چاہتا ہوں اور پھر آکر اس سلسلے میں مشورہ کرے کہ کتنے عرصے میں میرا بیٹا جاہل بن جائے گا اور اس میں کتنا خرچ ہوگا ؟ آپ کا کیا خیال ہے کوئی کرتا ہے مشورہ اپنے بچے کو جاہل بنانے کا ؟ بچہ تو پیدائشی طور پر جاہل ہے ، اب اُسکی جہالت کو ختم کر کے اُسے زیورِ علم سے آراستہ کرنا ہے تو اس کے لیے محنت کرنا پڑے گی لیکن جاہل بنانے کی کوئی محنت نہیں ہے

اسی طرح زمین کو بنجر بنانے کی کوئی محنت نہیں ہے لیکن اسکے بنجر پنے کو ختم کر کے لہلہاتی کھیتوں میں تبدیل کرنے کے لیے بڑی محنت ہے۔ایسے ہی جہنم میں جانے کی کوئی محنت نہیں ہے، آدمی اگر اپنی طبیعت پر چلے تو سیدھا جہنم میں جائے گا، شریعت پر چلے تو جنت میں جائے گا۔اس لیے اگر ہم نے اُوپر جانا ہے تو اُس کے لیے ہمیں محنت کرنی پڑے گی۔یہ رباعی اگر ہم یاد کرلیں اور مجھے تو بہت لطف آتا ہے اس سے

کیوں مجھ کو شکایت ہو کسی غیر سے جھوٹی
خود اپنی ہی تقصیر سے قسمت میری پھوٹی
اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی
افسوس تو یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے چھوٹی

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اس رسی کو مضبوطی سے تھام لیں گے، اُوپر چلے جائیں گے۔ اقراء روضۃ الاطفال ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اقراء کی مبارک نسبتوں والا بنائے اور تعلیم کے زیور سے ہمیں آراستہ فرمائے۔اللہ تعالیٰ اس بچوں کی جنت کو حقیقی جنت کا نمونہ بنائے اور صحیح معنوں میں تعلیم و تربیت کے سارے مرحلے نصیب فرمائے اور اللہ کرے کہ ہمارے گھر بھی اقراء جنت الاطفال بن جائیں اور ہر فرد اقراء جنت الاطفال کا نمونہ بن جائے (آمین)۔

بیان شوکت لائن بعداز نمازِ عشاء (12 اپریل 2008ء)

الحمد لله الحمد لله صاحب الجلالة والصلوة والسلام علی نبیه صاحب الرسالة اللهم صل علی محمد و اله بقدر حسنه وکماله اما بعد:

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ اذ اتخذ الفیء دولا والامانة مغنما والزکوة مغرما وتعلم لغیر الدین واطاع الرجل امراته وعق امه وادنی صدیقه واقصی اباه وظهرت الاصوات فی المساجد وساد القبیلة فاسقهم وکان زعیم القوم ارذلهم واکرم الرجل مخافة شره وظهرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن اخرهذه الامة اولها فارتقبوا عند ذلک ریحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا و ایات تتابع کنظام قطع سلکه فتتابع (رواہ الترمذی)

اوکما قال علیه الصلوة والسلام

حضرت سیدنا ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (یہ علاماتِ قیامت کا بیان ہے، مختلف مواقع پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ سے جو جو سوالات کیے، اُن کے جوابات اور قیامت کب ظاہر ہوگی یہ اُسکی نشانیاں اور اُس کی علامات ہیں، جب یہ علامات ظاہر ہوں تو پھر سمجھ لیا جائے کہ قیامت قریب ہے)۔ ''جب غنیمت کو ذاتی مال سمجھا جانے لگے اور امانت کو مالِ غنیمت کی طرح بے محل استعمال کیا جانے لگے۔ زکوٰۃ کو تاوان اور بوجھ سمجھ کر ادا کیا جانے

لگے اور علم حاصل کیا جانے لگے دین کے لیے نہیں، آخرت کے لیے نہیں بلکہ دنیاوی اغراض کے لیے اور لوگ اپنی بیویوں کی فرمانبرداری کرنے لگ جائیں، ماؤں کی نافرمانی کرنے لگ جائیں۔

اپنے دوستوں کو تو گلے لگائیں اور اپنے باپ کو دور کر دیں۔ مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگ جائیں۔ قبیلے کی سرداری اُن میں سے فاسق اور فاجر کو مل جائے اور قوم کا لیڈر وہ شخص ہو جو اُن میں سے سب سے کمینہ ہو، وہ اُن کی قوم میں سب سے بڑا بن جائے۔ کسی آدمی کا احترام اُس کے ادب کی وجہ سے نہ کیا جائے بلکہ اُس کے شر سے بچنے کے لیے کیا جائے (کہ یہ آدمی لٹیرا ہے اور بڑا خطرناک آدمی ہے، اگر اس کا ادب نہیں کرو گے تو نقصان پہنچائے گا، تو اُس کے شر سے بچنے کے لیے اُس کا ادب کیا جائے) اور جب بے پردہ گانے والیاں اور گانے باجے عام ہو جائیں اور شرابیں پی جانے لگیں اور اِس اُمت میں بعد میں آنے والے پہلوں پر لعنت کرنے لگ جائیں۔ جب یہ علامات پائی جائیں تو اُس وقت تم انتظار کرنا سُرخ آندھیوں کا اور زلزلوں کا اور زمین میں دھنسائے جانے کا اور صورتوں کے مسخ ہو جانے کا اور آسمان سے پتھروں کی بارش کا۔ فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکلیں اُن پر اس طرح پے در پے آئیں گی جس طرح ہار کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو اُس کے دانے تیزی سے گرنے لگتے ہیں، اس طرح سے عذاب کی شکلیں سامنے آنے لگ جائیں گی۔

امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت میں پیدا ہونے والی پندرہ خرابیاں یہاں ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ مالِ غنیمت جو دراصل مجاہدین اور غازیوں کا حق ہے اور اِس میں فقراء و مساکین کا بھی حصہ ہے، اربابِ اختیار اُس میں ذاتی دولت کی طرح سے تصرف کرنے لگ جائیں گے۔ اُس کو کیا کہیں گے صوابدیدی

اختیارات،صوابدیدی اختیارات کا کوئی تصور شریعت میں نہیں ہے، اس کا پتہ تو موت پر چلے گا اور قبر میں جا کے پتہ چلے گا۔کوئی صوابدیدی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ سب ہمارے پاس امانت ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا! بس اُس کے مطابق کرنا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگ زکوۃ کو خوش دلی سے ادا نہیں کریں گے بلکہ تاوان اور بوجھ سمجھ کر ادا کرنے لگ جائیں گے۔ تیسری علامت یہ ہے کہ علمِ دین جو دین کے لیے سیکھنا چاہیے تھا اور اپنی آخرت بنانے کے لیے حاصل کرنا چاہیے تھا، وہ دنیاوی اغراض کیلئے سیکھا جانے لگے گا۔ چوتھی اور پانچویں علامت یہ بیان فرمائی کہ لوگ اپنی بیویوں کی تابعداری کریں گے، اُن کی ناز برداری کریں گے اور اپنی ماؤں کے ساتھ نافرمانی اور ایذارسانی کا رویہ رکھیں گے۔چھٹی اور ساتویں علامت یہ بیان فرمائی کہ دوستوں کو گلے لگائیں گے اور باپ کو دھتکار دیں گے، باپ کے ساتھ بدتمیزی کی جائے گی۔آٹھویں علامت یہ ہے کہ مسجدیں جو خانہ خدا ہیں اور بہت زیادہ ادب واحترام کی وہاں ضرورت ہے کہ اونچی آواز سے وہاں بولا بھی نہ جائے لیکن مسجدوں کا ادب واحترام نہیں رہے گا، اُن میں آوازیں بلند ہوجائیں گی، جھگڑے شروع ہوجائیں گے، شوروشغب شروع ہوجائے گا۔

نویں علامت یہ ارشادفرمائی کہ قبیلوں کی سرداری اُس دور میں فاسقوں اور فاجروں کے ہاتھ میں آجائے گی۔دسویں علامت یہ ہے کہ حکومت اور قوم کی بڑی ذمہ داریاں اُس وقت میں جو سب سے کمینے اور گھٹیا لوگ ہوں گے، اُن کو دی جائیں گی۔گیارہویں علامت یہ ہے کہ شریر آدمی کی شرارت اور اُس کی شیطنت سے بچنے کے لیے اُس کا ادب کیا جائے گا۔بارہویں اور تیرہویں علامت یہ ہے کہ پیشہ ور گانے والیوں کی اور گانے باجوں کی اور اُن سے دل بہلانے والوں کی کثرت ہوجائے گی۔چودھویں علامت یہ ہے کہ شرابیں

خوب پی جانے لگیں گی۔ پندرھویں علامت یہ ہے کہ اُمت میں بعد میں آنے والے پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے، اُن میں سے عیب نکالنے لگ جائیں گے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جب یہ خرابیاں اور علامات نمودار ہو جائیں گی (بیماری کی علامات ہوتی ہیں نا اور معالج ہی تو علامات دیکھ کر بتاتا ہے کہ یہ بیماری ہے) تو اُس وقت تم انتظار کرنا، اللہ تعالیٰ کا قہر تم پر نازل ہوگا ورتم انتظار کرنا اُس وقت سُرخ آندھیاں چلیں گی، زمین میں زلزلے آئیں گے اور زمین پھٹ پھٹ کے آدمی اُس میں دھنستے چلے جائیں گے۔ شکلیں بگاڑ دی جائیں گی اور صورتوں کو مسخ کر دیا جائے گا۔ آسمان سے پتھروں کی بارش ہونے لگ جائے گی۔ ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے قہر کی نشانیاں پے در پے آئیں گی جس طرح ہار کا دھاگہ ٹوٹ جائے تو دانے پے در پے گرتے ہیں، اس طرح سے عذاب کی شکلیں سامنے آنے لگ جائیں گی۔

دوسری جگہ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے میری اُمت! میں پانچ باتوں کی اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ پانچ چیزیں تم میں پیدا نہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اُن پانچ چیزوں کو تم سے دور رکھے۔ پہلی چیز جس کی میں پناہ چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم میں بے حیائی پھیلتی ہے، تو اُن پر طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں اللہ تعالیٰ مسلط کر دیتے ہیں کہ اُن کے باپ دادا نے کبھی اُن کے نام بھی نہ سُنے ہوں گے۔ یہ بیماری نہیں ہوگی بلکہ عذاب ہوگا اور بیماری کے لیے تو دوا کی ترتیب ہوتی ہے لیکن عذاب کے لیے استغفار ہوتا ہے، توبہ ہوتی ہے۔ بیماریاں بھی علامات کی شکل میں آئیں گی اور یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوگا۔ ایسی بیماریاں جن کے بارے میں کبھی کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا، ایسی ایسی موذی بیماریں لگنے لگ جائیں گی

اور یہ بیماریاں عذاب کی شکل میں ہوں گی تو عذاب سے بچنے کے لیے دوائیاں ہیں یا توبہ و استغفار ہے؟ توبہ و استغفار ہے۔ نئی نئی بیماریاں اور امراض مسلط ہو جائیں گے لیکن کب؟ جب قوم میں بے حیائی عام ہو جائے گی۔ دوسری بات جس کی میں تمہارے لیے پناہ مانگتا ہوں وہ یہ کہ جب ناپ تول میں کمی شروع ہو جائے گی تو پھر قحط اور مہنگائی، مشقت اور محنت اور بادشاہوں کے مظالم تم پر مسلط کر دیے جائیں گے۔ ظالم بادشاہ مسلط ہو جائیں گے، مہنگائی ہو جائے گی۔ یہ بھاؤ (Rate) یہاں نیچے نہیں طے ہوتے بلکہ یہ آسمان پر طے ہوتے ہیں۔ اعمال جیسے اُوپر جاتے ہیں ویسے فیصلے آسمان سے نیچے آتے ہیں، ہمیں اس کا یقین کرنا پڑے گا۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کے آسمانِ دنیا پر دو دروازے ہیں، ایک سے اُس کے اعمال اُوپر جاتے ہیں، دوسرے سے اُن کے نتیجے نیچے آتے ہیں۔ جیسے اعمال ہوں گے ویسے احوال ہوں گے، اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے حالات اچھے ہو جائیں تو اُس کے لیے ہمیں اپنے اعمال اچھے کرنے پڑیں گے۔ ہم لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ فلاں نے مہنگائی کر دی اور فلاں نے قیمتیں بڑھا دیں، یہ ہماری سوچ کی کمی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی آدمی ٹوٹی سے نکلنے والے پانی کے متعلق کہے کہ یہ ٹوٹی پانی دیتی ہے حالانکہ وہ تو پانی کے زائل ہونے کی جگہ ہے، پانی تو پیچھے ٹینکی سے آ رہا ہے اور اُس ٹینکی کا بھی پیچھے کسی نہر سے تعلق ہے اور اُس سے پھر پائپ لائن سے ہو کے ٹوٹی تک آتا ہے۔ پیچھے پانی ہوگا تو آگے ٹوٹی میں بھی آئے گا، وہاں نہیں ہوگا تو لاکھ ہم گھر میں ٹوٹی لگائیں، پانی نہیں آئے گا۔ اسی طرح یہ سب زائل ہونے کی جگہیں ہیں ہماری دکان، ہمارا دفتر اور باقی جتنی بھی چیزیں ہیں، یہ زائل ہونے کی جگہیں ہیں۔ کوئی افسر

ہم سے بگڑ رہا ہے تو ہم فوراً اخیال کریں کہ یہ کون ہوتا ہے مجھ سے بگڑنے والا ،لگتا ہے کہ میرا بڑا مجھ سے ناراض ہے جس کی وجہ سے یہ بھی خفا ہے۔ یہ میرا رب سے تعلق خراب ہوا ہے جس کی وجہ سے سب سے بھی خراب ہو رہا ہے، اسلئے فوراً اللہ تعالیٰ سے رابطہ درست کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ " من اصلح ما بینه و بین الله اصلح الله ما بینه و بین الناس "

نمبر کیوں نہیں ٹھیک لگے؟ اس لیے کہ میں نے پرچہ ٹھیک حل نہیں کیا اور جوابات صحیح نہیں دیے، اس وجہ سے نمبر ٹھیک نہیں لگے ہیں۔

دکاندار اپنی دکان میں بیٹھے ہوئے صحیح جواب نہیں لکھ رہا، دکاندار بیچارہ بھی اس مزے میں نہ رہے کہ میں تو بہت کما رہا ہوں، نہیں نہیں بلکہ دکان پر بیٹھنے والا اور دفتر میں قلم چلانے والا، یہ سب امتحان دے رہے ہیں۔ وہ بیچارہ جو گتہ ہاتھ میں لیے امتحان دیتا ہے اُس کو تو ہم سمجھتے ہیں۔ صرف آپ کے بیٹے کا ہی امتحان نہیں ہے بلکہ آپ کا اپنا بھی امتحان ہے اور آپ کے بیٹے کا امتحان سکول و کالج کا تو 3 ماہ بعد ہوگا یا سال کے بعد ہوگا لیکن آپ تو روزانہ دکان میں دفتر میں امتحان دے رہے ہیں۔ یہ جو قلم چل رہا ہے، جو ترازو تُل رہا ہے یہ جو قیمت لگ رہی ہے اور یہ جو سودا لینا دینا ہو رہا ہے، یہ سب پرچے حل ہو رہے ہیں۔ اب پتہ نہیں کہ آپ پاس ہوئے یا فیل ہوئے، اللہ تعالیٰ ہی ہم سب پر کرم فرمائے۔

بچوں پر تو بڑی توجہ ہے کہ یہ بچہ محنت نہیں کرتا لیکن آپ بھی تو اپنے نصاب (Syllabus) پر محنت نہیں کرتے۔ آپ بھی تو امتحان دے رہے ہیں دفتر میں بیٹھے ہوئے۔ آپ کا قلم کسی کے خلاف چل رہا ہے تو آپ کے پیچھے بھی ایک قلم چل رہا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ فرشتے دائیں بھی بیٹھے ہیں، بائیں بھی ہیں۔ دائیں طرف نیکیاں لکھنے والے اور بائیں طرف برائیاں لکھنے والے۔ آپ کا قلم چلا تو اُدھر بھی قلم چلا ہے اور پتہ نہیں

کہ دائیں طرف والا فرشتہ مصروف ہوا یا بائیں طرف والا۔ ہماری زبان بولنے لگی تو اس میں بھی قلم حرکت میں آیا ہے۔ ہماری زبان کے بولوں پر بھی ہمارے لیے یا تو آخرت میں درجات کی بلندی کا معاملہ ہوا یا اللہ تعالیٰ کے ہاں دوری کا، یا تو ہماری قبر جنت کے باغوں میں سے باغ بنی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے گڑھا بنی ہے۔

ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہاں ہم نے رہنا نہیں ہے بلکہ چلے جانا ہے اور یہ سانس ہماری زندگی کو آرے کی طرح سے کاٹ رہے ہیں۔ آرا دیکھا ہوگا آپ نے اور اُس سے کاٹتے ہوئے بھی کسی کو دیکھا ہوگا۔ بڑا تناور درخت ہو، بہت مضبوط اُس کا تنا ہو اور بہت بلند و بالا ہو لیکن جب آرا اُس کو لگ جاتا ہے تو کاٹنے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ اب گیا اور اب گیا، اگرچہ اُس کی مضبوطی قائم ہوتی ہے اور اگر دھکا لگائیں تو نہیں گرے گا لیکن جوں جوں وہ کٹتا چلا جاتا ہے، اُس کی زندگی کم ہوتی چلی جاتی ہے اور بالآخر ایک وقت آتا ہے کہ وہ ایک ہی جھونکے کے ساتھ دھڑام سے گرتا ہے۔ اسی طرح یہ سانس جو آ رہے ہیں یہ بھی ہماری عمر کو آرے کی طرح کاٹ رہے ہیں اور جس دن ہم پیدا ہوئے تھے، اُسی دن سے یہ آرا مسلسل چل رہا ہے۔

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

رفتہ رفتہ عمر کم ہو رہی ہے، ہم سو رہے ہوتے ہیں تب بھی یہ آرا چل رہا ہوتا ہے۔ یہ سانس جو آ رہا ہے جا رہا ہے، یہ ہماری عمر کو کاٹتا جا رہا ہے۔ ہم پلازہ خریدنے میں لگے اور ہم کوٹھی بنانے میں لگے، ہم سوچ رہے ہوتے ہیں کہ وہ پلاٹ خرید لوں اور فلاں جگہ پر گھر بنا لوں لیکن وہ اپنا کام کر رہا ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنا ایک دستِ مبارک یہاں (اپنے سر مبارک پر) رکھا اور دوسرا دستِ مبارک آگے کو بڑھایا اور فرمایا "یہ آدمی کی موت ہے اور یہ اُسکی تمنائیں ہیں"۔ اُمیدیں بہت آگے کی ہوتی ہیں لیکن موت راستے میں ہی اُس کو اُچک کر لے جاتی ہے۔ پیاس لگی ہوئی تھی کہ یہ بھی کرلوں اور وہ بھی کرلوں لیکن حسرت بھری کیفیت کے ساتھ پیاسا اور بھوکا آدمی چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پیاس سے محفوظ فرمائے یہ دنیا کی پیاس اچھی نہیں ہے، مال کی نہیں بلکہ اعمال کی پیاس اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔ مال کی پیاس تو قارون کی بھی نہیں بجھی ہے اور عہدے و منصب اور حکومت کی پیاس فرعون و شداد کی بھی نہیں بجھی، نمرود کی بھی نہیں بجھی، اسی طرح وزارت کی پیاس ہامان کی بھی نہیں بجھی اور سرداری اور چودراھٹ کی پیاس ابوجہل وابولہب کی بھی نہیں بجھی، سب پیاسے چلے گئے اور اگر ہم بھی اُسی پیاس میں پیاسے چلے گئے تو اللہ نہ کرے کہیں ہمارا حشر بھی اُن کے ساتھ نہ ہوجائے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا ارشاد فرمایا کہ "جو نماز میں سستی کرتا ہے اور نماز کا اہتمام نہیں کرتا، قیامت میں اُس کا حشر فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا"۔ کیوں کہ اگر تو صدر یا وزیرِ اعظم بن گیا اور اس وجہ سے نماز میں سستی کر رہا ہے تو قیامت میں اس مسلمان کا حشر حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرعون کے ساتھ ہوگا۔ اگر کسی محکمے کا وزیر بنا ہے اور اس وجہ سے نماز میں سستی شروع کردی تو ہامان کے ساتھ حشر ہوگا اور تجارت میں پہلے اسکا کھوکھا تھا، پھر کھوکھے سے دکان ہوگئی، دکان سے ایک مارکیٹ خرید لی اور بہت کاروبار بڑھ گیا جس کی وجہ سے جماعت فوت ہونے لگ گئی تو اس پر خوش نہیں ہونا ہے بلکہ پریشان ہونا ہے، اس لیے کہ قیامت میں حشر قارون اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا اور

یہ اُبی بن خلف بڑے درجے کا کافر تھا۔اُس بدبخت نے ایک گھوڑا پالا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کروں گا۔

غزوہ بدر میں وہ حضور ﷺ کو تلاش کرتا پھرتا تھا کہ مجھے نظر آ جائیں تو اس بدبختی کا اظہار کروں۔اس لیے فرمایا کہ پوری روئے زمین پر سب سے بدبخت ترین آدمی دو ہیں۔ ایک وہ جو کسی نبی علیہ السلام کو شہید کر دے اور دوسرا وہ جو کسی نبی علیہ السلام کے ہاتھوں سے مردار ہو جائے۔ ویسے تو کفر میں مر جانا بھی خطرے کی بات ہے اور عام مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہونا بھی خطرے کی بات لیکن کسی نبی علیہ السلام کے دستِ مبارک سے کوئی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسکی بدبختی اور شقاوت بھی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اس لیے کہ نبی تو شفیق ہوتے ہیں اور حتی الوسع کسی کو کچھ نہیں کہتے لیکن اگر اُنکے دستِ مبارک سے ایسا ہو رہا ہے تو معنیٰ یہ ہے کہ اسکی بدبختی کی کوئی انتہا نہیں تھی، چنانچہ وہ حملہ کے ارادہ سے آپ علیہ السلام کے قریب ہوا اور نیزہ آگے کرنے کی کوشش کی لیکن وہ وار نہ کر سکا۔

حضور ﷺ نے نیزہ لیا اور ہلکا سا اُسکی گردن پر لگا دیا جسکی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے کئی مرتبہ گرا اور چیخنے چلانے لگا اور آواز ایسی تھی جیسے بیل کی ہوتی ہے۔اُسکو سارے (ابوجہل وغیرہ) عار دلاتے تھے کہ تو اتنا بڑا سردار ہے اور اتنے بڑے بڑے دعوے کرتا تھا، صرف ہلکی سی نیزے کی نوک گردن پر لگی ہے جس سے زخم بھی نہیں ہوا لیکن پھر بھی اتنا چیختا چلاتا ہے تو وہ جواب میں کہتا تھا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ یہ کس کی مار ہے؟ یہ محمد ﷺ کی مار ہے، لات وعزّیٰ (جو اُنکے اپنے معبود تھے) کی قسم! یہ تو نیزے کی ہلکی سی خراش ہے، اگر محمد ﷺ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اُس سے بھی مر جاتا چنانچہ پھر وہ تڑپتا تڑپتا راستے ہی میں مردار ہو گیا۔

توحضورﷺ کی مبارک ذاتِ عالی کے بارے میں اتنی بدبختی کرنے والے کے ساتھ اگر اُس تاجر کا حشر ہوتو خود ہی اس کا اندازہ کرلینا چاہیے۔آج تو مارکیٹیں اور پلازے ہیں، سی این جی اور پٹرول پمپ ہیں، ملیں اور فیکٹریاں ہیں، ان کی وجہ سے نماز میں سستی کررہا ہے اور نماز کو قضا کررہا ہے اور ٹال مٹول کررہا ہے لیکن اگر قیامت میں اس کا حشر اُبی بن خلف کے ساتھ ہوتو اس سے بڑی ندامت اور افسوس کی بات اور کیا ہوگی۔

یہ بات پہلے بھی کئی مرتبہ مذاکرے میں آئی ہے کہ ہمارے حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے،حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا جو ارشادِ مبارک ہے کہ" جو نماز کے وقت خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھتے ہیں (دفتر سے، دکان سے گھر سے اور جو عورت اپنے کام کاج سے) جب ان کی روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجیں گے کہ جاؤ ان کو کلمہ پڑھادو"۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ جو اپنے دفتر ردکان سے اپنے گھر سے اور اپنے مشغلے سے خوشی خوشی نماز کے لیے اُٹھے گا جب اس کی روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو وہ بھی خوشی خوشی نکلے گی اور جو نماز میں ٹال مٹول کرے گا اور نماز کا وقت ہو جانے کے بعد بھی دیر لگائے گا تو فرمایا جب اس کی روح کے نکلنے کا وقت آئے گا تو وہ بھی دیر لگائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نزع کی سختی سے بچائے۔

بعضوں کو تو کئی کئی دن لگ جاتے ہیں اور جھٹکوں پر جھٹکے لگتے ہیں لیکن روح نہیں نکلتی اور اُس وقت سب کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ جی دعا کرو کہ اس کی روح آسانی سے نکل جائے۔ بیٹا ہے تو وہ بھی دعا کراتا ہے، بیوی ہے تو وہ بھی یہی کہتی ہے کہ جی! صحت کی کیا دعا کرنی، بس یہ دعا فرمائیں کہ آگے کی منزل آسان ہوجائے۔چونکہ یہ نماز کے لیے خوشی خوشی نہیں اُٹھتا تھا اس لیے جب اسکی روح کے نکلنے کا وقت آیا تو وہ بھی خوشی خوشی نہیں نکلی اور جو خوشی

خوشی نکلنے کی مشق کر لیتا ہے، اُس کی روح بھی خوشی خوشی نکلے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی تیاری کی فکر عطا فرمائے اور موت کا دھیان نصیب فرمائے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ''جب میری اُمت ناپ تول میں کمی کرے گی تو ان پر قحط آئے گا، مہنگائی آئے گی اور مشقت ومحنت اور بادشاہوں کے مظالم ان پر مسلط کر دیے جائیں گے''۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ یہ سب کچھ نیچے سے ہو رہا ہے یا اُوپر سے؟ نمبر تو اُوپر سے لگ رہے ہیں۔ جیسے اعمال اِدھر سے جا رہے ہیں، اُنکے مطابق احوال اُدھر سے آ رہے ہیں اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے حالات اچھے ہو جائیں تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اعمال اچھے کر لیں۔ ہم فضا اچھی بنا لیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہو جائیں گی۔

تیسری بات جس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں پناہ مانگتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب میری اُمت زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کرے گی۔ اچھا! ہم غور کریں اور اپنی بیویوں سے پوچھیں، اپنی بہنوں سے پوچھیں، کوئی والدہ سے پوچھ کے دیکھے کہ الا ماشاء اللہ! پتہ چلتا ہے کہ اُنہوں نے بھی اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ اس لیے کہ مسائل پوچھنے کا رجحان ہی نہیں ہے اور دین کی طرف توجہ ہی نہیں ہے حالانکہ پوچھ پوچھ کے چلنا اور قدم قدم پر رہنمائی حاصل کرنا تو سعادت کی بات ہے۔

فرمایا جو قوم زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو اللہ تعالیٰ اُن پر بارش بند فرما دیتے ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی علیہ السلام سے کیے ہوئے عہد کو توڑ ڈالے تو اللہ تعالیٰ اُن پر اجنبی دُشمنوں کو مسلط فرما دیتے ہیں، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اجنبی دُشمن آ کے اُن کا مال بغیر کسی حق کے اُن سے چھین لیں گے اور

پانچویں بات جس سے میں پناہ مانگتا ہوں وہ یہ کہ جب کسی قوم کے حکومت والے یعنی اربابِ اقتدار کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں (قانون وہ اپنی مرضی کا بنائیں، غیروں کے طریقوں پر بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام اُن کے دل کو نہ لگیں اور وہ دین میں کوتاہی کرنے لگ جائیں) تو اللہ جل شانہ اُن کی آپس میں لڑائیاں ڈال دیں گے، پھر اللہ جل شانہ کے غضب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

ہم جسمانی بیماریوں میں بھی بعض اوقات خود ہی فیصلہ کر لیتے ہیں، جسمانی بیماری میں ہم دیکھتے ہیں کہ بیماری جب بڑھ رہی ہوتی ہے تو پرہیز شروع کر دیتے ہیں، علاج بھی کرتے ہیں اور پرہیز بھی۔ اسی طرح ہم اگر روحانی اعتبار سے بھی گناہوں سے پرہیز کریں گے تو تب ہمیں فائدہ ہوگا۔ دیکھیے! ایک آدمی اگر زمزم پیتا ہے، مدینہ پاک کی کھجوریں کھاتا ہے، خالص شہد اور خالص دودھ پیتا ہے، خالص مکھن اور گھی استعمال کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے یہ تمام چیزیں صحت کے لیے اچھی ہیں لیکن پتہ چلا کہ ساتھ زہر بھی کھاتا ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ اوہو! زمزم کا پینا اور مدینہ پاک کی کھجوروں کا کھانا، یہ سب برکت کی چیزیں ہیں لیکن زہر تو زہر ہے، وہ تو جان لیوا ہے۔ ایسے ہی کوئی تہجد پڑھ رہا ہے، تسبیح اور تلاوت کر رہا ہے، نماز پڑھ رہا ہے لیکن ساتھ گناہ بھی کر رہا ہے تو گناہ تو ایمان لیوا ہے۔

پانی تو آ رہا ہے ٹینکی میں لیکن آگے ٹونٹیاں کھلی ہوئی ہیں تو کیا خیال ہے پانی ٹھہرے گا یا سب چلا جائے گا؟ سب ضائع ہو جائے گا اور یہی وہ لیکج ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ دیکھو جی! میں تسبیح کر رہا ہوں، تلاوت کر رہا ہوں لیکن پھر بھی میری کیفیت نہیں بنتی۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ گرمی کا موسم ہو اور آدمی گاڑی میں بیٹھ کر اے سی (AC) چلائے، اے سی تو چلایا لیکن ٹھنڈک نہیں آئی، کیا وجہ ہے؟ تو پتہ چلا کہ گاڑی کے شیشے اُترے ہوئے

ہیں۔اب آپ خود فرمائیے کہ شیشے اُترے ہوئے ہوں تو ٹھنڈک آئے گی؟ بالکل نہیں آئے گی۔اس لیے کہ پہلے شیشے چڑھاتے ہیں پھراے۔سی چلاتے ہیں۔ایسے ہی ذکر تسبیح، تلاوت اورآیتِ کریمہ پڑھ کرہم اے۔سی تو چلارہے ہیں لیکن ساتھ ہی بدنظری کے شیشے بھی اُترے ہوئے ہیں، نگاہیں بھی غلط دیکھ رہی ہیں اور زبان بھی غلط بول رہی ہے،ان کھڑکیوں کے شیشے چڑھائے نہیں ہیں تو گرم گرم گناہوں کے جھونکے بھی آرہے ہیں تو آپ خود فیصلہ فرمایئے کہ پھر ٹھنڈک کہاں سے آئے گی؟ برکتیں کیسے محسوس ہوں گی۔

چھننی آپ نے دیکھی ہوگی جس میں آٹا چھانتے ہیں۔اگراُس میں آپ پانی بھریں تو کیا خیال ہے بھرجائے گا؟ لاکھ کوشش کریں لیکن نہیں بھرے گا، زمزم بھریں تو نہیں بھرے گا۔اس لیے کہ جتنا بھررہے ہیں اُس سے زیادہ تو نکل رہاہے کہ اُس میں سوراخ ہی اتنے ہیں کہ کچھ ٹھہرتا ہی نہیں ہے۔اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے،ماں بھی دعا کرتی ہے، باپ بھی دعا کرتاہے،اُستاد بھی دعا کرتا ہےاور بزرگ بھی دعا کرتے ہیں لیکن بیٹا کہتا ہے کہ یہ دعا کہاں جاتی ہے؟

ماں مانگ رہی ہےاور ماں کی دعا تو قبول ہے۔نبی علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ قبولیت ماں باپ کی دعا کی ہے، وہ دعا کہاں چلی جاتی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ دعا یقیناً ہوتی ہے لیکن جہاں آپ نے لینی تھی وہ دامن آپ کا پھٹا ہواہے۔دعا تو آرہی ہے لیکن جس دامن میں آپ نے لینی تھی اُس میں پھٹن ہےاور یہ پھٹن کیسے ہے؟ پھٹن ایسے ہے کہ ماں کی تو دعا لے رہے ہیں لیکن ساتھ ہی پڑوسی کی بددعا بھی لے رہے ہیں۔ادھر کسی کی دعا لے رہے ہیں،اُدھر کسی کی بددعا لے رہے ہیں تو گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ امی دعا کرنا، میں بددعائیں لینے جارہاہوں۔آج فلاں کی زمین پر قبضہ کرنا ہےاور فلاں کی چیز کو

ہتھیانا ہے، فلاں کا بنہ مارنا ہے اور فلاں کے ساتھ یہ کرنا ہے تو ظاہر ہے اِدھر دعا لے رہا ہے اور اُدھر سے بددعائیں لے رہا ہے، اس لیے کچھ پتہ نہیں چلتا، صرف دعائیں لیں تو پھر پتہ چلتا ہے۔ ٹھنڈے جھونکے یقیناً آ رہے ہیں لیکن ساتھ ساتھ گرم بھی تو آ رہے ہیں نا۔

ایک فائدہ اُن دعاؤں کا یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کا وہ غضب جو اُن بددعاؤں کی وجہ سے آنا تھا، ماں باپ کی دعاؤں کی ٹھنڈک اُن کو کم کر دیتی ہے۔ ایسے ہی جیسے ایک پاؤ پانی ہو تو اُسکو ٹھنڈا کرنے کیلئے ایک پاؤ برف کافی ہے لیکن اگر وہ پانی گرم چولہے پر رکھا ہوا ہے نیچے سے گرم بھی ہو رہا ہو اور آپ اُوپر سے ٹھنڈا کرنے کیلئے برف بھی ڈال رہے ہیں تو برف کے بلاک کے بلاک ڈال دیں تب بھی پانی ٹھنڈا نہیں ہوگا۔ برف ڈالنے کا یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ پانی اُبلنے کی وجہ سے شدت سے جو بھاپ اُٹھتی ہے وہ تو نہیں اُٹھے گی لیکن ٹھنڈا بھی نہیں ہو گا، اسی طرح ماں باپ کی دعاؤں کے ٹھنڈے ٹھنڈے سائے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

ہم گناہوں کی چلچلاتی دھوپ میں بھی پھریں اور ٹھنڈی دعاؤں کے سائے بھی ساتھ رہیں تو یہ مشکل ہے۔ ہاں! اگر سائے میں رہیں تو پھر کیا بات ہے۔ ٹھنڈے میٹھے طاعت اور عبادت کے چشموں سے ہم پانی پیئیں اور دائیں بائیں اگر منہ نہ ماریں تو پھر تو لطف آئے گا، پھر تو دنیا ہی میں اللہ کی قسم جنت کے مزے آئیں گے۔ باقی ساری چیزوں میں ہم اس کو سمجھتے ہیں، اگر یہاں بھی ہم اس کو سمجھ لیں تو پھر بات بنے گی۔ ہم طاعت و عبادت کے لیے بھی کوشش کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سوراخ بھی کھلے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے جتنا کما رہے ہیں، ساتھ ساتھ گنوا بھی رہے ہیں۔

زبان سے بھی بعض اوقات آدمی نازیبا جملے کہہ دیتا ہے۔ اِدھر اس نے رات کو تہجد پڑھی، دن کو تلاوت کی تسبیح کی اور نماز پڑھی تو نور اندر آیا لیکن ساتھ زبان کی ٹوٹی بھی اس نے

کھول دی، کسی پر غصہ کر دیا اور کسی کی غیبت کر دی یا کسی کے ساتھ مذاق کر دیا تو سب ضائع ہو گیا اور یہ بیہودہ مذاق تو چہرے کے نور کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "تباہی بربادی ہو، تین مرتبہ اُس بندے کے لیے تباہی بربادی ہو جو لوگوں کو ہنسانے کیلیے جھوٹی باتیں کرتا ہو"۔ شغل لگا رہا ہے، گپ شپ لگا رہا ہے حالانکہ گپ شپ تو وہ لگائے جسکو قبر اور آخرت کا فکر نہ ہو اور جسکے سامنے قبر اور آخرت ہوتی ہے وہ تو قدم قدم پر یہ دیکھتا ہے کہ کہیں میری آخرت تو داؤ پر نہیں لگ رہی ہے۔ میں جو کما رہا ہوں وہ سارا گنوا تو نہیں رہا اور وہ آدمی کتنا پریشان حال ہوگا جو روزانہ کمائے لیکن ساتھ ساتھ گنواتا چلا جائے۔

ہم بھی روزانہ اعمال کما کے گنوا دیتے ہیں۔ غیبت کر کے، بدنظری کر کے کسی اور کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ حلال لذت کمائی ذکر و تسبیح سے لیکن ساتھ ہی آنکھوں کے راستے سے حرام بھی لے لیا اور جن کی نگاہیں ناپاک ہوتی ہیں، عموماً خاتمہ اُن کا کفر پر ہوتا ہے۔ وجہ اُس کی کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اِدھر حلال کمایا تھا، بازار جا کے حرام بھی کما لیا۔ حرام لذت لے کر حلال دے دی تو نتیجے میں تو حرام ہی ہمارے پاس باقی رہ جائے گا۔

ہمیں اپنی نیکی تو یاد ہوتی ہے لیکن گناہ یاد نہیں ہوتا، جس طرح ہم اپنے گناہوں کو چھپاتے ہیں، اسی طرح اپنی نیکیوں کو بھی چھپانا چاہیے۔ تو اگر یہ منفی کیفیات ختم ہو جائیں، پرہیز مکمل ہو اور علاج بھی بھرپور ہو تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمتیں متوجہ ہو جائیں گی۔ اسلیے ہم سب نیت کرتے ہیں کہ جتنی بھی لیکج ہے اُسکو ہم بند کریں گے انشاء اللہ۔ پہلے اُس کو بند کریں گے پھر دیکھئے آہستہ آہستہ کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔ اِدھر تو بھر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ نکال بھی رہے ہیں، زبان کے راستے سے، نگاہ کے راستے سے اور کان کے راستے سے، سوچ و فکر کے راستے سے، اس سے نقصان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی

حاضری کوقبول فرمائے (آمین)۔

بیان شوکت لائن، غلام مصطفٰی ہاؤس بروز اتوار (30 مارچ 2008ء)

الحمد لله، الحمد لله الذی احسن ما خلق وبسط ما رزق وفتح واغلق واسکت وانطق خلق السموت فرتق ثم فتق مارتق والارضین فاطبق والجبال فاشهق والبحار فاعمق والليل فاغسق والصبح فافلق و الرعد فابرق والجنان فاحدق والاشجار فاورق سبحان الابدیّ الابد سبحان الواحد الاحد سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السمآء بغیر عمد سبحان من بسط الارض علی مآء جمد سبحان من خلق الخلق فاحصاهم عدد سبحان من قسم الرزق ولم ینس احد سبحان الذی لم یتخذ صاحبةوّلا ولد سبحان الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد اللهم صل علی محمد و اله بقدر حسنه وکماله یارب صل وسلم دائما ابداعلی حبیبک خیر الخلق کلهم هو الحبیب الذی ترجی شفاعته لکل هول من الاهوال مقتحم دعا الی الله فالمستمسکون به مستمسکون بحبل غیر منفصم. اما بعد فاعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیمo بسم الله الرحمن الرحیم o یآ ایهاالنبی انا ارسلنک شاهدا وّ مبشرا وّ نذیرا o و داعیا الی الله باذنه وسراجامنیرا o

وقال النبی ﷺ " انا رحمة مهداة ". وقال النبی ﷺ " انا سید ولد ادم یوم القیمة ولا فخر ولواء الحمد بیدی یوم القیمة ولا فخر وادم ومن سواه تحت لوائی یوم القیمة ولا فخر " (او کما قال علیه الصلوٰة والسلام)

امام الانبیاء، سرکارِ دوعالم، فخرِ موجودات، امام الرسل، ہادیٔ سبل، محمد مصطفی احمدِ مجتبیٰ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ''اللہ جل شانہ نے مجھے ساری انسانیت میں سے چنا، پسند فرمایا منتخب فرمایا۔ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی علیہ السلام تک، یہ سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور فرمایا حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور جنت کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی''۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ فخر کے طور پر میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کہہ رہا ہوں، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ جو آپ پر میری نعمتیں اور انعامات واحسانات ہیں یہ آپ نے خود بیان فرمانے ہیں۔ باقی انبیاء علیھم السلام کے حوالے سے بھی آپ ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے یہ سب تک پہنچے ہیں تو آپکی اپنی شان بھی آپ ہی کے ذریعے سب تک پہنچنی چاہیے۔

اللہ جل شانہ نے اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کیسا بنایا؟ اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو بہت اونچی نسبتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ امام الانبیاء ہیں، سارے نبیوں کے امام ہیں اور ہم ساری اُمتوں کے امام ہیں۔ وہ سارے نبیوں کے سردار اور یہ اُمت ساری اُمتوں کی سردار ہے، اس لیے اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے اور اپنی اس نسبت کا دفاع کرنا چاہیے۔ وہ سارے نبیوں کے امام فرماتے ہیں کہ ''کوئی نبی جنت میں نہیں جائیں گے جب تک میں نہ چلا جاؤں اور کوئی اُمت جنت میں نہیں جائے گی جب تک میری اُمت نہ چلی جائے''۔

ہمارے سامنے جنت کے احوال بھی ہیں اور جنت تک پہنچنے کا شوق وجذبہ بھی ہے۔ خود ہی ارشاد فرمایا کہ '' اللھم انا نسئلك رضاك والجنة ونعوذ بك من سخطك والنار '' یا اللہ جل شانہ ہم آپ سے آپکی رضا اور جنت مانگتے ہیں اور آپ سے آپ کی

ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔اللہ کی رضا کی جگہ جنت ہے اور اللہ کی ناراضگی کی جگہ جہنم ہے،اب اللہ تعالیٰ کی رضا کیسے ملے گی؟لا الـہ الا الـلـہ اُس وقت تک پورانہیں ہوگا جب تک محمد رسول اللہ ساتھ نہ ہو۔لا الہ الا اللہ تک اگر پہنچنا ہے تومحمد رسول اللہ کے بغیرنہیں پہنچ سکتے۔اگر جنت چاہیے،اللہ کی رضا چاہیے،آخرت کی نعمتیں چاہییں اور دنیا کی سعادتیں چاہییں تو ایک ہی راستہ ہے کہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام لیں۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

نبی علیـہ الـصلوۃ والسلام کے نقشِ قدم پر چلتے چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی تک پہنچتے چلے جائیں گے اور یہی ہماری معراج ہے کہ ہم آپ ﷺ کے نقشِ قدم تک پہنچ جائیں۔اقبال کیا کہتے ہوئے گزر گئے کہ

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اے بندے تو کیا سمجھتا ہے کہ تو میرے محبوب ﷺ کی اداؤں کو اپنی اداؤں میں اور میرے محبوب ﷺ کی وفاؤں کو اپنی وفاؤں میں شامل کر لے یعنی تو اُن کا بن جائے تو پھر یہ جہاں کیا لوح وقلم تیرے ہیں۔پھر جدھر سے تو گزرے گا ہوائیں تیری بات مانیں گی، فضائیں تیری بات مانیں گی اور درندے تیری بات مانیں گے۔"یـآ ایھـا السبـاع والـکلاب نحن اصحاب رسول اللہ ﷺ اخرجوا من ھذا البر" افریقہ کے جنگلوں میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے وفاشعار اور جاں نثار حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ

تعالیٰ علیہم اجمعین جب پہنچے، چھاؤنی قائم کرنا چاہتے تھے۔ خوفناک جنگل تھا اور اُس وقت بھی اُن جنگلوں سے دن کو گزرتے ہوئے بھی خوف آتا تھا اور اُس زمانے میں بھی اُن کی خوفناک اور ہولناک کیفیت مشہور تھی لیکن حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جب وہاں پہنچے تو ایک ہی اعلان فرمایا کہ اے جنگل کے درندو اور وحشی جانورو! ہم امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں، اس جنگل کو خالی کردو۔ آناً فاناً جنگل خالی ہوگیا اور وہاں کے درندے اور وحشی جانور اپنے بچوں کو لے کر جنگل سے نکل گئے اور وہاں چھاؤنی قائم ہوئی۔

ہواؤں کو پیغام دیتے تھے، ہوائیں اُنکا پیغام لے کے پھرتی تھیں۔ آتش فشاں پہاڑ پھٹتا ہے تو حضرتِ سیدنا فاروق اعظمؓ حضرت تمیم داریؓ کو حکم فرماتے ہیں کہ اس آگ کو واپس کرکے آؤ۔ مدینہ منورہ میں آج بھی وہ پہاڑ موجود ہے، حضرتِ تمیم داریؓ اُس آگ کو ہاتھوں سے دھکیل کر لے جاتے ہیں اور واپس وہیں غار میں لے جا کے بند کر کے آجاتے ہیں۔ زمین ہلتی ہے تو حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ اُس پر اپنے قدم مبارک کو مار کے فرماتے ہیں کہ رُک جا، کیا تجھ پر انصاف نہیں ہوتا؟ وہ رُک جاتی ہے۔

نیل کا دریا نہیں چلتا تھا۔ سال میں ایک مرتبہ رُک جاتا تھا اور اُس وقت رسم یہ تھی کہ ایک لڑکی کو ہیرے جواہرات سے سجا کے پھر دریا کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ اُس کے ماں باپ کو راضی کر کے اور اُنہیں منہ مانگی قیمت دے کر ہر سال ایک لڑکی جب تک دریا کے حوالے نہیں کرتے تھے تو دریا چلتا نہیں تھا لیکن جب اسلام آیا تو

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیعِ عاصیاں گزر گیا

آج عورت کہتی ہے کہ میں آزادی چاہتی ہوں، آزادی نہیں بلکہ آج تو بربادی کی طرف جارہی ہے، تجھے آزادی تو اپنے آقا علیہ نے دی ہے۔ تو جس طرح اُس وقت بربادی میں تھی، آج بھی اُسی طرح برباد ہورہی ہے۔ تو اپنے خاوند کی خدمت کو قید سمجھتی ہے، اپنے بچوں کے پالنے کو بوجھ سمجھتی ہے اور اپنے گھر کی چاردیواری میں عزت سے رہنے کو تو ذلت سمجھتی ہے لیکن ایئر ہوسٹس بن کے آٹھ سو اور ہزار سواریوں کے جوتے چاٹنے کو عزت سمجھتی ہے اور کلرک بن کے دوسروں کی نوکریوں کو اور استقبالیہ میں بیٹھنے کو عزت سمجھتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی عزتوں اور عصمتوں کی حفاظت فرمائے۔ اُن کی ہوس کا نشانہ بننے کو اپنی عزت سمجھتی ہے اور اُن کے بستر کی چادروں کے بدلنے میں اور ہوٹلوں پر کام کرنے میں اپنی عزت سمجھتی ہے۔

تجھے عزت تو اپنے آقا علیہ نے دی تھی اور جب تک تو اُن کی نہیں ہوگی، اللہ کی قسم! تجھے ذلت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اُس وقت بھی تو ذلت میں تھی اور آج بھی ذلت کی طرف جارہی ہے۔ اُس وقت بھی تو اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے دستِ شفقت اور رحمت کے نیچے نہیں تھی جس وجہ سے تو پس رہی تھی اور آج بھی اُسی طرح پس رہی ہے۔ کیا کہا جاتا ہے کہ ہم شریعت کی قید برداشت نہیں کرسکتے اور ہم پابندی نہیں برداشت کرسکتے۔ آپ خود فیصلہ فرمایئے کہ جو شریعت کا پابند نہیں ہوگا وہ نفس اور شیطان کا پابند ہے یا نہیں؟ پابند پھر بھی ہے، یا رب کا پابند ہوگا یا پھر سب کا پابند ہوگا۔ یا رب کا غلام ہوگا یا پھر سب کا غلام ہوگا اور جب سے ہم نے رب کی غلامی کا طوق گلے سے نکالا اور اپنے آقا علیہ سے جفا شروع کردی اور اُن سے منہ موڑا ہے تب سے ہم سب کی غلامی، سب کی نوکری اور سب کے قدموں کے نیچے آگئے اور اللہ تعالیٰ ہمیں دکھا بھی رہے ہیں۔ اللہ ہم سب کو پھر سے

اُٹھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے
قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیعِ عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہیں ہے رات آج تک
وہاں وہاں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

تو ہر سال مصر میں ایک بچی دریا کی بھینٹ چڑھتی تھی لیکن جب اسلام کی روشنی وہاں پہنچی تو حضرت عمرو ابن العاصؓ نے فرمایا کہ اب تو ہدایت کا نور آ گیا ہے، اب اندھیرے چھٹ گئے ہیں اُجالے آ گئے ہیں۔ سراجاً منیرا کی روشنیاں سارے جہاں کو روشن کر رہی ہیں اور یہ وہ روشنی اور نور ہے جو حضرت سیدہ آمنہ نے ولادت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک نور مجھ سے نکلا اور اُس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ تو حضرت عمرو ابن العاصؓ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک انسان کو اس طرح سے بھینٹ چڑھایا جائے۔ لوگوں نے کہا کہ جی پھر کیسے ہوگا؟ پانی نہیں ہوگا تو ہم کیا کریں گے؟

حضرتِ عمرو ابن العاصؓ نے خط لکھا مدینہ منورہ میں حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں۔ اُنہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ نے بہت اچھا اور درست فیصلہ کیا، یہ میرا خط ہے جسکے بیچ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اُس ٹکڑے کو آپ دریائے نیل میں ڈال دیں۔ حضرت عمرا بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اُس کاغذ کو جب میں نے پڑھا تو اُس میں لکھا تھا کہ اے نیل! اگر تو خود اپنی مرضی سے چلتا ہے تو ہمیں تیری کوئی ضرورت نہیں اور اگر اللہ تجھے

چلا رہے ہیں تو ہم اُسی ذات سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے جاری فرما دے۔ اب وہ کاغذ کا ٹکڑا دریا میں ڈالنا تھا کہ ایک دم اُس کا پانی ۱۶ گز اُوپر آ گیا اور پھر آج تک نیچے نہیں اُترا ہے

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں

آج وہ برکتیں ہمارے گھروں میں آ جائیں تو اللہ کی قسم راشن ختم نہ ہو، رزق ختم نہ ہو، ایک کمانے والا اور سب کھانے والے ہوں، ایک بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کتنی برکت ہے۔ حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ کو قیصرِ روم نے خط لکھا، ایک قیصر وہ تھا جو آپ ﷺ کے دور میں تھا اور ایک قیصر بعد میں تھا خلفاءِ راشدین کے دور میں اور قیصر اُن کا نام نہیں بلکہ لقب ہوتا تھا جس طرح کسریٰ ایران کے بادشاہ کا لقب تھا، تو قیصر نے خط لکھا کہ میرے سر میں درد رہتا ہے کوئی وظیفہ ارشاد فرما دیجیے۔ حضرت سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ایک ٹوپی اُس تک پہنچا دی کہ اس کو سر پر رکھ دو۔ جونہی سر پر رکھی تو سر کا درد دور ہو گیا لیکن رات کو سوتے ہوئے اُتاری تو پھر درد شروع ہو گیا، اب سر پر رکھے تو درد ختم ہو جائے اور اُتارے تو پھر شروع ہو جائے۔ اُس نے سوچا کہ یہ کیا ماجرا ہے، اُس نے ٹوپی کو اُدھیڑ کر دیکھا تو بیچ میں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا نکلا، فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ، کہ جس قرآن پاک کی ایک آیتِ مبارکہ میں اتنی برکت ہے تو اُس سارے کلام میں کتنی برکت ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستے میں دیکھا کہ ایک قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے، مردہ سخت تکلیف میں ہے، آگے تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ وہاں تو اللہ کی رحمتیں اُتر رہی ہیں اور رحمت کے فرشتے آ چکے ہیں، جنت کے دستر خوان ہیں اور مردہ تو بہت مزے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! قبر تو وہی

ہے اور مردہ بھی وہی ہے لیکن پہلے یہ آگ میں تھا اور اب جنت کے باغ میں ہے، ماجرا کیا ہے؟ اللہ جل شانہ نے وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ! جب یہ بندہ دنیا سے گیا تو اس کی بیوی حاملہ تھی پھر اُس کا بچہ پیدا ہوا۔ جب وہ تھوڑا بڑا ہوا تو ماں نے بچے کو مدرسہ میں داخل کر دیا، اس کے بچے نے جب بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا تو میں نے اُسی وقت اِس کی بخشش کر دی کہ اس کا بیٹا زمین کے اُوپر میرا نام لے اور میں زمین کے اندر اسے عذاب دوں، میری رحمت نے یہ گوارا نہ کیا، اس لیے میں نے اس کی مغفرت کا فیصلہ کر دیا۔

توبسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، کوئی معمولی چیز نہیں ہے اگر اس کا مزاج بن جائے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! گھر میں فاقے کی کیفیت ہے اور معاشی حالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔ فرمایا! جب گھر میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھا کرو، مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا کرو اور پھر گھر والوں کو سلام کیا کرو، اُس کے بعد ایک مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھا کرو۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ ہم گھر میں آئیں تب بھی اللہ کے نبی علیہ السلام نہ بھولیں، گھر سے نکلیں تب بھی وہ نہ بھولیں، خلوت وجلوت میں اُن کو نہ بھولیں۔

حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ سے کسی نے پوچھا کہ خواب میں نبی علیہ السلام کا دیدار نصیب ہو جائے، اس کے لیے کوئی وظیفہ ارشاد فرما دیجیے؟ فرمایا! دن کو جاگتے ہوئے تم اُنہیں نہ بھلاؤ، سو جاؤ گے تو وہ تمہیں نہیں بھلائیں گے۔ جاگتے ہوئے اُنہیں یاد رکھو، سو جاؤ گے وہ تمہیں ضرور یاد رکھیں گے۔ جاگتے ہوئے ہر قدم پر اللہ کے نبی علیہ السلام کی اداؤں کو زندگی میں لانا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ صحابیؓ کچھ دنوں بعد دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! اس عمل کے بعد نہ

صرف یہ کہ میرے گھر میں بلکہ دائیں بائیں پڑوسیوں پر بھی برکتوں کا نزول ہو رہا ہے۔

حضرتِ حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں کچھ نہیں تھا لیکن جب نبی علیہ السلام کو گود میں لیا اور اپنے سینہ مبارک سے لگایا تو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ عطا فرمایا اور وہ برکتیں اُمڈ کر آئیں کہ برتن ختم ہو جاتے تھے لیکن دودھ ختم نہیں ہوتا تھا۔ اُن کی بکریوں کے دودھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے ساتھ حضور ﷺ کی برکت سے جاری فرما دیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ علیہ السلام اور آپ کے جاں نثار حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما ہیں، عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں لیکن روک دیے گئے کہ اس سال عمرہ نہیں کریں گے، واپس جانا ہوگا۔ کچھ دن وہاں ٹھہرنا پڑ گیا، اب پانی ختم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب مبارک کنویں میں ڈالا، بس لعاب مبارک کنویں میں ڈلنا تھا تو صحابیؓ فرماتے ہیں کہ اتنی تیزی سے پانی اوپر آیا کہ میں اپنی چادر چھوڑ کر بھاگا کہ کہیں پانی مجھے بہا کر نہ لے جائے، اس جوش سے پانی اُوپر آیا۔

جعرانہ جس کو جائرانہ کہتے ہیں اور وہاں آج کل جیرانہ کہا جاتا ہے (مکہ مکرمہ سے طائف کا پرانا راستہ)۔ واپسی پر حضور ﷺ نے کچھ دن قیام فرمایا، وہاں پانی کا مسئلہ تھا۔ اُس کنویں میں آج بھی حضور ﷺ کی نسبتوں کی مٹھاس موجود ہے، بیرِ عثمان میں آج بھی مٹھاس موجود ہے۔ اُس میں آپ علیہ السلام کے لعاب مبارک کا ڈلنا تھا کہ ایک دم پانی جوش کر کے اُوپر آیا اور آج تک اُس پانی میں برکتیں موجود ہیں۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر عصفان ہے اور وہاں وہ کنواں ہے جسے اللہ نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اُسکے پانی کو استعمال کرنے بلکہ یہاں مظفر آباد تک لانے اور اُس سے استفادہ کا موقع نصیب فرمایا ہے تو لعاب مبارک میں اتنی برکت ہے۔ آپ علیہ

السلام تبوک کے سفر میں ہیں اور پانی نہیں ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! پانی کا مسئلہ بن گیا ہے، سواریاں بھی بھوکی پیاسی ہیں اور خود بھی ہمیں پانی کی ضرورت ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ''مشکیزوں میں سے پانی نچوڑ کر لے آؤ'' پانی لایا گیا تو تھوڑا سا پانی نکلا۔

حضور ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بیچ میں ڈالا تو ہاتھ مبارک کی پانچوں انگلیوں سے پانی کے فوارے نکلنے لگے۔ سب نے سیر ہو کے پانی پیا، اپنے مشکیزے بھرے اور اپنے جانوروں کو پلایا لیکن پانی پھر بھی ختم نہ ہوا۔ محدثینِ کرام اور فقہائے کرام نے اس پر بھی بحث فرمائی ہے کہ سب سے افضل پانی کون سا ہے؟ سب سے افضل جنت کا پانی ہے، حوضِ کوثر ہے یا زمزم ہے۔ کون سا پانی سب سے افضل ہے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ سب سے افضل پانی تو وہ ہے جو حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک سے نکلا ہے۔ اس لیے کہ باقی کسی پانی کو وہ نسبت حاصل نہیں ہے جو اس پانی کو حاصل ہے جو آقا ﷺ کے دستِ مبارک سے نکلا ہے۔ وہ لوگ کتنی برکتوں والے ہوں گے کہ جنہوں نے وہ پانی نوش فرمایا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن کی محبت نصیب فرمائے۔

غزوہ خندق ہے، آپ علیہ السلام بھی اُس میں شریک ہیں۔ چودہ سو یا چوبیس سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ خندق کھود رہے ہیں اور کھانے کو کچھ نہیں ہے، پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں جلدی سے گھر گیا اور اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے؟ اُس نے کہا کہ تھوڑے سے جو ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کو پیسو، بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، میں نے کہا کہ اس کو ذبح کر کے آپ کو دیتا ہوں۔ اُس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض

کیا یارسول اللہ ﷺ! ثلثة عشر وانت رابع عشر، اربعة عشر وانت خامس عشر ـ تیرہ صحابہ کرام اور چودھویں آپ ہو جائیں یا چودہ صحابہ کرام اور پندرھویں آپ ہو جائیں، کھانے کی دعوت ہے۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''یا اھل خندق ! ھلموا الی غداء جابر'' اے خندق کھودنے والو چلو! جابر نے دعوت کی ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں پریشان ہو گیا کہ انتظام تیرہ چودہ کا ہے اور یہ چودہ سو کھانے کو آئیں گے، اب ظاہر ہے میزبان پر بڑی گراں گزرتی ہے کہ تیاری تھوڑی ہو اور مہمان زیادہ ہوں تو پریشانی ہو جاتی ہے کہ انتظام کیسے ہوگا۔ تیزی سے واپس پلٹے، حضور ﷺ سمجھ گئے کہ پریشان ہیں۔ فرمایا! ''ہنڈیا کو میرے آنے تک نیچے نہیں اُتارنا ہے''۔ گھر پہنچے اور اہلیہ سے کہا کہ انتظام تو تیرہ چودہ کا ہے اور آقا ﷺ نے چودہ سو کو دعوت دے دی ہے۔ اہلیہ بھی اللہ تعالیٰ سب کو ایسی عطا فرمائے،

تعلیم یافتہ بھی ہوں نیک بخت بھی ہوں
تم سے رہیں مدام شیطاں پہ سخت بھی ہوں
قرآن ہی کرے گا ان بیبیوں کو پیدا
پاکیزہ تخم جب ہوں تو عمدہ درخت بھی ہوں

اہلیہ نے کہا کہ آپ نے عرض کر دیا تھا کہ تیرہ چودہ کا انتظام ہے۔ فرمایا ہاں! عرض تو کر دیا تھا۔ کہا پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے جب خود دعوت دی ہے تو اللہ جل شانہ اُن کی برکت سے سب کو کھلا دیں گے، چنانچہ سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاضر ہو گئے۔ دستر خوان بچھ گئے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سب بیٹھ جائیں۔ ہاتھ

دھو لیے گئے اور ہاتھوں کا دھونا یہ مستقل اپنے نبی علیہ السلام کی اداؤں کو اپنانا ہے۔ایک صاحب اِک اللہ والے کی خدمت میں حاضر ہوئے،عرض کیا کہ میں قرضوں میں ڈوبا ہوا ہوں،کوئی وظیفہ ارشاد فرمادیجیے۔

اُنھوں نے ایک تو پڑھنے کے لیے مسنون دعا بتائی اور دوسرا یہ فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولیا کرو۔ ہاتھ دھونے میں ہمیں یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ صرف انگلیوں کو تر نہیں کرنا ہے بلکہ پورے ہاتھ کو دھونا ہے۔اچھی طرح سے دھولیا تو اب دھونے کے بعد کھانے سے پہلے تو لیے سے نہیں پونچنا ہے۔بعض جگہوں پر ہاتھ دُھلانے کے بعد تولیہ شروع میں پیش کرتے ہیں،یہ صحیح نہیں ہے۔شروع میں تو تولیہ نہیں ہوگا اس لیے کہ گیلے ہاتھوں سے تو کھانا کھانا ہے،کھانے کے بعد جب ہاتھ دھوئیں گے تو اُسکے بعد تولیہ استعمال کیا جائے گا،تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اس کا اہتمام شروع کردیا۔چند دن کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! جب سے اس کا اہتمام کیا ہے کوئی پتہ نہیں چلا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح میرے قرضے اُتارے ہیں،میرے سارے بوجھ ختم ہوگئے ہیں۔یہ ساری برکتیں اللہ کی قسم موجود ہیں،اس لیے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے ہمیں چورا ہے پر نہیں چھوڑا ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اِک راہرو کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

ہم اُس طرح کے نہیں ہیں جو چورا ہے پر کھڑے ہوں،ہم تو وہ ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ نے قدم قدم پر ہمیں رحمتیں،برکتیں عطا فرمائی ہیں۔ہر عمل کے لیے نمونہ موجود ہے،ہر عمل کے لیے برکتوں والی نسبتیں موجود ہیں۔ہم اُن کے مطابق کرنے والے بن

جائیں تو برکتیں دھواں دھار ہمارے گھروں میں پہنچیں گی لیکن ظاہر ہے وہ اعمال ہم سے چھوٹے ہیں جن کی وجہ سے برکتیں بھی ہم سے روٹھ گئی ہیں۔ اعمال جب سے چھوٹے، برکتیں تب سے روٹھی ہیں۔ برکتوں کو اگر لانا ہے تو پھر برکتوں والے اعمال کرنے ہونگے۔

نقشِ قدم نبی ﷺ کے ہیں جنت کے راستے

اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

بیٹھ کے کھانا اور دستر خوان بچھا کے کھانا۔ ایک پلیٹ میں اکیلا آدمی روٹھ جائے تو وہ روٹھا ہوا نظر آتا ہے، اُس سے رحمت بھی روٹھ جاتی ہے۔ ایک پلیٹ میں دو، تین ہاتھ ڈلنے چاہمییں۔ آج گھروں میں دستر خوان ختم ہوگئے اور گھروں میں اکیلے کھانے کی فضا بن گئی، ٹیبل اور کرسی پر کھانے کی فضا بن گئی ہے۔ کھڑے ہوکر کھانا تو سرے سے بری بات ہے، یہ تو جانوروں کا کھانا ہے۔ نبی علیہ السلام کے عاشقوں کا کھانا نہیں ہے، وہ تو اپنے آقا ﷺ کی ہر ادا پر مرمٹتے ہیں۔ وہ قدم قدم پر دیکھتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ کی اس عمل میں ادا کیا ہے، اپنی زندگیوں کو اُس پر قربان کر دیتے ہیں، اس لیے بیٹھ کر کھانا ہے۔ جن گھروں سے یہ نسبتیں اُٹھ گئی ہیں، اُن گھروں سے برکتیں بھی اُٹھ گئی ہیں۔ اکیلے چھوٹی پلیٹ لے لی اور اُسی میں کھا رہے ہیں۔ دوسرا بھائی کہیں اور کھا رہا ہے، تیسرا کہیں اور کھا رہا ہے، یہ مناسب نہیں ہے۔

دستر خوان بچھا کر کھانا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال کرنا ہے کہ دستر خوان بچھا کے کھانا پہلے نہیں لگائیں گے، پہلے مہمان بیٹھیں گے پھر کھانا لایا جائے گا۔ آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کھانا محتاج ہے یا ہم کھانے کے محتاج ہیں؟ کھانا انتظار کرے یا ہم کھانے کا انتظار کریں؟ ہم انتظار کریں۔ مہمانوں کو ایک کمرے میں بٹھایا اور کھانا دوسرے کمرے

میں لگایا، اب اُنکو بڑایا جا رہا ہے تو اس طرح کھانے کی بہت بے ادبی ہو جاتی ہے اور رزق کی ناقدری کی وجہ سے اللہ کی رحمتیں بھی اُٹھ جاتی ہیں اور ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا۔ پہلے ہم محتاج بن کے بیٹھیں، پھر دستر خوان بچھایا جائے اور اُسکے بعد کھانا دیا جائے۔

اچھا! اگر دِقت ہو گھر میں، کھانا لانے والا مرد کوئی نہ ہو تو مستورات کے لیے سہولت ہے کہ وہ کھانا لگا دیں، اُس کے بعد مہمان آئیں لیکن اُس میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کھانا دستر خوان پر نہ لگایا جائے، اتنی اجازت ہے (ادب کے اعتبار سے کہ دستر خوان بچھا دیں اور کھانا لا کے وہیں ایک کنارے پر ڈھانپ کر رکھ کے مستورات چلی جائیں اُسکے بعد مرد اندر داخل ہوں اور کھانا وہاں سے اُٹھا کے خود ہی ترتیب بنا لیں۔ اس لیے کہ یہ طالب ہیں اور کھانا مطلوب ہے، یہ محتاج ہیں کھانا ان کا محتاج نہیں ہے۔ اگر یہ ادائیں آجائیں تو برکتیں بھی ساتھ آجائیں گی لیکن چونکہ یہ نہیں ہیں، اس لیے برکتیں بھی ختم ہو گئی ہیں اور کھانے میں اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ دستر خوان نیچے نہ ہو۔ بعض گدے بڑے موٹے ہوتے ہیں، وہ اُونچے ہو جاتے ہیں اور کھانا نیچے، یہ بھی مناسب نہیں ہے۔

حضرت حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانویؒ اپنی بیماری کے دنوں میں جب چارپائی پر کھانا تناول فرماتے تو خود پاؤں کی طرف بیٹھتے اور کھانا سرہانے کی طرف رکھتے تھے۔ یہ کھانے کی عظمت تھی کہ اس کو اُوپر رکھا جائے اور اللہ کی قسم! اگر ہم رزق کو اُوپر رکھیں تو برکتیں بھی آجائیں گی۔ بچپن میں ہم سنتے تھے، مائیں تربیت کیا کرتی تھیں کہ بیٹا! رزق پر پاؤں نہیں آنا چاہیے۔ نمک گر جاتا تھا ہمیں کہتے تھے کہ اُٹھاؤ ورنہ قیامت میں آنکھوں سے اُٹھانا پڑے گا، سمجھانے کے لیے کہتے تھے اور یہ چیزیں گھٹی میں ہوتی تھیں۔

تعلیم یافتہ بھی ہوں نیک بخت بھی ہوں
تم سے رہیں ملائمِ شیطاں پہ سخت بھی ہوں
قرآن ہی کرے گا ان بیبیوں کو پیدا
پاکیزہ تخم جب ہوں تو عمدہ درخت بھی ہوں

ماں جب ایسی ہوگی تو پھر اس کی گود میں پل کر نکلنے والا اپنے وقت کا پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بنے گا کہ ایک تربیت یافتہ ماں کی گود سے یہ طالبِ علم نکلا تو راستے میں سفر کرتے ہوئے ڈاکوؤں کی توبہ کا ذریعہ بن گیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ بن کے نکلے گا کہ ایک سفر فرمایا تو نوے لاکھ کا فر کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو گئے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بن کے نکلے گا، جہاں سے گزرے گا رحمتیں آئیں گی اور وجہ کیا ہے کہ سانچے اچھے ہوں تو مال بھی اچھا تیار ہوتا ہے۔ سانچہ اچھا ہوگا تو چیز بھی اچھی تیار ہو جائے گی لیکن اب سانچے بگڑے ہوئے ہیں۔ اچھے نمونے ہوں تو چیز اچھی بنتی ہے، نمونہ بگڑا ہوا ہو تو چیز بگڑی ہوئی تیار ہوتی ہے۔ آج ہم نے بگڑے ہوئے نمونے لے لیے، اپنے بورڈوں پر دیکھیے، رنگین صفحوں پر دیکھیے، لباس اُن بگڑے ہوئے لوگوں سے لے کر ہم بھی بگڑ گئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنوار دے۔

سنت کے آئینے پہ جو تائبؔ جمی نگاہ
کرتا رہا سنگھار سنورتا چلا گیا

سارے آئینے توڑ دیئے ہیں، اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے کسی کو، ہم صرف اپنے آقا ﷺ کو جانتے ہیں۔ آج بھی نظر اپنے آقا ﷺ پہ ہے اور اللہ کی قسم قیامت کے دن بھی سب کی نظریں آقا ﷺ پر لگی ہوں گی، وہاں بھی اُن کی ضرورت پڑے گی اور آج بھی برکتوں

رحمتوں اور اللہ کی مدد کو لینے کے لیے حضورِ اقدس ﷺ ہی کے درِ اقدس پر آنا ہوگا۔ ہمارے لیے نمونہ امام الانبیاء حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالی ہے اور بنے ہوئے نمونے ہوں تو چیز بنی ہوئی تیار ہوگی، بگڑے ہوئے نمونے ہوں تو چیزیں بگڑی ہوئی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ بگڑے ہوئے لوگ تو بنی ہوئی جگہ پر نہیں جائیں گے۔

ہمارے حضرت عارف باللہ رومی ثانی حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ سٹوڈنٹ (Student) سے لے کر پریزیڈنٹ (President) تک تقریباً سب میں ڈینٹ (Dent) ہیں۔ سٹوڈنٹ میں بھی ڈینٹ ہے اور پریزیڈنٹ میں بھی ڈینٹ ہے اور اگر یہاں ڈینٹنگ (Denting) نہیں ہوگی تو پھر موت پر (اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے) ڈینٹنگ ہوگی اور پھر میدانِ محشر میں ہوگی اور پھر سب سے بڑی ورکشاپ جہنم ہے، جہاں پھینک کر ہماری ڈینٹنگ پینٹنگ (Denting-Painting) کی جائے گی۔ اس لیے کہ بگڑے ہوئے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ بنے ہوئے جائیں گے۔ اگر ہم اپنے آقا ﷺ کے نقشِ قدم پر ہیں تو اللہ کی قسم بنے ہوئے ہیں اور ابھی ہماری آنکھیں بند ہیں، موت پر ہماری آنکھیں کھل جائیں گی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں بسنے والے انسان سوئے ہوئے ہیں، موت پر انکی آنکھ کھلے گی اور غور کیجیے کہ ان ناموں سے کتنا پیار ہے، تقریباً چھ نام ایسے ہیں جو پوری روئے زمین پر ہر ایک کی زبان پر آتے ہیں۔ اللہ، محمد، احمد، علی، حسن، حسین، یہ وہ چھ نام ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں عبداللہ ہوں، بیٹا میرا حبیب اللہ ہے، دیکھیے! اللہ کی نسبت والا نام اور یہ کون ہے؟ جی یہ محمد ادریس ہے اور یہ کون ہے؟ یہ علی

احمد ہے۔ یہ کون ہے؟ یہ محمد علی ہے۔ یہ کون ہے؟ یہ محمد حسن ہے اور یہ محمد حسین ہے۔ یہ مبارک نام ہرایک نام کے ساتھ لگتے نظر آتے ہیں یا نہیں؟ اللہ کی نسبت بھی ہے اور نبی علیہ السلام کی نسبت بھی ہے۔ نام کا شروع محمد سے ہے تو آخر میں احمد ہے اور کہیں علی کے ساتھ نسبت کردی، حضرتِ حسن کے ساتھ کردی، حضرتِ حسین کے ساتھ کردی رضوان اللہ علیہم اجمعین ، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ ظاہری نسبتیں اوران کے ساتھ حقیقی نسبتیں بھی نصیب فرمائے۔

میں دعا کیا کرتا ہوں اور ہمارے اکابر بھی دعا فرماتے ہیں کہ یا اللہ! ہمارے جوانوں کو جنت کے جوانوں کے سردار حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جیسا بنادے۔ یا اللہ! ہمارے جوانوں کے لیے تو نمونہ وہ ہیں، سب جوانوں کو بھی اُن ہی جیسا بنادے اُن جیسے بنیں گے تو پھر اُن ہی کے ساتھ جنت میں جمع ہو جائیں گے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے نمونہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات اور بناتِ طیبات ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رض اللہ تعالیٰ عنہا جنت کے جوانوں کے سردار کی والدہ خود جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور شان دیکھئے کہ قیامت کا دن ہوگا اور حضرتِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب گزریں گی تو اعلان ہوگا، اپنی نظریں جھکاؤ، ابھی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گزر رہی ہیں، آج اس بیٹی کو اپنی والدہ کیوں نہیں یاد آتی۔ آج ہر مسلمان کے دروازے پر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا دستک دے کے فرماتی ہیں کہ اے میری بیٹی! میں تو تجھے جنت میں لے جانا چاہتی ہوں اور تو کہاں جہنم میں جارہی ہے۔ تو میرے تقوٰی کو نہیں دیکھتی، میری پرہیز گاری کو نہیں دیکھتی، تو نہیں دیکھتی کہ میرے جنازے پر بھی کسی غیر محرم کی نظر نہیں پڑی ہے، جنازہ بھی رات کو اُٹھا ہے۔ تو دن

کو ان بازاروں میں کیا کرتی ہے؟ تیرا تو یہ کام نہیں ہے۔ تجھے اللہ کے نبی ﷺ کے دشمن وہاں لے گئے اور میں تو نبی کی بیٹی تجھے اپنے ساتھ جنت میں لے جانا چاہتی ہوں۔ آج فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان مبارک ناموں کی نسبت کے ساتھ کاموں کی نسبت بھی لگانی ہوگی، نام اُنکی نسبت والے ہیں تو کام بھی اُنکی نسبت والے ہوں، ظاہر و باطن بھی اللہ ہم سب کا ایسا بنائے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں" دنیا میں بسنے والے انسان سوئے ہوئے ہیں اور سویا ہوا آدمی خواب دیکھتا ہے۔ کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ میں بادشاہ اور وزیر بن گیا ہوں، کبھی دیکھتا ہے کہ فقیر بن گیا لیکن جونہی آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو خواب تھا اور خواب لمبے بھی ہوتے ہیں۔ فرعون نے تقریباً چار سو سال لمبا بادشاہت کا خواب دیکھا، موسیٰ علیہ السلام نے اُسکو بڑا جھنجھوڑا اور جگایا لیکن وہ نہیں جاگا۔ نمرود نے لمبا خواب دیکھا، ابراہیم علیہ السلام نے بہت جگایا لیکن نہیں جاگا۔ شداد نے بڑا لمبا خواب دیکھا۔ قارون نے بہت لمبا تجارت اور مال و دولت میں کامیابی کا خواب دیکھا، موسیٰ علیہ السلام نے جگایا لیکن نہیں جاگا۔ فرعون جب ڈوبنے لگا تب اُس کی آنکھ کھلی، شداد جب گر رہا تھا تب آنکھ کھلی، قارون جب زمین میں دھنس رہا تھا تب آنکھ کھلی۔ ابوجہل وابولہب کو بھی حضور ﷺ نے بہت ہلایا، وہ بھی نہیں ہلے لیکن جب آنکھ کھلی تو آگے جہنم تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی آنکھ ابھی کھلوا دے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ آج سوئے ہوئے ہیں۔ ہم پہلے کیا سمجھتے تھے کہ ہم جاگ رہے ہیں اور موت پر آنکھیں بند ہوں گی لیکن حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ آج سوئے ہوئے ہیں، موت پر ان کی

آنکھیں کھلیں گی ۔آخرت کے مناظر جب سامنے آئیں گے ، نیک ہے تو جنت سامنے آجائے گی، برا ہے تو جہنم سامنے آجائیگی، تو آنکھ اُس وقت کھلے گی، اللہ کرے زندگی میں ہی کھل جائے ۔ ہم جو خوابِ غفلت میں مدہوش پڑے ہیں اور لمبی غفلت کی چادر تانے سوئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ابھی جگا دے تاکہ ابھی سے آخرت کی تیاری میں لگ جائیں۔حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ فرماتے ہیں اور شان دیکھیں کتنی ہے کہ فرمایا" یا علی! ارضیٰ ان تکون منزلك مقابل منزلی فی الجنة " او کما قال علیه الصوۃ والسلام اے علی! کیا اس پر راضی نہیں ہو کہ جنت میں آپ کا گھر اللہ نے میرے گھر کے سامنے بنا دیا ہے۔وہ تو جنت میں بھی ساتھ ہیں، اللہ ہم سب کو ان مبارک نسبتوں کی قدر نصیب فرمائے ۔ناموں کی نسبت بھی ہو جائے، کاموں کی نسبت بھی ہو جائے اور پوری طرح سے اُن کے رنگ میں رنگے جائیں۔تو کیا فرمایا کہ آج آنکھیں بند ہیں، موت کے وقت کھلیں گی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ فرماتے ہیں

اذا عاش الفتی ستین عاماً

فنصف العمر تمحقه اللیالی

اگر آدمی کو ساٹھ سالہ ویزا دے کر دنیا میں بھیجا جائے تو تیس سال تو اس کے راتوں میں گزر جاتے ہیں ۔ہم سب ویزے پر آئے ہیں یا نہیں؟ سب ویزے پر آئے ہیں ۔ہم پردیس میں ہیں یا اپنے وطن میں؟ پردیس میں ہیں، وطن تو جنت ہے جہاں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوگا۔صحابہ کرام دنیا سے جارہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں، حضرت بلالؓ دمشق میں ہیں اور دنیا سے پردہ فرما رہے ہیں، بیوی پریشان ہے لیکن خود خوش ہیں اور فرمایا اس لیے

خوش ہوں کہ " غدا نلقی الاحبة محمدا و حزبه "کل جا کے نبی علیہ السلام کا دیدار کروں گا، اپنے ساتھیوں کا دیدار کروں گا۔

حضرت سیدنا عثمانِ غنیؓ فرماتے ہیں کہ انہیں آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمان! روزے کی حالت میں ہو اور افطار میرے دستر خوان پر تم نے آ کے کرنا ہے۔ تو کیوں نہ خوشی ہوتی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی یہ عظمتیں نصیب فرمائے۔ اپنے آقا ﷺ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان نسبتوں میں کمال عطا فرمائے۔ ہمیں اس کے لیے اپنے کو تیار کرنا ہو گا۔ ہم پردیس میں ہیں اور وطن ہمارا جنت ہے، اللہ ہم سب کو وہاں تک پہنچائے۔ اگر ہم نے وطن کو یاد نہ رکھا تو وطن کو بھلانے والے اپنی منزل کو پا نہیں سکتے۔ اللہ ہم سب کو پردیس میں رہتے ہوئے وطن کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم سب یہاں ویزے پر آئے ہوئے ہیں، کسی کو ساٹھ سالہ ویزا ملا، کسی کو تھوڑا اور کسی کو زیادہ لیکن جونہی ویزا ختم ہو گیا تو پھر ہمیں پردیس سے وطن کو جانا ہو گا اور پردیس آدمی کیوں کاٹتا ہے؟ عیاشی کے لیے یا غفلت کے لیے یا پھر کمائی کے لیے تا کہ کما کر اپنے وطن کو بھیجے، اپنے وطن کو بنائے، وطن کو بنانے کے لیے آدمی پردیس میں آتا ہے۔ ہم یہاں پردیس میں آئے تا کہ اپنا وطن بنائیں۔ جنت ہمارا وطن ہے، اس لیے ہم جنت میں اپنے پلاٹ بنائیں، جنت میں اپنے محلات بنائیں، جنت میں اپنی جائیدادیں بنائیں، جنت میں اپنا سب کچھ بنائیں تا کہ مزے سے وہاں اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں رہیں۔

جنت کے منظر کا تصور کیجیے، کسی جنتی سے پوچھیں گے کہ آج آپ کیوں اتنے خوش ہیں وہ کہے گا کیوں نہ خوش ہوں کہ آج میری جنت میں میرے آقا ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ آج کیوں خوش ہیں جنتی؟ اس لیے خوش ہیں کہ آقا ﷺ نے جنت میں ان کی ضیافت کا

انتظام فرمایا ہے۔ جنتی اپنے آقا ﷺ کے پاس جارہے ہیں اور خود آقا ﷺ ہر ایک کے پاس تشریف لا رہے ہیں، اللہ کی قسم! رہنے کی جگہ تو وہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس کا استحضار نصیب فرمائے اور یہاں پردیس سے ہمارا دل اُٹھنے لگ جائے اور اپنے دیس میں دل لگنے لگ جائے۔ دنیا کو ہم راستہ سمجھیں، اس کو منزل نہ سمجھیں۔ تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کیا ارشاد فرمایا کہ اگر ساٹھ سالہ زندگی کسی کی ہو تو تیس سال تو اُس کے راتوں میں گزر گئے۔ ہم تو دنیا میں آئے ہی اپنے وطن کو بنانے کے لیے ہیں، اللہ اکبر!

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ''جنت میں محل بن رہا ہوتا ہے، بنتے بنتے تعمیر رُک جاتی ہے۔ تعمیر فرشتے ہی کر رہے ہوتے ہیں تو پاس سے گزرنے والے فرشتے پوچھتے ہیں کہ خیریت تو ہے بڑا شاندار محل تھا، تعمیر کیوں رُک گئی؟ وہ فرشتے بتاتے ہیں کہ جس کا محل ہے اُس نے میٹیریل بھیجنا بند کر دیا ہے۔ وہ کیسے؟ مثلاً رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ تراویح شروع ہوگئی، نمازیں شروع ہوگئیں، مسجدیں آباد ہوگئیں اور چونکہ آخرت کی کرنسی اعمالِ صالحہ ہے، نیکیاں ہیں تو اب آدمی نیکیاں کما رہا ہے اور آگے بھیج رہا ہے اور وہاں اس کا محل تعمیر ہو رہا ہے۔ پھر جب رمضان شریف ختم ہوا تو رفتہ رفتہ تلاوت ختم، نماز ختم، اللہ کا ذکر ختم اور مسجد کو جانا ختم اور پھر وہی غفلت شروع ہوگئی تو ظاہر ہے جتنا بھیجے گا، اتنا ہی بنے گا۔

میٹیریل بھیجنا بند کر دیا تو تعمیر رک گئی چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ بعض جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ادھورے گھر اُن کو ملیں گے، چھتوں کے بغیر ملیں گے اور بعض جنتیوں کے باغات تھوڑے ہوں گے، درخت تھوڑے ہوں گے، زمین تو کافی ہوگی لیکن اکثر حصہ خالی ہوگا۔ وجہ کیا ہے؟ ساتھ والے کے تو بہت باغات ہیں، میرے تھوڑے ہیں۔ ارشاد ہو

گا کہ دنیا میں کمانے کے لیے ہی تو بھیجے تھا۔ سبحان الله! غرس فی الجنة، الحمدللہ! غرس فی الجنة، لا اله الا الله! غرس فی الجنة۔ یہ ایک سبحان الله ہی تو جنت کا درخت تھا، آپ اگر وہاں لگا لیتے تو آج یہاں اُس کو پا لیتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ دو جنتی جنت میں داخل ہوں گے، ایک کو اُوپر کی جنت اور دوسرے کو نیچے کی جنت ملے گی، اب نیچے والے جنتی کو اشکال ہوگا کہ دنیا میں ہم اکٹھے تھے، نیکیاں اکٹھی کی ہیں اور آخرت کی کمائی ہم اکٹھے کرتے رہے تو یہاں بھی ہمیں اکٹھے ہی ہونا چاہیے تھا، میں نیچے اور یہ اُوپر کیوں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندو! آج انصاف ہوگا ظلم نہیں۔ ہم نے تم دونوں کے نامہ اعمال کو دیکھا تو اُس کے نامہ اعمال میں ایک دفعہ سبحان الله تجھ سے زیادہ تھا۔ جب ایک سبحان الله زیادہ ہے تو درجہ بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ اس لیے یہاں رہ کر اپنی آخرت کو بنانے اور سنوارنے کی کتنی ضرورت ہے۔ تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم الله وجهه فرماتے ہیں

اذا عاش الفتى ستين عاماً

فنصف العمر تمحقه الليالی

اگر ساٹھ سال زندگی گزاری ہے تو آدھی زندگی تو راتوں میں گزر گئی۔

و نصف النصف يذهب ليس يدری

لغفلته يمينا من شمال

اور آدھے کا آدھا یعنی پندرہ سال تو لڑکپن میں، لا اُبالی پن اور غفلتوں میں گزر گئے تو تیس سال سونے میں اور پندرہ سال اُچھلنے کودنے میں، پینتالیس سال تو ضائع ہو گئے۔ اب کتنے باقی رہ گئے؟ پندرہ سال باقی رہ گئے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ تو دنیا کی کسی منڈی میں پچاس روپے لے کر گیا۔ راستے میں بھوک لگ گئی، پچاس میں سے پانچ استعمال کر لیے تو پینتالیس رہ گئے۔ اب وہاں منڈی میں پہنچا اور سودے پر ہاتھ رکھا، سودا پسند آیا، تو پوچھا کتنے کا؟ بتایا گیا کہ پچاس روپے کا۔ اب تو کہتا ہے کہ اوہو! کاش میں بھوک پر صبر کر لیتا۔ پینتالیس روپے تو موجود ہیں لیکن سودا نہیں خرید سکتا، اس لیے کہ مطلوبہ مقدار سے کم ہیں۔ فرمایا! دنیا کی منڈیوں میں جاؤ، پینتالیس ہوں اور صرف پانچ کم ہو جائیں تو آپ سودا نہیں لے سکتے۔ آؤ رب کے بازاروں میں آؤ اور آخرت کے خریدار بن کے آؤ۔

اگر پچاس سال زندگی لے کے آئے تھے اور پینتالیس تم نے ضائع کر دی اور پانچ سال باقی رہ گئے بلکہ پانچ مہینے باقی رہ گئے پانچ مہینے نہیں بلکہ پانچ ہفتے، پانچ دن نہیں نہیں بلکہ پانچ گھنٹے باقی رہ گئے، پانچ منٹ بھی اگر باقی رہ گئے ہیں، اگر ان کو بھی قیمتی بنالو تو اللہ کی قسم! جنت کے بالا خانوں کو لینے والے بن جاؤ گے۔ سب کے سودے تو ہمیں سمجھ میں آتے ہیں، اسٹاک مارکیٹ میں کیا ریٹ چل رہا ہے یہ تو مجھے پتہ ہے لیکن رب کے ہاں کیا قیمت لگ رہی ہے، اس کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ آخرت کی منڈیوں کے بھاؤ کیا ہیں، کوئی خبر نہیں ہے۔

فضائلِ اعمال کی تعلیم کے حلقے آخرت کی منڈیوں کے بھاؤ بتائیں گے۔ معارف الحدیث میں اللہ کے نبی علیہ السلام کے ارشادات، ترجمان السنۃ میں احادیثِ مبارکہ سے آخرت کی منڈیوں کے بھاؤ معلوم ہوں گے۔ کیا بھاؤ لگ رہا ہے ایک نماز جماعت سے پڑھنے کا؟ تین کروڑ پینتیس لاکھ چودن ہزار چار سو بتیس نمازوں کا ثواب ملے گا، یہ جب معلوم ہوگا تو آدمی کبھی گھر میں نماز نہیں پڑھے گا۔ آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”گھر

سے وضو کر کے مسجد کو جا رہا ہے تو ایسے ہے جیسے احرام باندھ کر حج کو جا رہا ہے"۔ اس شان والا ہے یہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ تو آپ دیکھئے کہ پینتالیس سال گزر گئے، کتنے باقی رہ گئے؟ پندرہ سال باقی رہ گئے۔

وثلث النصف امال و حرص

وشغل بالمكاسب والعيال

ساڑھے سات سال تو کمانے میں، جائیداد بنانے میں، ان چیزوں میں لگ گئے اور اگر اوسط نکالی جائے تو

وبا في العمر أسقام و شيب

وهم بالارتحال والانتقال

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ باقی زندگی جو ساڑھے سات سال رہ گئی تھی وہ پریشانیوں میں، صدموں میں گزر جاتی ہے، اسی طرح سارا وقت ختم ہو جاتا ہے اور طول العمر جهل۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے اگر آدمی اس طرح زندگی گزارے تو اس سے زیادہ لمبی زندگی بھی اس کو مل جائے تب بھی یہ کچھ ہاتھ میں لا نہیں سکتا، خالی ہاتھ ہی واپس جائے گا۔ اس اجنبی مسافر کی طرح جو گیا تو کمانے کے لیے تھا لیکن وہاں خوب مزے اُڑاتا رہا، اب واپسی کا ٹکٹ بھی اُسکے پاس نہیں ہے۔

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستے میں ایک جگہ ٹھہرے، دستر خوان بچھایا اور کھانا کھانے لگے، دور دیہات میں پہاڑوں کا سفر تھا۔ ایک چرواہا بکریاں لے کر آ رہا تھا، فرمایا کہ آؤ چرواہے تم بھی کھانا کھاؤ، اُس نے کہا میرا روزہ ہے۔ فرمایا! اس شدت کی گرمی میں روزے سے ہو؟ اُس نے عرض کیا! جی ہاں۔

فرمایا اچھا! بڑی بات ہے۔ پھر امتحان نے لیے فرمایا کہ اچھا! ایک بکری تو ہمیں دے دو، ہم ذبح کر کے کھالیں گے اور تمہیں پیسے دے دیں گے، تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کے کھالینا، تمہاری افطاری کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ اُس نے کہا کہ میں ان بکریوں کا مالک نہیں ہوں، میں تو چرواہا ہوں، یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔

دوبارہ امتحان کے لیے فرمایا کہ تم قیمت وصول کرلو، بکری ہم استعمال کرلیں گے اور مالک سے کہہ دینا کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا۔ اُس چرواہے نے تڑپ کر کہا کہ فاین الله۔ جب مالک کو میں یہ بات کہہ رہا ہوں گا تو اللہ اُس وقت کہاں چلے جائیں گے، اللہ تو دیکھ رہے ہیں۔ تو حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بڑے مزے سے فرماتے تھے کہ فاین الله فاین الله، پہاڑوں اور جنگلوں میں ایک چرواہا اُس زمانے میں اتنا اللہ کے خوف والا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کہاں چلے جائیں گے۔ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب شہر میں واپس آئے تو اُس کے مالک کا پتہ کیا اور پھر مالک سے اُس چرواہے کو بھی خریدا، اُسکی بکریوں کو بھی خریدا اور خرید کر اُس کو ہدیہ فرمادیں کہ یہ سب تجھے ہدیہ ہے۔ ہمارے پاس تو رہا ہی کچھ نہیں ہے اور جنتیں تو ویسے بھی ہم نے داؤ پر لگا دیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت جابرؓ کی دعوت ہے، دستر خوان بچھ گئے اور کس نے بچھوائے؟ آقا ﷺ نے۔ ہمیں بھی کھاتے پیتے ہوئے اپنے آقا ﷺ یاد آنے چاہییں۔ بائیں ہاتھ سے پیتے ہوئے کانپ جانا چاہیے، بایاں ہاتھ شیطان کا ہاتھ ہے۔ ہم نے آقا ﷺ کا ہی دل دکھانا ہے اور کیا دل دکھانے کے لیے صرف نبی علیہ السلام ہی رہ گئے ہیں؟ کیا صدمے پہنچانے کے لیے حضور ﷺ کی ذاتِ عالی ہی رہ گئی ہے۔

سرکار تو اُمت کی بخشش کے لیے روئیں
اُمت ہے کہ ہنس ہنس کر جیتی ہے گناہوں میں

اُمت گناہ کر کر کے ہنستی ہے اور آقا علیہ السلام ان کی بخشش کے لیے روتے ہیں، اللہ کرے ہم اُن آنسوؤں کی لاج رکھنے والے بن جائیں۔ اللہ تو لاج رکھ رہے ہیں، ہم بھی رکھنے والے بن جائیں، اللہ ہمیں اُن میں سے بنائے۔ تو ان موقع پر ہمیں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم یاد آنے چاہئیں۔ لباس پہنتے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے اور پانی پیتے ہوئے یاد آنے چاہئیں۔ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا اور بائیں ہاتھ سے لینا دینا شیطان کا ہے، اس سے تو ہم توبہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم رحمٰن کے بندے ہیں، شیطان کے نہیں ہیں، تو دستر خوان بچھ گئے اور کھانا لگ گیا۔ آپ علیہ السلام اپنے دستِ مبارک سے نکال نکال کر عطا فرما رہے ہیں اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ گھر میں جب داخل ہو تو بسم اللہ پڑھ لے، کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھ لے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ چلو اس گھر سے! یہاں ہمارے لیے کچھ نہیں ہے اور جو گھر میں داخل ہو بغیر بسم اللہ کے، کھانا کھائے بغیر بسم اللہ کے، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ آ جاؤ آ جاؤ، یہ اپنا ہی گھر ہے۔ یہاں کھانے کو بھی ملے گا اور رہنے کو بھی ملے گا۔ اب جن گھروں میں شیاطین کے بسیرے ہوں اور کھانے پینے میں شیاطین کا حصہ ہو وہاں برکتیں آ سکتی ہیں؟

سارے گھر والے دن رات کمانے میں لگ جائیں اور کمائی کی مشین بن جائیں لیکن پھر بھی اخراجات پورے نہیں ہوں گے اور کوئی برکت نہیں آ سکتی جب تک اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی

نسبتیں نہیں آئیں گی۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ، کھانا تناول فرمایا جا رہا ہے، آقا علیہ السلام نے بھی بعد میں تناول فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہڈیاں قریب کر دینا، پھینکنا نہیں ہے۔ جب دیکھا تو روٹیاں بھی اتنی ہی تھیں جتنی شروع میں رکھی تھیں، ایک روٹی بھی کم نہیں ہوئی اور سالن بھی اتنا ہی تھا، ذرا کم نہیں ہوا اور چودہ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھا کر اُٹھ گئے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ساری ہڈیوں کو جمع کر لو اور جمع کر کے دعا فرمائی اے اللہ! آپ نے ہمیں اپنے خزانوں سے کھلایا ہے، اب آپ ہی اس بکری کے بچے کو زندہ فرما دیجیے۔

حضرتِ جابرؓ فرماتے ہیں کہ بس دعا ہونے کی دیر تھی، میں نے دیکھا کہ بکری کا بچہ اُچھلتا ہوا وہ جا رہا ہے۔ فرمایا جابر! لو اپنی بکری کا بچہ بھی سنبھالو، روٹی اور سالن بھی سنبھالو، اللہ نے ہمیں اپنے خزانوں سے کھلایا۔ وہ اللہ آج بھی موجود ہے اور ہمارے نبی علیہ السلام ہمیشہ کے نبی ہیں، سارے نبیوں کے نبی ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میرا بچپن ہے اور میں اپنے آقا علیہ السلام کے ساتھ چل رہا ہوں، ابھی نبوت کا اعلان نہیں فرمایا۔ آپ علیہ السلام جس جگہ سے گزرتے تو " ما استقبلہ شجر ولا حجر ولا مدر الا ان یقول السلامُ علیك یا رسول اللہ " کوئی درخت، کوئی پتھر اور کوئی چٹان ایسی نہیں تھی کہ حضور علیہ السلام گزر رہے ہوں اور وہ بڑھ بڑھ کے سلام نہ پیش کرتے ہوں، سب حضور علیہ السلام کو پہچانتے تھے، اللہ ہم سب کو بھی پہچاننے والا بنا دے

وہ ستون، وہ درخت کا تنا جس پر دستِ مبارک رکھ کر آپ علیہ السلام خطبہ ارشاد فرماتے تھے، جب منبر تیار ہو گیا تو رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں ہم سوچنے لگے کہ پتہ نہیں کہاں سے آوازیں آ رہی ہیں تو پتہ

چلا کہ وہ ستون آپ ﷺ کی جدائی میں رورہا ہے۔ آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اُسکو اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور تسلیاں دیں، پھر فرمایا کہ اس پر تم تیار ہو کہ تمہیں جنت کا درخت بنا دیا جائے اور جنت میں میری رفاقت مل جائے۔ اُس درخت نے تو آپ علیہ السلام کو پہچانا ہے لیکن ہم اپنے آقا ﷺ کی سنتوں کو نہیں پہچانتے، ہمیں پتہ ہی کوئی نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام کی سنتوں کا کوئی پتہ ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ بیٹھ کے کھانا، دسترخوان پر کھانا اور ہاتھ دھو کے کھانا، پھر بعد میں بھی ہاتھ دھونا اور کھانے کے بعد پہلے دسترخوان کو اُٹھانا اور خود بعد میں اُٹھنا، یہ آداب بھی ہمیں اپنے آقا ﷺ نے سکھائے ہیں۔ الحمد للہ الذی حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا، یہ دسترخوان اُٹھانے کی دعا ہے۔

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیع عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی دہیں ہے رات آج تک
وہاں وہاں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

اللہ کی قسم! جن گھروں میں سنتیں نہیں ہیں اور جن گھروں میں آپ علیہ السلام کے مبارک طریقے نہیں ہیں، وہاں تاریکیاں ہیں۔ لاکھ ہم کوشش کریں یہ تاریکیاں نہیں جائیں گی، جب تک ہم سنتوں کے نور کو وہاں نہیں جگمگائیں گے۔

حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! بھوک لگی ہے۔ فرمایا پتہ کرتا ہوں گھر سے، پھر ایک دودھ کا پیالہ لائے تو میں نے سوچا کہ یہ چھوٹا سا پیالہ، چلو کچھ گزارہ تو ہو جائے گا۔ فرمایا جاؤ! اصحابِ صفہ کو بلا کر لے آؤ۔ اب میں

پریشان ہوگیا، اس لیے کہ خدمت کا تو مجھے ہی فرمائیں گے اور خدمت والے کو تو آخر میں ملتا ہے لیکن میں گیا اور اُن کو بلا کر لے آیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا ابوھریرہ! یہ پیالہ لو اور انکو پلاؤ۔ میں پلاتا چلا گیا اور وہ سب پیتے چلے گئے یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر پی لیا اور ایک گھونٹ بھی دودھ کا کم نہیں ہوا، پھر مجھ سے فرمایا کہ تم بھی پیو۔ کہتے ہیں کہ میں نے پیا اور اتنا زیادہ پیا کہ میں نے عرض کیا کہ آقا ﷺ اب تو سیر ہو گیا ہوں، اب مزید گنجائش نہیں رہی ہے۔ دودھ جوں کا توں ہے اور سب سیر ہو کر چلے گئے۔

ایک وقت تھا کہ چیزیں ختم نہیں ہوتی تھیں۔ آج ثلاجہ (فریج) بھی آ گیا اور ٹھنڈے صندوق بھی آ گئے لیکن پھر بھی برکتیں نہیں ہیں، بخل بڑھ گیا ہے اور سخاوت کم ہوگئی ہے۔ پہلے پکا کر محلے میں تقسیم کرتے تھے، تب بھی ختم نہیں ہوتا تھا۔ دیسی گھی اور دیسی چیزیں گھر سے ختم نہیں ہوتی تھیں لیکن اب تو ملک پیک (Milk Pack) یہاں سے جاتا ہے، برکتیں روٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

نبی علیہ السلام کی سنتوں سے ہم نے منہ موڑا تو اللہ کی رحمتوں نے بھی ہم سے منہ موڑ لیا ہے۔ کون کون نیت کرتے ہیں کہ اپنے آقا ﷺ کی سنتوں کو سینے سے لگائیں گے جیسے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنھا نے آپ علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگایا، اللہ نے اُن کو کتنا اُونچا اُٹھایا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم آپ ﷺ کے دین کو اور طریقے کو سینے سے لگائیں۔ اللہ اکبر! مجھے پنجابی سے مناسبت نہیں ہے لیکن ایک پنجابی شاعر کہتا ہے کہ

کسے ماں ایہو جیا سونہڑاں نہ جنڑیا
جڈا اپنڑی مرضی مطابق اے بنڑیا

مصور نے بس اخیر کر سٹی
بنڑی نہیں جیدے نال تصویر کٹی
حسیناں جمیلاں دا منہ موڑ دِتا
محمد ﷺ بنڑاں رب قلم توڑ دِتا

نازاں ہو جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروانِ شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

جب روضہ اقدس پر اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں صلوۃ وسلام پیش کرنے کے لیے پہنچیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو پہنچائے، بار بار پہنچائے۔ وہاں کا جینا بھی نصیب فرمائے اور وہاں کا مرنا بھی عطا فرمائے۔

لبوں پہ مہرِ سکوت ہو ادب کا یہ مقام ہے
یہاں دھڑکنوں کے درود ہیں اور آنسوؤں کا سلام ہے
اے کاروانِ شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

میرے لیے ہر گلشنِ رنگیں سے بھلی ہے
کانٹے کی وہ نوک جو طیبہ میں پلی ہے
جو اُن کی گلی ہے، دراصل ہے وہ جنت
دراصل جو جنت ہے، وہی اُن کی گلی ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُنہی گلیوں کا باسی بنائے اور اِدھر اُدھر کی گلیوں میں آوارہ گردی سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے، ہم ہوں اور ہمارے آقا ﷺ ہوں اور اُن کا نقشِ قدم ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ نسبتیں نصیب فرمائے (آمین)۔